

جولائی ۱۹۹۳ء

①
جامعہ علمیہ "باب النجف" جاڑا کی پہلی پیش کش
شیعان اکل محمد خصوصاً واعظین و مبلغین کے لئے نادر و نایاب حنفیہ



مجموعہ الاسلام علامہ حسین بخش مدظلہ بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف

اپنے چوں کہ ایسے ایسے الیکٹرانکس کالی نیٹا کی
جس سے دیگر سوسائٹیاں بھی انا دارہ کر سکتے ہیں
طالب سیدندر عباس 12-6-2004

ہدیہ: 130/- روپے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللّٰهُمَّ عَرَفْنِيْ نَفْسِكَ فَانْتَكَ اِنْ لَمْ تَعْرِفْنِيْ نَفْسِكَ لَمْ
اعْرِفْ نَبِيَّكَ اللّٰهُمَّ عَرَفْنِيْ نَبِيَّكَ فَانْتَكَ اِنْ لَمْ
تَعْرِفْنِيْ نَبِيَّكَ لَمْ اعْرِفْ حَقِّكَ اللّٰهُمَّ عَرَفْنِيْ حَقِّكَ
فانْتَكَ اِنْ لَمْ تَعْرِفْنِيْ حَقِّكَ ضَلَلْتُ عَنْ دِيْنِيْ -

”اهداء“

اس عالم میں مجھے کوئی ایسی ذات ستودہ صفات نظر نہیں آتی جس کی بارگاہ میں اس
مجربہ کو تقدیم کروں۔ سوائے ان ذوات مقدسہ کے جن کو لسان وحی ترجمان نے قرین قرآن قرار
دیا اور فرمایا۔ اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمْ الثَّقَلِیْنِ کَتَبَ اللّٰهُ وَعَنْقُوْنِیْ ”الحدیث“ پس میں اس کتاب
کو آل محمدؑ کی بارگاہ قدس میں بطور ہدیہ پیش کر کے خوشنودی و رضائے خالق کی امید کرتا
ہوں کیونکہ ان کی رضا و خوشنودی سے اللہ راضی و خوشنود ہوتا ہے۔

صَلِّی اللّٰهُ عَلَیْكُمْ یَا اَهْلَ بَیْتِ النُّبُوَّةِ وَمَوْضِعِ الرِّسَالَةِ وَمَخْتَلَفِ الْمَلَائِكَةِ
وَمَهْبَطِ الْوَحْیِ وَالتَّنْزِیْلِ وَرَحْمَةِ اللّٰهِ وَبَرَکَاتِهِ وَبَعْدَ هَذِهِ هَدِیَّةٌ
مِّنِّیْ اَلِیْكُمْ فَتَقَبَّلُوْهَا بِقَبُوْلِ حَسَنِ یَا سَادَتِیْ وَمَوَالِیْ - فَاخِیْ مَوَالِیْ
لَوْلَیْكُمْ وَمَعَادِ لَعَدُوْكُمْ عَجَّلَ اللّٰهُ فَرَجَکُمْ -

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ أَيُّكَ نَعْبُدُ وَأَيُّكَ نَسْتَعِينُ
 اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُوقِي الْمُلْكَ مِنْ تَشَاءُ وَتُنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ
 وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُنزِلُ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
 تُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
 وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
 سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
 لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ
 مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ
 بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
 سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَشْرَ السُّجُودِ
 أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ
 هُمُ الْمُهْتَدُونَ وَالسَّلَامُ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى
 وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولِيَاءُ لَهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ
 مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

فہرست عناوین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۶	امام محمد تقی علیہ السلام کا واقعہ	۶	تہبید
۶۹	علوم تیسرا آئینہ الہیت عصمت کے پاس ہیں	۱۰	سلسلہ اسناد
۷۲	تائید مطلب	۱۲	ضرورت علم
۷۴	قرآن کی تفسیر و تاویل	۱۴	قرآن مجید میں علم کی عظمت
۷۵	حضرت امام جعفر صادقؑ کی ابوحنیفہ سے گفتگو	۱۶	امادیت کی روشنی میں علم
۷۷	ائمہ بدعتی کون ہیں؟	۲۱	علم تفسیر
۸۱	حضرت علیؑ کا علم اور صحابہ کا اعتراف	۲۴	علوم کی ترتیب
۸۲	حضرت علیؑ کا دعوائے سلونی	۲۵	فضائل قرآن
۸۵	حدیث ثقلین	۲۸	حاملین قرآن کے اوصاف
۹۰	اوصیائے پیغمبر	۳۰	آداب تباری
۹۵	قرآن و ختم نبوت	۳۱	علم تفسیر اور قرآن
۹۹	قرآن و وجود مہدی	۳۶	تلاوت قرآن کے فضائل
۱۰۴	قرآن کا ظاہر و باطن	۴۳	آداب تلاوت
۱۱۲	قرآن سے شیعہ کا تمسک	۴۴	رسم و سون خوانی و نقل خوانی
۱۱۹	تاویل قرآن و عبادت ظاہریہ	۴۷	ترتیل قرآن
۱۲۰	ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے	۵۱	حضرت علیؑ کی ایک ہزار رکعت پر اعتراض
۱۲۳	جامع قرآن کا مفہوم و مصداق	۵۵	قرآن کی سات قرابتیں
۱۳۰	جمع قرآن میں اختلاف	۵۷	اعجاز قرآن
۱۳۲	حضرت علیؑ پہلے حافظ قرآن تھے	۶۳	معجز نما کی ضرورت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۹۲	عصمتِ انبیاء	۱۳۵	ابتدائے نزولِ قرآن
۱۹۴	حضرت ابراہیم پر جھوٹ کا الزام	۱۳۶	ترتیبِ نزول
۱۹۶	حضرت آدم کی عصمت	۱۳۹	موجودہ ترتیب کئی ومدنی
۲۰۰	ضرورتِ قرآن مجید	۱۴۱	احراقِ قرآنی
۲۰۵	قرآن کے ساتھ ضرورتِ امام	۱۴۳	ناسخ و منسوخ
۲۰۶	قرآن و تقلید	۱۴۵	قرآن و اہلبیت سے امت کا سوک
۲۱۲	مسئلہ تقلیدِ علم	۱۵۰	صحابہ رسول میں علم و قرآن
۲۱۹	علمائے سوکاحشر	۱۵۸	حضرت علی کا مقام
۲۲۰	معیارِ مقبولیتِ اعمال	۱۶۰	موازنہ
۲۲۲	معرفتِ امام	۱۶۳	صراطِ مستقیم
۲۲۹	امامت و مورت میں تلازم	۱۶۶	صحابہ کے دلوں میں حرمتِ اہلبیت
۲۳۰	عدل و اجباط و شفاعت	۱۶۱	احراقِ بابِ فاطمہ
۲۳۹	علیٰ تقسیمِ جنت و نارچہ	۱۶۱	معرفتِ خدا
۲۴۲	اجبر رسالت	۱۶۵	ادلِ مخلوق
۲۴۴	اجباطِ عمل و عدل	۱۶۹	منازلِ معرفت
۲۴۸	شدت و عدل	۱۸۱	صادق اکمل محمد کا طبیبِ ہندی سے مکالمہ
۲۵۶	مسئلہ تفویض	۱۸۴	کوئی امام سے گفتگو
۲۶۱	حرفِ آخر	۱۸۴	نتیجہ بحث
۲۶۲	چہل حدیث	۱۸۶	ضرورتِ نبی

اے اللہ! حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے صدقہ میں مجھے اپنے دینِ متین کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرما اور میری اس کتاب یعنی تفسیر انوار النجف کو مصحفِ ابرار میں جگہ دے اور مومنین کو لگا کر زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ کی سعادت نصیب فرما اور اس کو میرے لئے اور میرے آباء کرام اور میرے اعزاء و جملہ لواحقین نیز اساتذہ و تلامذہ کے لئے ذریعہ بخشش و نجات قرار دے (آمین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا !

مدت سے طبیعت میں خیال پیدا ہوا تھا۔ اور چند روزہ دل میں تڑپ بھی پیدا ہوئی تھی لیکن عرصہ محدود تک کے لئے اور وہ صرف اس لئے کہ نہ حالات مقتضی تھے اور نہ اسباب موافق تھے نہ وقت میں گنجائش تھی اور نہ ہمت میں استقامت یار تھا۔ بس دل ہی دل میں اُس اور نہ کی کشمکش تھوڑے وقت تک رہ کر منصرف ہو جاتی رہی۔ بخصب اشرف میں گواہی دقت گزارنے کا موقع نہ مل سکا۔ جتنا طبیعت چاہتی تھی۔ تاہم اپنے فرائض کا احساس تھوڑے ہی عرصہ میں پھر از سر نو پیدا ہو کر تیز سے تیز تر ہو گیا۔ حتیٰ کہ باوجود اسباب ظاہریہ کی عدم مساعدت کے اضحلال پذیر نہ ہو سکا۔

وہ خیال یہ کہ خدمت علوم آل محمد میں تدریسی فرائض سنبھالنے کے علاوہ تصنیف و تالیف کی طرف بھی اقدام کروں۔ تاکہ **مِدَادُ الْعُلَمَاءِ اَفْضَلُ مِنْ دِمَائِ الشُّهَدَاءِ** کا مقدس جُود صرف کانون تک ہی محدود نہ رہ جائے بلکہ عملی اقدام کر کے امیدوارانِ اجر کے ذمہ میں خواہ آخری نمبر پر ہی ہی شمار ہو جاؤں۔ متعدد گوشوں میں خیال دوڑایا کہ کس چیز پر قلم اٹھاؤں پھر کافی ذہنی جوڑ توڑ کے بعد اسی نظریہ پر پہنچ کر آخر کار طبیعت نے قرار پکڑا کہ قرآن مجید ہی کی خدمت پر لمحات فرصت کو صرف کروں کیونکہ یہ اساس دین بھی ہے اور اصل علوم بھی۔ لہذا باوجود انتہائی ہمت شکن حالات کے اسی نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کا عزم مصمم کر کے تفسیر قرآن کے لکھنے پر کمر باندھی۔

چنانچہ اپنے دماغ میں یہ فیصلہ کر کے بخصب اشرف کے زبان قیام میں بھی بعض عنوانات قائم کر کے بطور مقدمہ تفسیر کھنا شروع کر دیا۔ تاکہ شہ بخصب باب مدینہ علوم نبویہ کی بارگاہ فیض بار سے اس خیر کثیر کی ابتداء انتہا تک پہنچنے کی بشارت کی حامل ہو۔ صرف فال نیک قرار دیکر وہاں ابتداء کر لی اور اس کے بعد فوراً مراجعت وطن مالوف (پاکستان) کا مرحلہ پیش آ گیا۔

یہاں پہنچ کر پھر خیالات میں تشقت و افتراق سا پیدا ہو گیا۔ چنانچہ عالم خواب میں مولائے کونین ابوالحسنین باب العلوم النبویہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی بارگاہ اقدس سے اشارہ پا کر اپنے گھر میں ہی مدرسہ دینیہ کی تشکیل کا ارادہ کر لیا۔ جس کا نام اپنے حسن عقیدت کی بناء پر جامعہ علمیہ باب البخصب "تجویز کیا۔ جس کی پہلی تحریک ۱۳۴۲ھ بروز جمعہ ہوئی۔ اور اسی ماہ کے آخر میں سنگ بنیاد رکھا گیا اور ساتھ ساتھ طلبہ کرام کے پہنچ جانے پر تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ دو سال کا عرصہ تو دوڑ دھوپ اور مدرسہ کے ابتدائی حالات کو سنوارنے کی کوشش میں صرف ہو گئے۔ جب

قدر سے فراغت ملی تو ارادہ سابقہ کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن مدرسہ کی تعمیری منازل ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں لہذا صرف دو چار ورق مسودہ کے طور پر لکھنے کے بعد دفتر کتابت کو بند کر دیا۔

چونکہ تفسیر قرآن کے لکھنے کے متعلق اشتہارات شائع ہو چکے تھے۔ لہذا جہاں کہیں سلسلہ مجالس سفر کرنے کا اتفاق ہوتا تو ارباب محبت اور صاحبان عقیدت ملاقات ہوتے ہی رسمی احوال پرسی کے بعد تفسیر کے متعلق دریافت کرتے لکھتی ہے یا نہ؟ کتنی لکھی جا چکی ہے اور کس قدر باقی ہے؟ اس قسم کے سوالات کے سُننے کے بعد مجالس زور ہو کر جواب میں نفی نہ کر سکتا تھا اور نہ اثبات کی جرأت تھی۔ سو اُسے اس کے کہ دوسرا دوسرے باتوں سے ٹال دیا جاتا۔ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

مہر کیف ایک برس کامل اسی طرح ٹال مٹول میں گذر گیا اور یہ مدرسہ کا تیسرا سال تھا۔
بھلا اللہ اسی سال مدرسہ کا تعمیری کام بہت کچھ ختم ہو گیا اور طبیعت میں کافی سکون و اطمینان آ گیا۔ لہذا دیرینہ خواہش کی تکمیل کا موقعہ پا کر لکھنا شروع کر دیا۔

اس سلسلہ میں لائق صد ستائش ہیں وہ لوگ جنہوں نے تعمیری اخراجات میں میرا بوجھ ہلکا کر کے مجھے اس قسم کے مشاغل سے سبکدوش کر دیا۔ خصوصاً ملک میوہ رک سئم جس نے جامع مسجد باب النجف کی تعمیر میں بہت بڑا حصہ لیا اور عالی بناب سید غلام حسین شاہ صاحب فرزند سید علی شاہ صاحب مرحوم ساکن سید علیاں جنہوں نے تعمیر مسجد باب النجف کے لئے گرانقدر عطیہ کی پیش کش فرمائی۔

اور فرسادات محترم سید محمد راجہ سجادہ نشین شاہ یوسف گردیز ملتان جنہوں نے جامعہ علمیہ باب النجف کے وسیع احاطہ میں اپنے نام سے ایک علیحدہ مدرسہ بنوایا جو پانچ کمروں پر مشتمل ہے جس کا نام احاطہ یوسفیہ تجویز ہوا اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً مدرسہ کی دیگر امداد بھی فرماتے رہتے ہیں۔

اور صوفی محمد اور سئم آف لاہور جنہوں نے مدرسہ کی باقی تعمیر کمروں کی تکمیل میں معتدبہ حصہ لیا۔ ان کے علاوہ سید غلام رضا شاہ صاحب ساکن نوشہرہ (سابق ذیلدار) سید عبدالغفار شاہ صاحب۔ ساکن مودالی۔ سید امیر حسین شاہ صاحب ساکن مٹھ پور۔ ملک غلام محمد ساکن واندھی شاہ داؤد۔ زوار کالو خان ساکن جبار والا اور ملک فدا حسین جازرا جنرل سیکرٹری مدرسہ ہذا جنہوں نے عمارتی لکڑی سے مدرسہ ہذا کی بہت کافی اعانت فرمائی۔

خداوند کریم ان کے اور باقی سب معاونین کے عطیہ جات کو شرف قبولیت مرحمت فرما کر ان کو اجر جزیل عطا کرے آمین۔ اور بے حد ناشکری بلکہ انتہائی ناتدرشناسی ہوگی۔ اگر اس مقام پر اپنے قبدر کعبہ

علیہ قرآن جو چکے ہیں خداوند کریم ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ سے ملے یہ بھی وفات پا چکے ہیں۔ خدا ان کو بخشے۔

ملے اس سلسلہ میں ملک غلام حیدر جازرا لائق صد تحسین ہیں جن کی مساعی جیل سے مدرسہ کے کمروں کی تعمیر میں مائل شدہ رکاوٹی دور ہوئی۔

والد ماجد اداؤم اللہ ظلہ العالی کو فراموش کر دوں۔ جن کے وجود مسعود کی برکات اور بااخلاص دعاؤں کے اثرات کے علاوہ جانی و مالی تعاون اور غیر معمولی عملی جذبہ و جہد سے مدرسہ کا خیالی خاکہ ناقابل انکار حقیقت بن کے رہا۔ ضعیفی اور پیری کے باوجود تعمیر مدرسہ میں انہوں نے وہ نمایاں خدمات انجام دیں جو نوجوانوں کو جوہیرت کر دیں اور یہ سب کچھ ان کے خلوص اور قوتِ ایمان کا نتیجہ تھا۔ خداوند کریم ان کے سایۂ عاطفت کو ہمارے اوپر دیرگاہ رکھے اور ہمیں ان کے فیوضِ برکات سے مستفید ہونے کا زیادہ موقعہ بخشے۔

آخر میں ان طلباء کرام کا تشکر یہ کرتا ہوں جن کے عملی تعاون سے باب النجف نے جامعہ حقیقت مہینا۔ سچ ہے اگر طلبہ کرام ہمت ہار جائیں تو مدرسہ کا تعمیری کام جو دنوں میں پورا ہوا وہ سالوں میں پورا ہوتا۔ خداوند کریم ان کی خدمات کو مقبول فرمائے اور اس کے صلہ میں ان کے دامن کو دولتِ علم و عمل سے بھر دے اور ان کو زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین کا شوق عطا فرمائے۔

وہ طلباء کرام جو ابتدائے تعمیر مدرسہ سے آخر تک شریک رہے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

- (۱) مولوی سید کریمت علی شاہ ساکن وچھ ضلع سرگودھا۔ نائب مدرس جامع المنتظر لاہور۔ (۲) مولوی مشتاق احمد جاڑا۔
- (۳) مولوی کاظم حسین جاڑا (۴) مولوی سید امداد حسین شاہ ساکن کارلو والا تحصیل علاقہ مہنگہ ضلع میانوالی (۵) مولوی سید ضمیر باقر شاہ ساکن کلرکوٹ ضلع میانوالی (۶) مولوی محمد اعجاز خلیف الرشید مولانا مولوی محمد حسن ٹانٹے پوری ساکن ڈیرہ اسماعیل خان (۷) سید نیاز حسین ساکن کاٹھگرہ ضلع ڈیرہ (۸) محمد ہاشم ساکن جاڑا (۹) سید فیروز حسین شاہ ساکن گرہ بلوچ علاقہ ٹانگہ ضلع ڈیرہ (۱۰) سید ضیاء حسین شاہ ساکن گرہ بلوچ (ٹانگہ) (۱۱) غلام باقر ساکن نورنگ (ٹانگہ) (۱۲) رنبواز ساکن جھوک قریشی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

خداوند کریم ان کو اور باقی تمام طلباء علوم آلِ محمد کو تحصیلِ علوم دینیہ میں بلند توفیقی عطا فرمائے اور جسے ان کی صحیح خدمت کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائے۔

جامع مسجد باب النجف کی ابتدائے تعمیر ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ کو ہوئی اور اس کی تکمیل ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ کو ہوئی اور شمال و جنوب میں (مسجد کی ہر دو طرف) جو اٹھارہ کمرے (مصح مدرسہ یوسفیہ) ہیں ان کی ابتدائے تعمیر ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ کو اور تکمیل حسب سابق ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ کو ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اب اس کام سے

علیہ الحاج ملک اللہ بخش جاڑا غفرلہ لہذا اسکند فی فرادیس جنازہ جن کی وفات ۲۴ ماہ رمضان ۱۳۶۷ھ اور ۱۵ ماہ رمضان کی درمیانی رات مطابق ۳۰ اگست ۱۹۴۷ء بجے شب بھرا ۱۰ بجے دن اپنی بستی جاڑا کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔

۱۳۶۷ھ کو آجکل جامعہ حسینیہ جنگ صدر میں بحیثیت پرنسپل تدریسی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

ایضاً فارغ التحصیل ہونے کے بعد قتال پوری خلیف مقرر ہوئے تھے ۱۳۶۵ھ میں ایک ڈنٹ کے حادثہ سے وفات پا گئے مہی خدا ان کو مغفرت کرے آمین

کسی حد تک سبکدوش ہو جانے کے بعد تصنیف کی طرف اقدام کی جرات کی بہت کوشش کی کہ کوئی نائب مدرس ایسا ملے جو میری طرح طالب علمی حیثیت کو اپناتے ہوئے امور تدریسیہ کی خاطر خواہ انجام دہی کے علاوہ تصنیف و تالیف میں میرا ہاتھ بٹائے۔ لیکن زمانہ کی ناسازگار ہونے ہم سے وہ رخ بھی پھیر دینے۔ جن پر ہمیں بہت زیادہ توقع تھی۔ جب پرانے باخلاص اور عقیدت مند شاگردوں کے کندھوں پر سہارا لینے کی کوشش کی تو سوائے مالوسی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ جن پر سو فیصدی وفاداری کا ظن تھا۔ وہ سو فیصدی خود غرض مطلب پرست اور مہمانہ جو نکلے۔ بہت عرصہ تک کتب انٹوسس مدارجہ۔ کاش المیوں سے ایسی توقعات وابستہ نہ کی ہوتیں۔ خیر جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا۔ جب ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار چکنے کے بعد معادن کے میسر نہ آنے کا کسی حد تک یقین ہوا۔ اور امیدیں ختم ہوئیں اور اس طرف ہماری تہدید میں جس قدر اضافہ ہوتا گیا اس طرف احباب کے اصرار میں بجائے تحفیف کے تشدید کا اضافہ ہوتا گیا۔ پس اللہ پر بھروسہ کر کے تدریسی اوقات سے تھوڑا تھوڑا وقت بچا کر یہ کام شروع کر دیا۔ چنانچہ دس جلدی اشانیہ ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۵۸ء اور ۸ پودہ ۲۰۱۵ء بکرمی۔ شب سوموار مقدمہ تفسیر کو لکھنا شروع کر دیا چونکہ اس کی پہلی بارگاہ قدس شہ نجف میں ہوئی تھی۔ لہذا تفسیر کے لئے "الوار النجف فی السمر المصنف" نام تجویز کیا۔ اور بھروسہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۹۷۶ء بروز جمعرات ۴ بجے بعد دوپہر تفسیر کا کام مکمل ہو گیا اس تفسیر میں مطح نظر یہ ہے کہ احادیث و اقوال آئمہ اہلبیت کی روشنی میں مطالب قرآنیہ اور مقاصد ربانیہ کی ترجمانی کی جائے۔ باوجودیکہ اپنی علمی بے بضاعتی اور ذہنی کم مائیگی کے پیش نظر اس مقصد عظیم کو نبھانے کے لئے کمزوری کو بہت زیادہ محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن قرآنی خدمات سے موجودہ دور کے ذمہ دار حضرات کی غیر معمولی تساہل شعاری بلکہ انتہائی سپہوشی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ڈر بھی محسوس ہوتا ہے کہ کہیں اس خیر کثیر کو ترک کر کے زیر بار نہ ہو جاؤں۔

خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ مجھے قرآن مجید کی صحیح خدمات انجام دینے والوں کے زمرہ میں مشور فرمائے اور قرآن کو نظر انداز کرنے والے یا مطالب قرآنیہ میں اپنی رائے کو دخل دینے والے گرد ہوں میں میرا حشر نہ کرے اور مجھے اس کار خیر کی انجام دہی میں تائید غیبی سے سرفراز فرما کر توفیق اتمام مرحمت فرمائے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ اللہم اجعلنی ممن ینذکر فتعہ الذکر۔

بھروسہ دعا مستجاب ہوئی اور تقریباً ۱۰ سال ۴ ماہ کی مسلسل محنت و کادش کے بعد یہ تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اور اس مقدمہ کے ساتھ تفسیر ہذا کل چودہ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔

سلسلہ اسناد

اکابر ملت بیچارہ و مصابیح شریعت غزوات حضرات علمائے عراق سے اجازہ روایت حاصل کرنے اور سلسلہ جلید روایان احادیث ائمہ اطہار علیہم السلام میں منسک ہونے کے بعد چاہتا ہوں کہ حاصل شدہ نعمت عنانی کا نگرہ ادا کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں بنہایت عجز و انکساری دُعا مانگوں کہ مجھے اس کا خیر کثیر یعنی ارادہ تالیف تفسیر میں اپنی عنایت عالیہ سے موید و موفق فرمائے تاکہ میرا شمار بھی ان لوگوں میں سے ہو سکے جنہوں نے ترویج معالم دین مبین کے لئے قلم اٹھائی اور اپنے صحیفہ اعمال میں خدمات علوم آری محمد کے خیر فانی و لازوال نقوش ثبت کئے

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

بطور تبرک اپنے سلسلہ سند کو ائمہ طاہرین کے ساتھ متصل کرنے کے لئے رجال سند کا ذکر کرتا ہوں فاقول

بحمد اللہ حدثنی شیخی العلامة فحی الشریعة البیضاء مہیت البدعات العیاء فحار العلماء ختام الفقہاء خاتمة المحدثین الاعلم الا و مع آية الله العظيمة حجة الاسلام والمسلمين استاذ الفقهاء والمجتهدين الحاج محمد محسن المدعو باقا بزرگ الطهراني مدظله اجازي في داره للسادس عشر من الجميدى الثانيه سنة ١٣٤٢ عن شيخه العلامة خاتمة المحدثين والمجتهدين الحاج الميرزا حسين النوري المتوفى في النجف في (١٣٣٠) عن استاذہ واستاذ الكل الشيخ العلامة المرتضى الانصاري المتوفى (١٢٨١)

عن استاذہ وشيخه الاوحد صاحب المستند البولي احمد الزاقي المتوفى (١٢٢٥) عن شيخه واستاذہ آية الله بجز العلوم السيد مهدي الطباطبائي المتوفى (١٢١٢) عن شيخه الاستاذ الوحيد الاقامه محمد باقر البهبهاني المتوفى بالحائر الشريف (١٢٠٦) عن والده و استاذہ الاجل البولي محمد اكل عن العلامة الاعلم المولى محمد باقر المجلسي المتوفى (١١١١) عن والده العلامة المولى محمد تقى بن مقصود على المجلسي المتوفى (١٠٤٠)

عن شيخ الاسلام والمسلمين بهاء الملة والدين محمد الغاملي المتوفى (١٠٣٠)

عن والده الشيخ عز الدين حسين بن عبد الصمد الحادق المتوفى (٩٨٢)

عن استاذہ السعيد الشيخ زين الدين الشهيد المتوفى (٩٢٦)

عن الشيخ الفقيه علي بن عبد العالی الميبي المتوفى (٩٣٨)

عن الشيخ محمد بن محمد بن داؤد الموزن الحزبي ابن عمر الشهيد الاول

عن الشيخ ضياء الدين علي بن الشهيد -

عن والده العلامة السعيد الشيخ شمس الدين ابي عبدالله محمد بن محمد المكي الحزبي

الشهيد في (٤٤٦) عن استاذة فخرالدين محمد المعروف بفخر المحققين المتوفى (٤٤١)

عن والده واستاذة شيخ جمال الدين ابي منصور الحسن بن يوسف بن المطهر الحلّي الشهير بالعلامة

المتوفى (٦٢٦) عن استاذة الشيخ نجم الدين ابي القاسم جعفر بن الحسن بن سعيد الحلّي الشهير بالحق

الحلّي المتوفى (٦٤٦) عن الشيخ تاج الدين الحسن بن علي الداربي -

عن الشيخ ابي عبدالله محمد بن احمد بن شهر يار الفايز المشهور امير المؤمنين عليه السلام -

عن شيخه وشيخ الطائفة الشيخ ابي جعفر محمد بن الحسن بن علي الطوسي المتوفى (٥٦٠)

عن شيخه واستاذة السعيد الشيخ ابي عبدالله محمد بن محمد ابن النعمان المفيد المتوفى (٥١٣)

عن شيخه واستاذة الشيخ ابي قاسم جعفر بن محمد بن قولويه القمي المتوفى (٣٨٦)

عن شيخه ثقة الاسلام الشيخ ابي جعفر محمد بن يعقوب الكليني المتوفى (٣٢٩)

عن علي بن ابراهيم عن ابراهيم بن هاشم عن الحسن بن الحسين الفارسي عن عبد الرحمن

بن يزيد عن ابيه عن ابي عبدالله عليه السلام قال قال رسول الله طلب العلم فريضة على

كل مسلم الا ان الله يحب بغاة العلم

باسناد متصل حضرت امام جعفر صادق عليه السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسالتاً نبی نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر علم کا طلب

کرنا فرض ہے۔ آگاہ ہو کہ اللہ علم کے چاہنے والوں کو دوست رکھتا ہے (کافی)

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَنِي مِنَ الْمُنْتَسِكِينَ بَوْلَاءِ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَالْمُنْتَسِكِينَ فِي

سلسلة رواة احاديثهم صلى الله عليهم

علاوہ ازیں جن علماء سے اجازت برائے روایات حاصل کئے گئے ہیں ان کو کتاب "امانت و ولوکیت" کے

اواخر میں مفصل بیان کر دیا گیا ہے۔ اس جگہ تبرک کے لئے صرف ایک سلسلہ سند کو ذکر کیا گیا ہے۔

ضرورت علم

اس میں شک نہیں کہ بینائی نامیائی سے نورِ ظلمت سے اور علم جہل سے بہتر ہے لیکن کیا ہر جہالت گردن زدنی اور ہر علم واجب التحصیل ہے ؟

تو ہر ذی شعور کی طرف سے اس کا جواب نفی میں ہو گا کیونکہ ہر علم کی تحصیل امکان بشری سے بالاتر ہے۔ بلکہ ہر جہل سے تنفر اور ہر علم سے اتصاف صرف ذاتِ علیم و علیم ہی کا خاصہ ہے۔

انسان پر تو صرف ایسے علوم کی تحصیل حتی الامکان واجب ہے جو انسان کو تمام ایسے نقائص و عیوب سے بچنے کی دعوت دیں جو وقارِ انسانیت کے لئے باعثِ عار اور ناموس انسانیت کے لئے باعثِ ننگ ہوں اور ایسے علوم کی دریافت ضروری ہے۔ جو اوج کمالِ انسانیت کے آخری زمینہ تک پہنچانے والے اصرار و رموز کا پتہ دیں ہر صاحبِ عقل جانتا ہے کہ انسانی وجود دو اہم جزوں کا مجموعہ ہے یعنی بدن اور رُوح۔

بدن جزوِ کثیف مادی ہے جو عناصر اربعہ (مٹی، پانی، آگ، ہوا) سے مرکب ہے اور اس کا تعلق عالمِ سفلی سے ہے۔ رُوح جزوِ لطیف مجرد ہے اور بسیط ہے۔ یعنی مرکب نہیں اور بدن کا مدبتر ہے اور یہ عالمِ علوی سے تعلق رکھتا ہے۔ بنا بریں جزوِ ازل بدن ظلمانی اور محکوم ہے اور دوسری جزو (رُوح) نورانی اور مدبتر ہونے کی حیثیت سے مالم ہے بدن اور رُوح ہر دو کے بقاء اور ارتقاء کے لئے حفاظت اور تربیت ضروری ہے۔ پس بدنی نشوونما یا اصلاح کے لئے ایسے علوم کے حاصل کرنے کی سعی لازم ہے جو صرف کسبِ معاش میں سہولت کے موجب ہوں تاکہ جسمانی صلاحیتوں سے بود باش کی فطری ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل ہو سکے اور بقاء نسل انسانی کے اہم فریضے سے عہدہ بڑا ہونے کے علاوہ منازلِ روحانیت کی طرف قدم بڑھانے کے لئے کوئی ظاہری رکاوٹ سد راہ نہ ہو۔ کیونکہ جب تک انسان تندرست نہ ہو یا دیگر معاش سے پوری طرح سکون و اطمینان حاصل نہ کر لے بلنی اصلاح کی طرف قدم اٹھانا نہایت مشکل و دشوار ہے۔

لیکن یہ علوم چونکہ صرف بقاء و ارتقاء جسمانی کے لئے ہیں لہذا اتنی ہی مقدار پر اکتفا کر لینا ضروری ہے۔ جس سے یہ مقصد پورا ہو سکے۔ حد ضرورت سے تجاوز صرف وبال جان ہی نہیں بلکہ وبالِ اخروی کا پیش خیمہ بھی ہے۔ گویا جسمانی ترقیاں رُوح کی تربیت کا راستہ ہموار کرنے کے لئے ہیں خود مقصود بالذات نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انسان عامر الخلق کے مقابلہ میں اشرف المخلوقات کے ذریعے لقب سے ملقب ہے۔

رُوح کی تربیت اور فلاح و مہبود کے لئے ایسے علوم حاصل کرنے کی ضرورت ہے جن کی بدولت انسان

اپنی اس حقیقی منزل تک رسائی حاصل کر سکے۔ جس کا وہ اہل قرار دیا گیا ہے اور وہ مرد۔ علم شرعیہ ہی ہے۔
 بن کی اصل و اساس قرآن مجید ہے اپنی علوم کی بدولت انسان اپنے خالق سے قرب حاصل کر کے جانتا
 جاوے اور عیشِ سرمدی کے بلند ترین مقصد پر فائز ہو سکتا ہے اور اوج شرافت کے اوجہ بہ اوجہ تک رسائی
 حاصل کر کے **وَأَقْدَقَ كَلِمَاتِهِ** کا حقیقی مصداق بن سکتا ہے۔

لہذا وہ علم جو نہ صرف مادہ پرستی کی دعوت دیتے ہیں بلکہ روحِ انسانیت کے لئے پیغامِ مرث بھی ہیں۔
 وہ علم جو نہ صرف شکم پری کا ذریعہ ہیں بلکہ ظلم و تشدد کا آلہ کار بھی ہیں۔
 وہ علم جو صرف ظاہری دجاہت و اقتدار کا سبب ہیں۔
 اور وہ علم جو خود ستائی یا خود نمائی کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں۔

صرف جسدِ خضریٰ کے لئے چند روزہ بہار تو ضرور ہیں لیکن ان کا انجام روحِ انسانیت کی تباہی و بربادی
 کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس قسم کی زندگی حیوانی زندگی یا اس سے بھی بدتر اور موتِ حیوانی موت یا اس سے بھی پست تر ہے
 پس انسان کی زندگی صرف روح کی بقا و ارتقاء سے وابستہ ہے اور ایسے علوم کی تحصیل جو اسی مقصد کے
 حصول کا ذریعہ ہوں۔ انسانیت کے فرائض میں سے اہم ترین فریضہ ہے۔ لہذا زندگی کا اہم ترین حصہ اسی مقصدِ عظیم
 کی تحصیل کے لئے وقف کر دینا انسان کی عین سعادت اور اس سے پہلو تہی کرنا یا جی پرنا عین شقاوت اور کمالِ بدبختی ہے
 اصول کافی میں منقول ہے۔ ایک روز حضرت رسالتؐ وارد مسجد ہوئے۔ لوگوں کا بہت بڑا ہجوم دیکھ کر سبب
 دریافت فرمایا۔ کسی نے عرض کیا حضور! یہاں ایک علامہ موجود ہے۔ جس کے ارد گرد لوگ جمع ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ علامہ
 کا کیا مطلب ہے؟ لوگوں نے عرض کی حضور! ایک شخص ہے جو قدیم تاریخِ عرب اور علمِ الانساب کا ماہر ہے۔ لوگ اس
 سے اس قسم کی باتیں دریافت کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ ایک ایسا علم ہے جس کے عالم کو اس سے کچھ
 فائدہ نہیں اور اس کے جاہل کو اس کا کچھ ضرر نہیں بلکہ علم تو صرف تین قسموں میں ہی منحصر ہے۔

(۱) آیاتِ حکمہ کا علم

(۲) فرائض کا علم

۱) آیاتِ حکمہ کا علم: حدیث اور فقہ کے علاوہ تمام علوم بے فائدہ اور لغو ہیں۔
 گو یا یہی علوم وہ ہیں جن کا عالم ان سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور ان کا جاہل ان کی جہالت سے نقصان
 اٹھاتا ہے اور یہی علوم انسان کو مادیت کے پست ترین گڑھے سے نکالی کر اوجِ انسانیت کے بلند ترین ذمہ
 پر فائز کرتے ہیں اگر ان علوم کے حاصل کرنے والا ظاہری دنیا سے انتقال بھی کر جائے تاہم اس کے روحانی فیوض
 و برکات کبھی مردہ نہیں ہو سکتے۔

بلکہ جس طرح ان علوم کا جاہل باوجود زندہ ہونے کے مردہ ہونے کے مترادف ہے۔

- اسی طرح ان کا عالم بعد موت کے بھی زندہ جاوید ہے۔
 - اول الذکر کی زندگی ناموس انسانیت کے لئے عار ہے۔
 - اور موخر الذکر کی زندگی وقار انسانیت کی بہار ہے۔
 - وہ ننگ انسانیت مرنے کے بعد ذکر خیر سے قطعاً محروم ہوتا ہے۔
- اور یہ حسن انسانیت بحیثیت انسانیت کے مقدس اوراق پر اپنی علمی و عملی وجاہت اور حسن سیرت و بلند کردار کے وہ انفرادی نقوش چھوڑ جاتا ہے جو انسانیت نواز افراد سے رہتی دنیا تک نراج تحسین حاصل کرتے رہیں گے۔ پس انسانیت کی ممتاز زندگی اور اسی کی لازوال درخشندگی کے لئے علوم دنیویہ کی تحصیل میں انتہائی کوشش غیر متزلزل اور زیادہ اور سب سے زیادہ ضروری ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ جہانی تربیت کے لئے اسی قدر کسب معاش ضروری ہے جس سے بقا نوع انسانی کی عائد شدہ ذمہ داریوں سے عہدہ بڑا ہونا سہل ہو اور روحانی تربیت کے لئے اس کے اسباب و ذرائع کی تلاش اس قدر ضروری ہے کہ اس سے اس کی بصر میں حاصل ہونے والی غیر فانی زندگی شہایت پر سکون اور خوشگوار بن سکے کس قدر افسوس و حیرت کا مقام ہے کہ جزوقانی جسم کہ چند روزہ آرام و آسائش کے لئے انتہائی تگ و دو اور غیر معمولی جدوجہد سے کام لیا جائے لیکن جزوقاتی (روح) کی ابدی زندگی کی فلاح و مہبود کو سراسر نظر انداز کر کے پس پشت ڈال دیا جائے اس سے بڑھ کر نا عاقبت اندیشی اور کیا ہو سکتی ہے؟ فَاَعْتَبُوْا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اَلْبَسُوْا -

قرآن مجید میں علم کی عظمت

اس میں کوئی شک نہیں کہ نعمت و جود کے بعد خزانہ وحدت میں علم سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں جیسی تو تمام انبیاء علیہم السلام کو اس نعمت سے نواز کر مبعوث فرمایا حضرت آدم کو خلقت علم سے آراستہ فرما کر طالع کی گردنیں جکاو دیں جس سے انہیں آدم کی افضلیت کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑا۔ طاہرات اور جالوت کے قصہ میں مبارک خلافت الہیہ علم ہی کو قرار دیا گیا۔ حتیٰ کہ حضرت رسالت کو باوجودیکہ نجات الہیہ کے جامع تھے بلکہ تمام کائنات کے لئے ان کا مقدس وجود سرچشمہ نجات تھا۔ تاہم ذات احدیت نے ان کو بھی اپنی بارگاہ سے طلب علم پر پامور فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا۔ قُلْ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔

حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہما السلام مقام افتخار میں نعمتِ علم ہی کو پیش فرمایا کرتے تھے چنانچہ آپ کی طرف نسبت شدہ اشعار میں ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَابِرِ فِيْنَا لَسَا عِلْمٌ وَدِلَالَةٌ مَالٍ
ہم اللہ کی تقسیم پر راضی ہیں کہ ہمیں علم اور دشمنوں کو مال ملا۔

فَإِنَّ الْمَالَ يَفْطِي عَنْ قَرِيبٍ ذَاتَ الْعِلْمِ يَبْقَى لَا يَزَالُ
کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا اور علم باقی اور غیر فانی ہے۔

علامہ زین الدین عالی (شہید ثانی) قدس روحہ، منیۃ المرید میں قرآنی اقتباسات سے فضیلتِ علم کو ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے۔

کہ خداوند عالم نے علماء کو تمام ماسوا پر فوقیت مرحمت فرمائی ہے چنانچہ فرماتا ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ - تَوْجِيه - کیا برابر ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں ساتھ ان لوگوں کے جو علم نہیں رکھتے؟ یہ استفہام انکاری ہے یعنی برابر نہیں بلکہ عالم جاہل سے افضل ہے۔

اس کے علاوہ خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں کئی چیزوں کے تقابل کا ذکر فرمایا۔ مثلاً نبیث، وطیب نابینا و بینا، ظلمت و نور، جنت و نار اور سایہ اور دھوپ لیکن اگر نظر غائر سے ان کی تفسیر کا جائزہ لیا جائے تو نتیجہ علم و جہل ہی نکلتا ہے۔ یعنی عالم کو طیب، بینا، نور و جنت اور ظلمت کی لفظوں سے یاد کیا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں جاہل کو نبیث و نابینا ظلمت و نار اور حور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض آیات میں خداوند کریم نے صاحبانِ علم کو اپنے اور ملائکہ کے ذکر کے ساتھ یاد فرمایا۔ چنانچہ فرماتا ہے شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ - ترجمہ - اللہ شاہد ہے کہ تحقیق اس کے علاوہ اور کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور ملائکہ اور صاحبانِ علم (یہ بھی شاہد ہیں)

نیز قرآن مجید میں چار قسموں کے لئے درجات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ۱۔ اہل بدر ۲۔ مجاہدین ۳۔ صالحین۔ ۴۔ علماء۔ اہل بدر کے متعلق فرمایا: - إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ (الی قولہ) نَهَضُوا دُرُجَاتٍ سِوَاكَ اس کے نہیں کہ مومن وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آئے تو ان کے دل تڑپ بائیں (سینا) تک کہ فرمایا، ان ہی کے لئے درجات ہیں۔

مجاہدین کے لئے فرمایا: - فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ الْآيَةُ یعنی اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بدرجہا فضیلت کرامت فرمائی۔

صالحین کے بارے میں ارشاد فرمایا: - مَنْ يَأْتِهِ مَوْثِقًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَئِكَ لَهُم

الدَّرَجَاتِ الْعُلَى - جو اللہ کے پاس مومن صالح ہو کر آئے گا۔ پس ان کے لئے ہی بلند درجات ہوں گے۔
 علماء کے حق میں خطاب فرمایا۔ يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ -
 یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور وہ لوگ جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے
 نیز خداوند کریم نے علماء کو پانچ اوصافِ حمیدہ سے ملقب فرمایا ہے۔

۱۔ ایمان - وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِعِلْمِ رِاسِخٍ فِي الْعِلْمِ كَيْتَبْتُمْ فِيهِمْ كِتَابًا لِيُؤْمِنُوا بِهِمْ
 ۲۔ توحید - شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ - یعنی اللہ اپنی توحید کا
 شاہد ہے اور فرشتے اور علماء۔

۳۔ ہکا و حزن :- إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (القول) يَخْشَوْنَ إِلَّا ذُنُوبَ الْآيَةِ - یعنی تحقیق وہ لوگ
 جو علم دیئے گئے ہیں وہ خدا کے سامنے سجدہ میں مجبک جاتے ہیں۔
 ۴۔ خشوع :- چنانچہ آیت گذشتہ اس پر دلالت کرتی ہے۔

۵۔ خشیع :- إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ - یعنی علماء سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی
 ڈرتے ہیں۔

شہید ثانی کے بیان کو میں نے اختصار سے ذکر کیا اگر فضیلتِ علم پر دلالت کرنے والی تمام آیات کو جمع
 کیا جائے تو طویل ہو جائے گا۔ اس مقام پر تبرکاً و تمیناً جو کچھ ذکر کر دیا گیا ہے کافی ہے۔

جب آیات مذکورہ سے علم کے فضل و کمال کو واضح کر دیا تو علم کی تحصیل کا وجوب از روئے عقل و نقل
 ثابت ہے۔ عقلاً اس لئے کہ ہر کمال کا حاصل کرنا یا اس کے حصول کی کوشش کرنا انسان کا عقلی فریضہ ہے۔

اور علم بھی چونکہ کمال ہے لہذا اس کا طلب کرنا بھی عقلی فریضہ ہے۔ قرآن مجید اس کا صریح طور پر یوں تذکرہ فرماتا
 ہے۔ كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ كُلِّ قَوْمٍ مَثَلًا بَدِئًا لِيُنْذِرَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ آمَنُوا
 معنی یہ ہے کہ علوم فقہیہ دینیہ کے حاصل کرنے کے لئے ہر قوم سے ایک ایک گروہ کیوں نہیں سفر کرتا۔

گویا ہر قوم سے ایک ایک گروہ کیوں نہیں سفر کرتا۔
 گویا ہر قوم سے ایک ایک گروہ کیوں نہیں سفر کرتا۔
 ایک فقہیہ کو کافی نہیں تیار دیا گیا۔ بلکہ ہر قوم میں متعدد فقہاء کی ضرورت کو واضح کیا گیا ہے جو قوم کے دینی مسائل
 حل کریں اور فرشتے تبلیغ انجام دیں اور ہر قوم پر واجب ہے کہ ان سے مسائل دینیہ کا حل طلب کریں اور انہیں فرشتے
 تبلیغ کے انجام دینے کا موقع دیں۔

یہ عمومی حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے تاکہ عوام کو مسائل دینیہ کے حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ رہے اگر
 ایک ملک میں صرف ایک ہی فقہیہ ہو تو ظاہر ہے کہ تمام ملکی عوام اس سے کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتے۔ بعض ممالک

مسائل بعض اوقات اس قسم کے درپیش ہو جاتے ہیں جو مطبوعہ رسائل و عملیات میں نہیں ملتے۔ تو دریں صورت بجز رجوع فقیر کے ان کا حل مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر صرف ایک ہی فقیر پورے ملک میں ہو تو نہ سب عوام مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اور نہ فقیر خود اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ بخلاف اس کے اگر ہر قوم میں ایک ایک فقیر ہو تو پہلی صورت سے اس میں کافی آسانی ہے لیکن اگر ہر قوم میں متعدد فقہاء موجود ہوں تو کسی وقت بھی کسی دشواری کا پیش آنا ناممکن ہے اسی نکتہ کے پیش نظر خداوند علیم و حکیم نے شریعت کو سہلہ قرار دیتے ہوئے ہر قوم میں متعدد فقہاء پیدا کرنے کا حکم دیا تاکہ احکام شریعیہ کے سیکھنے میں کوئی فرد بشر نارسائی کا شکوہ نہ کر سکے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مجتہد اعلم کی تقلید واجب نہیں بلکہ ہر مجتہد جامع شرائط کی تقلید ہو سکتی ہے اس مسئلہ کو ہم تفصیل کے ساتھ زیر عنوان "قرآن اور تقلید" بیان کریں گے مثنیٰ پر ملاحظہ ہو۔

احادیث کی روشنی میں علم کی اہمیت

علم اور اہل علم کے فضائل میں کتب عامہ و خاصہ سے احادیث بکثرت موجود ہیں۔ شہید ثانی قدہ نے کتب فریقین سے کافی احادیث کو یکجا کیا ہے۔ یہاں چند ایک ذکر کافی ہے۔

احادیث نبویہ

حضرت نے فرمایا جو شخص چاہے کہ میں ایسے لوگوں کی زیارت کروں جن کو اللہ نے جہنم سے آزاد کیا ہے پس وہ طلبہ علم کی زیارت کرے مجھے قسم ہے اس ذات کی جن کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب کوئی مسلم عالم کے دروازہ پر جاتا ہے تو اس کیلئے ایک سال کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے اور ہر قدم کے بدلے اس کا جنت میں شہر بنتا ہے جب پتا ہے تو زمین اس کے لئے استغفار کرتی ہے اور صبح و شام اس کے لئے بخشش کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور فرشتے گواہ ہیں کہ وہ جہنم سے خدا کے آزاد کردہ ہیں۔ جو شخص احیائے اسلام کیلئے علم سیکھتے ہوئے مر جائے تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک

قَالَ مَنْ ارَادَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى عِتْقَاءِ اللَّهِ مِنَ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى السُّعْلِيِّنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِسِدِّهِ مَا مِنْ مُتَعَلِّقٍ يَخْتَلِفُ إِلَى بَابِ الْعَالَمِ إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ قَدْرٍ عِبَادَةً سَنَةً وَيَبْنِي اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ قَدْرٍ مَسَدًا يَنْتَهَى فِي الْجَنَّةِ وَيُنْشِئُ عَلَى الْأَرْضِ وَهِيَ تَسْتَعْفِفُ لَهُ وَيُنْشِئُ وَيُصْبِحُ مَغْفُورًا إِلَهُ وَشَهِدَتْ الْمَلَائِكَةُ أَنَّهُمْ عِتْقَاءُ اللَّهِ مِنَ النَّارِ - مَنْ جَاءَ مِنَ الْمَوْتِ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ

دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعِينَ دَرَجَةً
بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ حَضْرَةُ الْفَرَسِ سَبْعِينَ
عَامًا وَذَلِكَ لِأَنَّ الشَّيْطَانَ يَضَعُ الْبِدْعَةَ
لِلنَّاسِ فَيُبْصِرُهَا الْعَالِمُ فَيُزِيلُهَا وَالْعَابِدُ
يَقْبَلُ عَلَى عِبَادَتِهِ -

درجہ کا ناصحلہ ہوگا۔

عالم عابد سے ایسے ستر درجات بلند ہے کہ ہر دو درجہ کے درمیان
کا ناصحلہ تیز رو گھوڑے کے ستر سال کا سفر ہو اور اسے ایسے کہ شیطان لوگوں
میں بدعات پھیلاتا ہے تو عالم ان بدعات کو دیکھ کر مٹاتا ہے اور عابد تو صرف
عبادت ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے ایسی عالم اپنے نفس کے علاوہ عامۃ الناس
کے نفوس کی اصلاح کرتا ہے اور عابد صرف اپنے نفس کو ہی فائدہ
مہینا سکتا ہے)

تحقیق علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ الْعَلَاءِ وَسُقَّةُ الْأَنْبِيَاءِ

یہ پانچ حدیثیں جناب رسالت کی زبان وحی ترجمان سے منقول ہیں اور بطریق اہلبیت جو احادیث اس ضمن میں

وارد ہیں۔ ان کا احصاء ایک ضخیم کتاب میں ہو سکتا ہے۔ یہاں تبرکاً بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱) شہید ثانی نے باسناد صحیح حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ جس کی سند جناب رسالت تک
پہنچتی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا (ترجمہ حدیث) علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ پس علم کو اپنے محل سے طلب کرو
اور اس کے اہل سے حاصل کرو۔ کیونکہ اللہ (کی خوشنودی) کے لئے علم کا سیکھنا اور حاصل کرنا عبادت ہے اور اس کا مذاکرہ تسبیح
اور اس پر عمل کرنا جہاد ہے اس کا ان پڑھ کو پڑھنا صدقہ اور اس کے اہل تک مہینا قرب خدا کا ذریعہ ہے کیونکہ اسی سے
حلال و حرام کا پتہ چلتا ہے اور یہی سہیل جنت کا عیار و نمونہ وحشت و غربت تنہائی کا ساتھی و علیحدگی میں ہلکام و خوشی و
غمی میں سہارا و ہمدرد و دشمنوں کے مقابلہ میں ہتھیار اور دوستوں میں زینت ہے۔ اسی کی بدولت خدا اترام کو بلند کرتا ہے
اور ان کو امور خیر میں قیادت بخشتا ہے تاکہ ان کے اقوال اخذ کئے جائیں اور ان کے افعال کی اقتداء کی جائے اور ان کی
بات آخری اور قطعی فیصلہ ہو۔ فرشتے ان کی دوستی میں رغبت رکھتے ہیں اور ان سے اپنے پروں کو مس کرتے ہیں اور ان
کی نمازوں میں برکت کا موجب ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ہر خشکی و تری حتی کہ دریائی مخلوق اور صحرائی جانور بھی استغفار کرتے ہیں
تحقیق علم قلوب کی زندگی ہے۔ جہالت کے مقابلہ میں اور آنکھوں کی روشنی ہے۔ تاریکی جہل سے اور قوت جسم
ہے بمقابلہ ضعف و ناتوانی کے۔ یہ (علم) انسان کو انیاء کی منازل بزرگی مجالس اور دنیا و آخرت کے بلند درجات پر فائز کرتا
ہے۔ اس کا مذاکرہ روزوں کے برابر اور اس کا درس عبادت کے برابر ہے۔ اسی کی بدولت اللہ کی اطاعت و عبادت و
علم رحمی اور معرفت حلال و حرام ہوتی ہے۔

علم عمل کا مقتدا ہے اور عمل اس کا مقتدی نیوں کو نصیب ہوتا ہے اور بد بخت اس سے محروم رہتے ہیں پس

طوبی ہے اس کے لئے جو اس (نعمت) سے محروم نہ رہے۔

(۱۷) تفسیر برہان میں امالی صدوق سے منقول ہے کہ حضرت رسالتؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مومن مرجائے اور کوئی ایک ورقہ کاغذ ایسا چھوڑ جائے جس پر علمی مطالب مکتوب ہوں تو وہی کاغذ بروز محشر اس کے اور جہنم کے درمیان حائل ہوگا اور اس کے ہر حرف کے بدلہ میں خدا سے ایک ملک عطا کرے گا جو پوری دنیا سے سات گنا بڑا ہوگا۔

(۱۸) کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ عالم جس کے علم سے فائدہ اٹھایا جائے مقرر ہزار عابد سے افضل ہے۔

(۱۹) تفسیر برہان میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ تمام خلق سے آتمہ بدئیٰ کے بعد کون افضل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ علمائے صالحین۔ پھر پوچھا گیا کہ تمام خلق خدا سے ابلیس۔ فرعون اور تمہارے اعداء کے بعد کون بدترین مخلوق ہے تو فرمایا کہ وہ علمائے فاسدین ہیں۔ جو باطل کو ظاہر کرتے ہیں اور حق پر پردہ ڈالتے ہیں۔

توضیح جس طرح مادی دنیا میں خلق خدا کے درمیان ظاہری اصلاحات کے ذمہ دار افراد کو سلاطین یعنی بادشاہ کہا جاتا ہے اسی طرح روحانی دنیا میں خلق خدا کے نفوس کی اصلاح کے ذمہ دار افراد روحانی حکمران و بادشاہ ہوتے ہیں۔ ان کی بادشاہت و سلطنت ظاہری طاقت و اقتدار کے بن بوتے پر نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ دولت علم و معرفت سے سر فراز فرما کر خدا خود انہیں اس عہدہ کے لئے نامزد فرماتا ہے اور حضرت آدمؑ و ابو البشر سے لے کر حضرت خاتم الانبیاءؑ جناب محمد مصطفیٰؐ تک کل ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین اور ان کے بعد ان کے اوصیاء طاہرین علیہم السلام سب کے سب خدا کی جانب سے روحانی حکمران ہیں۔

چونکہ جناب رسالتؐ اس سلسلہ میں سلطان السلاطین کی حیثیت رکھتے ہیں اور سید الانبیاء و المرسلین کے مقدس لقب سے مقرب ہیں۔ لہذا ان کے اوصیاء طاہرین ان کے نام مقام ہونے کی حیثیت سے صرف گذشتہ اوصیاء سے افضل نہیں۔ بلکہ تمام انبیاء سابقین سے بدرجہا افضل و اشرف ہیں۔

کیونکہ بادشاہ کے وزراء یا نائبان صرف اپنے بادشاہ ہی کے ماتحت ہوا کرتے ہیں اور باقی تمام رعایا کے حاکم ہوا کرتے ہیں اور رعایا سب ان کی محکوم ہوتی ہے۔ خواہ عام انسان ہوں یا ان میں افسردہ وغیرہ ہوں۔ اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ تمام انبیاء سابقین، حضور سرور کائنات کے سامنے رعایا کی حیثیت سے ہیں۔ لہذا وہ ان کے اوصیاء کی بھی رعایا ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت قائم علی اللہ فرجہ علیہ السلام کے انتظار میں موجود ہیں اور ان کی اقتدار میں نماز ادا کر کے دنیا والوں کو اپنے عمل سے بتائیں گے کہ حاکم کون ہے اور محکوم کون؟ جب حضرت خاتم الانبیاء کے آخری جانشین گذشتہ انبیاء کے سردار اور حاکم ہیں تو ان کے پہلے جانشین کیونکر نہ ہوں گے؟

پس جس طرح مادی حکمرانوں کی دفتری ملازمتیں اور عہدہ جات ظاہری عزت و وقار اور چند روزہ وجاہت کی خاطر

مرغوب طبع ہوا کرتی ہیں۔ چونکہ روحانی سلاطین کے مشن کی ترویج کے لئے ملازمت یا عہدہ داری عین سعادت اور کمال روح ہونے کے علاوہ محبوب خدا بھی ہے۔ لہذا اس کو پہلی قسم کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دینا اور محبوب طبع بنانا انتہائی دانشمندانہ فیصلہ ہے۔

علمائے دین کو حکومت دینیہ کا عہدہ نیابت سپرد کیا گیا ہے۔ جو ظاہری حکومتوں کی وزارت سفارت یا تاقم ہونے کے مقابلہ میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت امام صادق فرماتے ہیں جو شخص تم میں سے ہماری احادیث کو بیان کرے اور حلال حرام و دیگر احکام کو جانتا ہو پس مومنین کو اس کی حکومت پر راضی ہونا چاہیے۔ میں نے اس کو تمہارا اور حق حکومت دیا ہے پس جب وہ ہمارا حکم بیان کرے اور اس کو قبول نہ کیا جائے تو اللہ کے حکم کی توہین اور ہماری تردید ہوئی اور ہماری تردید اللہ کی تردید ہے اور وہ شرک کی حد ہے۔ فقہاء میں سے ہر وہ شخص جو اپنے نفس کا رگنہوں سے بچانے والا اور دین کا نگہبان خواہش نفسانی کا مخالفت اور اللہ کا فرمانبردار ہو۔ عوام کو چاہیے کہ اس کی تقلید کریں۔

فی روایۃ عمرو بن حفص عن الصادق فی الکافی مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَسْنَنٌ قَدْ رَوَى حَدِيثَنَا وَنَظَرَ فِي حَلَالِنَا وَحَرَامِنَا وَعَرَفَ أَحْكَامَنَا فَلْيَرْضُنَا بِهِ حَكْمًا فَإِنِّي قَدْ جَعَلْتُهُ عَلَيْكُمْ حَاكِمًا فَإِذَا حَكَمَ بِحُكْمِنَا فَلَمْ يَقْبَلْهُ مِنْهُ فَإِنَّمَا اسْتَحَفَّتْ بِحُكْمِ اللَّهِ وَعَلَيْنَا رَدُّهَا وَالرَّادُ عَلَيْنَا التَّوَكُّلُ عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَى حَدِّ الشُّرُكِ بِاللَّهِ وَفِي حَدِيثٍ مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِهِ حَافِظًا لِدِينِهِ مُخَالِفًا عَلَى هَوَاؤِهِ مُطِيعًا لِأَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِ أَنْ يُقَلِّدُوهُ

ان ہر وہ مومنین سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلم کی تقلید ضروری نہیں۔ بلکہ ہر مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کی جا سکتی ہے پس جو فرق حکومت ظاہریہ کے عام و فادار رعایا اور عہدہ دار میں ہے۔ وہی فرق حکومت باطنیہ شرعیہ کے اطاعت گزار (عابد) اور عہدہ دار (عالم) کے درمیان ہے۔

جس طرح ظاہری حکومت میں عام افراد رعایا کے جرم اور عہدہ دار کے جرم میں نوعیت کا فرق ہے۔ اسی طرح قانون شریعت کی رو سے عام لوگوں کے گناہ اور عالم کے گناہ میں نوعیت جدا جدا ہے۔ کیونکہ عام انسانوں کی اطاعت یا مخالفت کا نفع یا نقصان ان کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ بخلاف اس کے عہدہ دار حکومت کی فرمانبرداری یا نافرمانی نیکی یا بدی اس کے تمام ملتق اثر و رسوخ میں مبتغانہ حیثیت سے بہت سوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے کیونکہ گفتار سے کردار زیادہ مؤثر ہوا کرتا ہے۔

پس جس طرح اس کی اطاعت عام لوگوں کی اطاعت سے زیادہ وزنی اور قابل قدر ہوتی ہے اسی طرح اس کی مخالفت اور نافرمانی عام نافرمانیوں اور مخالفتوں سے بدرجہا زیادہ خطرناک اور قابل نفرت ہوتی ہے۔

لہذا مقتضائے عقل یہی ہے کہ اس کی اطاعت کا صلہ عوام کی اطاعت کی بڑا سے زیادہ ہو۔ اور اس کی مخالفت کی سزا عام لوگوں کی مخالفت کی سزاؤں سے زیادہ سخت اور عبرتناک ہو۔

اس وضاحت سے صاف معلوم ہو گیا کہ احادیث سابقہ میں جو معصوم نے عالم اور عابد کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے اور عالم کو ستر نزار عابد سے افضل قرار دیا ہے یا عالم باعمل کا مرتبہ آئمہ کے بعد تمام خلق سے افضل ہونا اور عالم بے عمل کا درجہ ابلیس و فرعون و دشمنان اہل بیت کے بعد سب مخلوق سے پست تر ہے ہونا بیان فرمایا ہے فرین عقل ہے اور قانون عدل و انصاف کے عین موافق ہے۔ اللہم اجعلنی من یذکر فتنفحک الذکری

علم مقصیر

اس میں کسی کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش نہیں کہ دین اسلام کی اصل و اساس قرآن مجید ہی ہے اور جناب رسالت اکرمہ طاہرین علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کی احادیث شریفہ جی گو شریعت اسلامی میں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں لیکن وہ اس لئے کہ ان کی زبان حق تر بھان قرآن کریم ہی کا بیان تھی اور یہی وجہ ہے کہ جب کسی معصوم سے اپنے بیان کی صداقت پیش کرنے کے لئے دلیل طلب کر لی جاتی تھی تو آپ بلا تامل و تاخیر قرآن مجید کی آیات متعلقہ کو بطور استشہاد پڑھ دیا کرتے تھے اور جس مقام پر سامعین کو معصوم کے کسی بیان کے مطابق قرآن ہونا معلوم ہوتا تھا تو خاموشی سے ارشادات معصوم کی سماعت کرتے تھے

اسی بنا پر تو معصوم نے خود بار بار ارشاد فرمایا کہ ہماری احادیث میں سے جو مطابق قرآن نہ ہو۔ اسے دیوار پر مار دو۔ وہ ہماری نہیں بلکہ ہماری طرف منسوب کر دی گئی ہے اور جو حدیث قرآن کے مطابق ہو وہ لے لو۔ کیونکہ ہماری ہے گویا اہلبیت عصمت سے وارد شدہ احادیث میں سے کوئی حدیث بھی ایسی نہیں جو مضمون قرآن کے خلاف ہو۔ یہ اور بات ہے کہ کسی مقام پر حدیث معصوم کے مطابق شاہد قرآنی پیش کرنے سے ہم قاصر ہو جائیں کیونکہ یہ ہماری کوتاہ علمی اور نا فہمی کی دلیل ہے اس سے اہل بیت کے کلام کا خلاف قرآن ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ ان کا قرآن کے ساتھ ہونا اور قرآن کا ان کے ساتھ ہونا حدیث ثقلین اور دیگر احادیث نبویہ سے ظاہر اور واضح ہے۔

مہر کیف مطالب دینیہ اور علوم اسلامیہ کا مدار اور اصل و اساس قرآن مجید ہی ہے۔
تو نہایت حیرت و افسوس کا مقام ہے کہ دورِ حاضر میں علوم قرآنیہ سے دلچسپی ختم ہو گئی ہے حتیٰ کہ اس دور کے

علم جن کا تعلق معصوم کے بیان سے ہوتا تھا۔ منہ

مدارس دینیہ بھی اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے جن علوم کو مقدمہ قرار دیا گیا ہے۔ مدارس دینیہ میں وہی مقصود بالذات قرار دیئے گئے ہیں زندگی کا قیمتی اور اہم ترین حصہ مقدمات کی تحصیل میں خرچ کر دیا جاتا ہے اور علوم قرآنیہ کو مطالعہ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جس پر کوئی صاحب ہمت بمشکل ہی موفق ہو سکتا ہے اور سلسلہ تصنیف و تالیف بھی اس کو ہر مراد سے خالی دیکھ بیگانہ ہی ہے۔

حالانکہ خداوند کریم نے اپنی مقدس کتاب میں متعدد مقامات پر انسان کو آیات قرآنیہ میں تدبر و تفکر کی دعوت دی ہے اور حضرت رسالتاً نے کئی مرتبہ صحابہ کرام کو اہمیت اور قرآن پر دو کے دامن سے وابستگی کا تاکید فرمایا کہ ان دونوں کی اہمیت کو اور زیادہ اہم کیا ہے۔ ائمہ طاہرین سے بکثرت احادیث وارد ہیں جن میں قرآن میں غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے لیکن موجودہ دور کی افتاد طبع اس سے بیکو ہے۔ تمام اقوال و فرامین طاق نسبان کی زینت ہیں۔ اتنی غفلت شعاری اور پہلو تہی کہ توجہ و التفات تک نہیں اور یہی وجہ ہے کہ مدارس دینیہ کے اکثر فارغ التحصیل فضلاً بعض آیات قرآنیہ کا صحیح لفظی ترجمہ بھی نہیں کر سکتے۔

ہمارے کچھ عربی دان حضرات اس بات پر بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں مولوی یا عالم کہا جائے اور انتہائی خوشی ہوتی ہے جب ان کو نائب امام کی مقدس لفظ سے نسبت دی جائے اور اگر کوئی اس قسم کے خطابات کو مجلس مکالمہ میں ترک کر دے تو دل میں خفگی اور کرمعن سی پیدا ہوتی ہے لیکن اپنے گریبان میں قطعاً دھیان نہیں کیا جاتا کہ آیا میں ان خطابات کے اہل بھی ہوں یا نہیں؟

ہمارے عوام کا نظریہ تو اس قدر پست ہے کہ معمولی سے معمولی تعلیم یافتہ کو وہ عالم کہہ دیا کرتے ہیں۔ ان حیلوں کی معرفت ہی اسی قدر ہے لیکن جس کو عالم کہا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ خیانت محسوس کرتا اور اُتدہ کے لئے لوگوں کو اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے منع کرتا۔ وہ اُلٹا خوشی محسوس کرتا اور فخر سمجھتا ہے دل میں پھولا نہیں سماتا اور اسی مقدس خطاب کی آڑ لے کر لوگوں سے روپیہ وصول کرتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اپنی بیماری کو رفع کرتا۔ اُلٹا باقی لوگوں کے بیمار کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور اس سے اس کی شکم پڑی بھی خوب ہوتی ہے۔

ہمارے سامنے کا واقعہ ہے۔ ایک بزرگ اچھے خاصے سوجہ دار و تعلیم یافتہ ہمارے ایک طالب علم سے درنیت کرنے لگے کہ تو نے صرف پڑھی ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ بزرگ نے سوال کیا تو پڑھی ہے۔ جواب دیا جی ہاں۔ پھر پوچھا کچھ منطق بھی پڑھی ہے؟ کہا جی ہاں! بزرگ یہ جوابات سن کر آخر میں فرمانے لگے کہ پھر تو آپ بڑے ہی عالم ہوئے ان ہی باتوں میں ہمارے علم جو حضرات فریب خوردہ ہو کر علم کو ترک کر بیٹھتے ہیں اور چند مقدمات کی تحصیل کے بعد اپنے تئیں عالم خیال کرتے ہیں اور علوم قرآنیہ کے قریب تک نہیں آتے۔ حالانکہ عالم کہلانے کا اسے حق حاصل ہے جو قرآنی مطالب پر سیر حاصل نظر رکھتا ہو۔ چنانچہ اصولی کافی میں ایک حدیث وارد ہے۔ مولائے کائنات حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام

ارشاد فرماتے ہیں۔

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالْفَقِيهِ مَنْ لَمْ يَقِظِ النَّاسَ
مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ وَكَمْ يُؤْمِنُهُمْ مِنْ عَذَابِ
اللَّهِ وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُمْ فِي مَعَاصِي اللَّهِ
وَكَمْ يَتْرُكُ الْقُرْآنَ رَغْبَةً نَهَى إِلَى غَيْرِهِ
أَلَا لَأَخِيرُ فِي عِلْمٍ لَيْسَ فِيهِ تَفْهَمُ إِلَّا لَأ
خَيْرُ فِي قِرَاءَةٍ لَيْسَ فِيهَا شَذُّرٌ إِلَّا لَأَخِيرُ
فِي عِبَادَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَفَكُّرٌ۔

وَفِي الْبُرْهَانِ عَنِ النَّبِيِّ لَا يَعْتَدِبُ اللَّهُ
قَلْبًا وَنَحَى الْقُرْآنَ ۔

وَأَيْضًا فِيهِ عَنْهُ خَيْرٌ كَرُمٌ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ
وَعَلَّمَهُ وَفِيهِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَلَيْكَ بِكِتَابِ
اللَّهِ فَإِنَّهُ الْحَبْلُ الْمَتِينُ وَالنُّورُ الْمُبِينُ
وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ وَالْعِصْمَةُ الْمُنْتَسِلَةُ
وَالنِّجَاةُ الْمُسْتَعَلَقَةُ لَا يَجُوعُ فِي قَوْمٍ وَلَا يَزِيغُ
فِي سَعْيٍ وَلَا يَخْلُقُهُ كُنُوزُ الرِّدَى وَوَلَوْ جُمُ
السَّبْعِ مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ
بِهِ سَبَقَ ۔

وَأَيْضًا فِيهِ عَنْ عَلِيٍّ - الْقُرْآنُ ظَاهِرُهُ
أَبْنَى وَبَاطِنُهُ عَمِيقٌ لَا يَفْهَمُ عَجَابَتَهُ وَلَا
يَقْضِي غَرَابَتَهُ وَلَا يَكْشِفُ الظُّلُمَاتِ إِلَّا بِهِ ۔

آگاہ ہو میں تمہیں ایسے فقیہ کا پتہ دوں جو کما حقہ فقیہ ہے
وہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے۔ اور
عذاب خدا سے نڈر نہ کرے اور اللہ کی نافرمانی میں ڈھیل نہ دے
اور قرآن سے دوسری طرف اعراضاً منہ نہ پھیرے آگاہ ہو کہ اس
علم میں کوئی خوبی نہیں جس میں سمجھ نہ ہو۔ وہ قرآن خوانی بے فائدہ ہے
جس میں تدبر نہ ہو (اور اس عبادت میں ابھی) کوئی اچھائی نہیں۔
جس میں تفکر نہ ہو۔

تفسیر برہان میں جناب رسالت اکرم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ
خدا اس دل کو عذاب نہ کرے گا۔ جس میں قرآن محفوظ ہے۔

علم میں سے نیک ترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے
حضرت امیر فرماتے ہیں کتاب اللہ کو لازم پکڑو کیونکہ یہی مضبوط رسی
دوامی روشنی و نفع بخش تندرستی اور تمسک پکڑنے والے کے لئے
بچاؤ کا ذریعہ اور تعلق رکھنے والے کے لئے نجات (کارستہ) ہے
یہ کچھ نہیں کہ محتاج اصلاح ہو۔ اس میں ٹیڑھا پن نہیں کہ حرف گیری ہو
کے زیادہ پڑھنے سننے سے پرانا نہیں ہوتا۔ جس کا قول قرآن
کے مطابق وہ سچا اور جس کا عمل قرآن کے مطابق
وہ سابق ہے۔

نیز آپ نے فرمایا۔ قرآن کا ظاہر دلکش اور باطن دور رس ہے
اور اس کے عجائب و غرائب غیر فانی اور بے حد و پایاں ہیں (جہالت
کی تاریکیاں صرف اسی سے دور ہو سکتی ہیں۔

گویا علم قرآن ہی ایک ایسا علم ہے جس میں دنیا و آخرت کی فیروز برکت کے راز و رموز پنہاں ہیں۔ لہذا تمام علوم
کے مقابلہ میں علم قرآن کا حاصل کرنا زیادہ اہم اور ضروری ہے اور اس علم کا ترک کرنا دنیوی و اخروی (ہر دو جہاں کی) برکات
سے محرومی کا موجب ہے جو صرف شقاوت ہی کا نتیجہ ہے۔ خداوند کریم تمام مومنین کو توفیق عطا فرمائے کہ اپنے بچوں کو علوم
قرآنیہ کی تعلیم دلاوے۔ آمین

ترتیب علوم

شہید ثانی قدہ نے جو ترتیب بیان فرمائی ہے ہم اسی کا ترجمہ ذکر کرتے ہیں۔
 متعلم کو سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کر لینا چاہیے اور علم تجوید کو بھی ضبط کر لینا چاہیے۔ تاکہ قرآن مجید سے دل
 لڑائی ہو کر باقی علوم کی تحصیل کا موجب ہو۔ پھر علوم عربیہ میں سے پہلے پہل علم صرف میں اچھی مہارت حاصل کر کے علم
 نحو میں پوری دسترس پیدا کرے۔ کیونکہ قرآن فہمی اور حدیث دانی میں اس کو بڑا دخل ہے پھر باقی علوم عربیہ کی تکمیل کے
 بعد بقدر ضرورت منطق و علم کلام حاصل کرے اس کے بعد علم اصول فقہ پڑھے اور اس میں مہارت کاملہ حاصل کر لے۔
 کیونکہ مباحث فقہیہ کی تحقیق اسی علم پر موقوف ہے پھر علم درایت الحدیث کا ضبط کر لے اور وہ آیات قرآنیہ جو احکام
 فرعیہ سے متعلق ہیں۔ ان کو تحقیقی بحث کے ساتھ پڑھے۔ ان سب کے بعد ان کتب فقہیہ کو پڑھے جن میں مسائل فرعیہ
 اور اصطلاحات فقہیہ درج ہوں۔ جن کے استدلالات تفصیلی طور پر مفصل فقہی کتب میں مذکور ہیں۔ ان تمام علوم میں کامیابی
 حاصل کر لینے کے بعد قرآن مجید کی تفسیر کی طرف اقدام کرے کیونکہ باقی تمام علوم اسی کا مقدمہ ہیں۔ اگر اس پر موقوف ہو
 جائے تو صرف مفسرین کے نتائج افکار پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ اس کے معانی پر خود غور و فکر کرے اور اس کے رموز و مخفیہ
 پر اطلاع حاصل کرنے کے لئے تصفیہ نفس کرے اور اللہ سے کمال عجز و انکساری سے دعا مانگے کہ اسے قرآن فہمی اور
 اس کے رموز و اسرار کا علم عطا ہو۔ پس قرآن کے حقائق میں سے اس کو ایسے مطالب تک دسترس نصیب ہوگی۔
 کہ دوسرے مفسرین کی رسائی وہاں تک نہ ہوئی ہوگی۔ کیونکہ قرآن مجید وہ بحر سیکرہاں ہے جس کی تہہ موتیوں سے پر ہے
 اور سطح غیر سے لبریز ہے اور لوگوں کی صلاحیتیں اس کے جواہر اکابر اور حقائق پر اسرار کے حاصل کرنے میں اپنے اپنے
 مرتبہ کے لحاظ سے مختلف ہیں کیونکہ یہ چیز ان کے ذہن رسا اور قوت مفکرہ ہی کا نتیجہ ہے اور عموماً تقابیر میں مطالب
 کا اختلاف انہی ذہنی صلاحیتوں اور علمی استعدادات میں اختلاف مراتب کی بدولت ہے۔
 بعض تفاسیر میں علوم عربیہ پر زیادہ زور ہے۔ جیسے کشاف زخشری اور بعض تفاسیر پر حرکت و فلسفہ کا رنگ غالب
 ہے۔ جیسے مفتاح الغیب بعض میں قصص کی بھرمار ہے۔ جیسے تفسیر ثعلبی اور بعض میں صرف تاویل حقائق ہے۔ اور
 ظاہری تفسیر سے پہلو تہی ہے۔ جیسے تفسیر کاشی و علی ذہا القیاس۔
 ایک روایت مشہورہ میں ہے کہ قرآن کے لئے تفسیر بھی ہے اور تاویل بھی۔ اس میں حقائق بھی ہیں اور دقائق بھی۔
 ظاہر بھی ہے۔ باطن بھی۔ اور اس کی حد بھی ہے اور مطلع بھی۔ اللہ اپنے فعل سے جسے چاہے عطا کرتا ہے۔
 اور وہ صاحب فضل عظیم ہے۔

فضائل قرآن

قرآن مجید کے فضائل کی حد معین کرنا انسان کی کوتاہ نظری اور ناہمی ہے کیونکہ اس مقدس کلام کو عام کلاموں سے وہی نسبت ہے بر خالق کو مخلوق سے ہے جب انکار انسانی خداوند عالم کے اسماات و نعمات میں سے ایک ادنیٰ نعمت کی جملہ خوبیوں کا اسما نہیں کر پاتے تو کلام مقدس (جو اعلیٰ و اشرف نعمت الہیہ ہے) کے جملہ ستائش و دقائق کا ادراک اس فہم قاصر سے کیسے ہو سکتا ہے؟ اس مقام پر بعض فضائل قرآن مجید معصومین علیہم السلام کی زبان معجز بیان سے نقل کرتا ہوں تاکہ علوم قرآنیہ کی عظمت زیادہ واضح ہو جائے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ تحقیق یہ قرآن وہ غیر خواہ ہے جو کسی دوسرے نہیں کرتا ایسا ہادی ہے جو کسی راہ گم نہیں کرتا اور ایسا بیان کندہ ہے جو بھڑک نہیں کہتا جو قرآن سے ہم مجلس ہوا۔ وہ زیادتی یا کمی لے کر اٹھا یعنی ہدایت میں زیادتی اور گمراہی میں کمی اور یقین بانی ہے کہ قرآن حاصل کرنے کے بعد کوئی نقر نہیں اور قرآن حاصل کرنے سے پہلے کوئی دولت مندی نہیں۔ اس سے اپنی بیماریوں کی شفا حاصل کرو اور دفع مصائب کے لئے اس سے مدد طلب کرو تحقیق یہ سنت امری کفر نفاق غی اور ضلال کا واحد علاج ہے۔ اللہ سے اسی کے ذریعے رحمت مانگو اور اسی کی محبت لے کر بڑھو اور اس کے ذریعے اس کی مخلوق سے گزارو کیونکہ بندوں کی دشمنی کی طرف تو تم کے لئے اس جیسا اور کوئی ذریعہ نہیں یقین رکھو کہ شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت مقبول ہے اور یہ وہ لہنے والا ہے جس کی استقامت تہم ہے بروز عشر جسکی قرآن نے شفاعت کر دی اس کی شفاعت مقبول ہوگی۔ جناب راتناکب کے فضائل بیان کرتے ہوئے اپنے ارشاد

عن ابی الموہبین قال فی خطبہ إن ہذا القرآن
ہو اللہ اصبح الہدی لا یغش والہادی الہدی
لا یغیب واللہ حق الہدی لا یکتب وما جاس
ہذا القرآن احدًا إلا قام منہ وہ بہ زیادۃ
أو نقصان زیادۃ فی ہدی أو نقصان من
عنی واعلموا انہ انیس علی احد بعد القرآن
من ذنوبہ ولا یجد قبیل القرآن من غیبی
واستشفوہ من اذناکم واستعینوا بہ علی
لاذناکم فان فیہ شفاء من الکبر والامور
الکفر والتفاد والغی والفساد فاستلوا اللہ
بہ واذنواہ والیس بجمہ ولا تسالوا بہ خلقہ
انہ ما کویبہ العباد بمثلہ واعلموا انہ شافع
مشق وشارک ومصدق وانہ من شفیع الہ
القرآن یوم القیامۃ

نہج البلاغہ خطبہ ۱۶

قال فی خطبہ ثم اسئل علیہ الکتاب نوراً

لَا تُطْفَأُ مَصَابِيحُهُ وَسِرْجًا لَا يَجْبُو تَوَقُّدَهُ
وَجَسْرًا لَا يُدْرِكُ قَعْرَهُ وَمِنْهَا جَاثِرًا
يُضِلُّ نَهْجُهُ وَشُعَاعًا لَا يَطِيرُ مَرْضُوقُهُ
وَمُسْرَقَانَا لَا يَخْمِدُ بُرْهَانُهُ وَتَبْيِئَانَا
تَهْدِيمُ أَرْكَانِهِ وَشِفَاءُ أَلْتَحْشَى اسْقَامِهِ
وَعِزًّا لَا تَهْتَرُ مِنْ أَنْصَارِهِ وَحَقًّا لَا تَخْذَلُ
أَعْوَانُهُ فَهُوَ وَدِينُ الْإِيمَانِ وَجُبُودُهُ
وَيُنَابِعُ الْعُلَمَاءُ وَجُجُورُهُ وَرِيَاضُ الدَّاعِلِ
وَعَدْوَاتُهُ وَآثَارُ الْإِسْلَامِ وَبُنْيَانُهُ
وَأُودِيَةُ الْحَقِّ وَغِيظَانُهُ وَجَسْرًا لَا
يَنْزِفُهُ الْمُنْتَرِفُونَ وَعَيْنُونَ لَا يَنْصِبُهَا
الْمَاتِحُونَ وَمَنَاهِلُ لَا يَغِيضُهَا الْوَارِدُونَ
وَمَنَازِلُ لَا يَبْصِلُ نَهْجَهَا الْمَسَافِرُونَ وَ
أَعْلَامٌ لَا يَعْنَى عَنْهَا السَّائِرُونَ وَآكَامٌ
لَا يَجُورُ عَنْهَا الْقَاصِدُونَ جَعَلَهُ اللَّهُ
رَبًّا لِعَطْفِ الْعُلَمَاءِ وَرَبِّعًا لِقُلُوبِ
الْفُقَهَاءِ وَمِنْهَا جَاثِرُ الصَّلَاحِ وَدَوَاءُ
لَيْسَ بَعْدَهُ دَاءٌ وَنُورٌ لَيْسَ مَعَهُ ظُلْمَةٌ
وَحَبْلًا وَثِيقًا عَسْرَةً وَمَعْقَلًا مَبِيعًا
دُرُوسَةً وَعِزًّا لِمَنْ تَوَلَّاهُ وَسَلْمًا
لِمَنْ دَخَلَهُ وَجَاهًا لِمَنْ أَيْتَمَّ بِهِ وَ
عُدَّةً لِمَنْ اتَّعَاهُ وَبُرْهَانًا لِمَنْ تَكَلَّمَ
بِهِ وَشَاهِدًا لِمَنْ خَاصَرَّ بِهِ وَنَاحِبًا
لِمَنْ حَاجَّ بِهِ -

نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۳

فرمایا کہ پھر اللہ نے ان پر وہ کتاب اتاری جو ایک نور
ہے جس کی قدیلیں خاموش نہیں ہوتیں اور جس کے پراخوں
کی روشنی تدمم نہیں ہوتی اور ایسا بھر ہے جس کی تہہ
نا قابل سا ہے اور ایسا رستہ ہے جس کے چلنے والا بھگتا نہیں۔ وہ
ایسی شعاع ہے جس کی روشنی پر تاریکی کا غلبہ نہیں ہو سکتا ایسا
فرقان ہے جس کی وسیل مغلوب نہیں ایسا بیان ہے جس کی
طاقت کمزور نہیں ایسی شفا ہے جس کے بعد بیماری کا خطرہ نہیں۔
ایسا غلبہ ہے جس کے انصار ہارنے نہیں۔ ایسا حق ہے جس کے معان
چھوڑ نہیں جاتے وہ ایمان کا تکیہ و بکر علم کے شے اور سمندر عدل کے
بانگتہ و آبشاریں، اسلام کی اساس و بنیادیں اور حق کی واہیاں اور قرار
گاہیں ہیں ایسا بھرتہ جس کو استفادہ کرنے والے ختم نہیں کر سکتے ایسا
چشمہ ہے جسے فائدہ پانویاے خشک نہیں کر سکتے ایسا گھاٹ ہے جو پینے
والوں سے کم نہیں ہوتا۔ ایسی منازل ہیں کہ مسافران کا رستہ بھولتے نہیں
ایسے نشان ہیں جن کو رنگرز گم نہیں کرتا اور ایسی بندیاں ہیں جن سے
قصد کرنے والے تجاوز نہیں کر سکتے خدانے اس کو علماء کی پاسوں
کی سیرابی فقاہ کے دلوں کی بہار اور شیکوں کے چلنے کا رستہ
قرار دیا یہ وہ درجہ ہے جس کے ساتھ بیماری نہیں رہتی وہ نور
ہے جس کے ساتھ ظلمت نہیں رہتی یہ مضبوط جوڑ والی رسی
اور محفوظ چار دیواری والا قلعہ ہے اور محب کے لئے
عزت آنے والے کے لئے امن۔ مقتدی کے لئے ہدایت
اور نسبت حاصل کرنے والے کے لئے غدر ہے اور جو اس
کے ساتھ لڑے اس کے لئے جان اور جو اس کے بل بوتے پر
کسی سے مقابلہ کرے اس کے لئے شاہد اور جو اس کے فریغ
سے مایوس کرے اس کے لئے باعث کامیابی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن کو چاہیے کہ اگر اس پر موت آئے تو وہ مستحکم پڑھا ہوا ہر پڑھنے میں مشغول ہو۔

جناب رسالتؐ نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے ہر درد کے لئے ہر چیز حسی کہ دریائی مچھلیاں بھی استغفار کرتی ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا کہ قرآن اللہ کے بعد ہر شے سے افضل ہے جس نے قرآن کی عزت کی گویا اس نے اللہ کی عزت کی اور جس نے قرآن کی عزت نہ کی گویا اس نے اللہ کی توہین کی۔

نیز آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے والے کے والدین کو تاج کرامت عطا ہوگا جس کا نور دس ہزار سال کی راہ سے ظاہر ہوگا اور ان کو ایسے عمدہ ہائے بہشت عطا ہوں گے کہ تمام دنیا اور اس کی جملہ خبریوں کا لاکھ گنا اس کی ادنیٰ تار کے برابر نہ ہو سکے گا۔

میں تک کہ آپ نے فرمایا جب اس کے والدین یہ علمے اور تاج دیکھیں گے تو عرض کریں گے اے اللہ میں یہ شرف کیسے ملا حالانکہ ہمارے اپنے اعمال تو اس قابل نہ تھے تو خداوند کریم کی طرف سے فرستے جواب دیں کہ یہ شرف تم کو اس لئے ملا کہ تم نے اپنے بچے کو قرآن مجید پڑھایا تھا۔

نیز فرمایا کہ قرآن کے بغیر کوئی دولت مند ہی نہیں اور قرآن کے ساتھ کوئی فقر نہیں قرآن کا پڑھنا بہترین عبادت ہے۔

فرمایا میری امت کے شرفاء قرآن خوان اور شب نیز لوگ ہیں۔

آپ نے فرمایا جو شخص اپنے بچے کو قرآن کی تعلیم دواتے تو اس کے والدین کو تاج اور عمدہ ہائے بیش بہا عطا ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ معلم بچے کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھاتا ہے تو بچے اور اس کے والدین اور استاد کے لئے خدا آتش جہنم سے آزادی فرض کر دیتا ہے۔

نیز جناب رسالتؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو قرآن پڑھائے تو گویا اس نے دس ہزار حج اور دس ہزار

عن ابی عبد اللہ یبغی للمؤمن ان لا یبوت
حَتّٰی یَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ اَوْ اَنْ یَّکُوْنَ
فِیْ تَعْلِمِهِ۔

عن النبیِّ مُعَلِّمِ الْقُرْآنِ وَ مُتَعَلِّمِهِ یَسْتَعْفِرُ
لَهُ کُلُّ شَیْءٍ حَتّٰی الْحَوْتُ فِی الْبَحْرِ
عَنْهُ الْقُرْآنُ اَفْضَلُ کُلِّ شَیْءٍ دُونَ اللّٰهِ
فَمَنْ وَقَرَ الْقُرْآنَ فَقَدْ وَقَرَ اللّٰهَ وَمَنْ

اسْتَحَفَّتْ بِالْقُرْآنِ فَقَدْ اسْتَحَفَّتْ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ
یَصِیُّ نُورًا مِنْ مَسِیْرَةِ عَشْرَةِ اَلْوَابِ
سَنَةٍ وَ یُکَسِبُ مِنْ حِلَّةٍ لَا یَقُوْمُ لِاَقْلِ سَلْبٍ
مِنْهَا مِائَةٌ اَلْفٍ ضِعْفِ مَا فِی الدُّنْیَا بِمَا یَسْتَمِلُ
عَلَيْهَا مِنْ حَیْرِ اِتِّهَادِ اِلٰی اَنْ قَالَ فَاذَا نَظَرَ

وَالِدَاهُ اِلٰی حَلِیْمَتَا وَ تَا جِیْمَتَا قَالَ رَبَّنَا اِنِّی
لَنَا هٰذَا الشَّرْفُ وَ لَمْ نَبْلُغْهُ اَعْمَالَنَا فِیْقُوْلُ
لَهُمَا کِرَامٌ مَلَائِکَةُ اللّٰهِ عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ هٰذَا
لَكُمْ تَعْلِمِکُمْ وَ لَدَلَّکُمْ الْقُرْآنَ۔

عَنْهُ اِنَّ رَانَ عَنِّیْ لَا عَنِّیْ دُوْنَهُ وَ لَا فَرَقَ بَعْدَهُ
عَنْهُ اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ
عَنْهُ اَشْرَفُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَ اَمْحَابُ
السَّبِیْلِ۔

عمر سے ادا کئے اور اولاد حضرت اسماعیلؑ سے دس ہزار غلام آزاد کئے اور دس ہزار جہاد کئے اور دس ہزار بھوکے مسکینوں کو کھانا کھلویا اور گویا اس نے دس ہزار برہمن مسلمانوں کو لباس دیا اور ہر حرف کے بدلہ میں اس کے نامہ اعمال میں دس دس نیکیاں درج ہوں گی اور دس دس گناہ معاف ہوں گے۔ قبر سے شتر تک قرآن اس کے ہمراہ ہوگا اور اس کو پل صراط سے مثل بجلی کے پار کرے گا اور قرآن اس سے جدا نہ ہوگا جب تک کہ اس کو منازلِ کرامت میں ایسی منزل پر نہ لے جائے جسے وہ چاہتا ہوگا۔

نیز اپنے فریاد کہ حاملینِ قرآن اللہ کی رحمت سے مخصوص اللہ کے نور سے بلیوں۔ اللہ کے کلام کے معام اور اللہ کے مقرب ہیں۔ ان کا درست اللہ کا دوست اور ان کا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ خداوند کریم قرآن سننے والے سے دنیا کی بلائیں اور پڑھنے والے سے آخرت کی بلائیں دور کرتا ہے (میں تک کہ فرمایا) جس نے سچے دل سے قرآن کی ایک آیت سن لی مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ سونے کا پہاڑ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے اس کا ثواب زیادہ ہے اور جس نے غلو سے اعتقاد سے ایک آیت قرآن کی تلاوت کی اس کے ثواب کی عظمت کے مقابلہ میں زمین سے لے کر عرشِ علائک کی بلندیاں ہیچ ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ خدا اس دل کو عذاب نہ کرے گا جو قرآن کا مسکن ہے۔

یہ جوہرِ حدیثی (بعض اصل عبارت کے ساتھ و بعض کا صرف ترجمہ) ذکر کر دی گئی ہیں۔ انہی کو پڑھ لینے سے قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے کی عظمت معلوم ہو جائے گی۔ احادیثِ نبویہ مجمع البیان و سائل المستدرک سے نقل کی گئی ہیں۔ خداوند کریم تمام مومنین کو اس خیرِ کثیر میں حصہ لینے کی توفیق اور جرات عطا فرمائے۔ تاکہ بچوں کو قرآنی علوم سے آراستہ کر سکیں۔ (آمین)

اوصافِ حاملینِ قرآن

حضرت امیر المومنین علیؑ سلام متعین کی اوصاف کو بیان فرماتے ہوئے حاملینِ قرآن کے لئے یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ رات کے وقت ان کے قدم (مقامِ عبادت) میں صاف بستہ رہتے ہیں۔ ترتیل کے ساتھ قرآن کے پاروں کی تلاوت کرتے ہیں۔ اپنے نفوس کو قرآن کے ذریعہ سے خوف زدہ کرتے ہیں۔ گناہوں کو یاد کر کے اپنے غموں کو تازہ کرتے اور روتے ہیں۔ جب کسی خوف کی آیت سے گزریں تو ان کے دلوں کی آنکھیں اور کان اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کے جسموں پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جگر ان کے کانپتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی آواز اور اس کے شعلوں

کی بھڑک اور گرمی ان کے کانوں تک پہنچ رہی ہے اور جب کسی ایسی آیت سے گذریں جس میں شوقِ جنت ہو تو اذروئے طبع اس طرف بھکتے ہیں اور ان کے نفوس اس کے منتظر ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کا نصب العین ہے جناب رسالتاً نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر و باطن میں نشوع کا زیادہ سزاوار حاملِ قرآن ہے۔ اے حاملِ قرآن! عاجزی کر خدا تجھے بلند کرے گا تکبر نہ کر ورنہ خدا تجھے ذلیل کرے گا۔ اے حاملِ قرآن! اللہ کے لئے ہی قرآن کو اپنی زینت بنا۔ خدا تجھے زینت دے گا لوگوں کے لئے قرآن کو اپنی زینت نہ بنا ورنہ خدا تجھے رسوا و خراب کر دے گا۔ (یاد رکھو) جو شخص پورے قرآن کو ختم کرے گا یا اس کے پہلو میں نبوت آگئی جس کے پہلو میں قرآن ہو وہ جاہلوں کے ساتھ جہالت کا سا سلوک نہیں کرتا بلکہ وہ تو عفو۔ درگذر۔ چشم پوشی اور علم کو پیش پیش رکھتا ہے۔ کیونکہ قرآن کی عظمت اس کے اندر ہے جس کو قرآن عطا ہو اور پھر کسی دوسرے کی نعمت کو اہمیت دے۔ گویا اس نے اللہ کے عظیم کو حقیر اور اللہ کے حقیر کو عظیم سمجھا۔

حضرت امیر المؤمنینؑ نے فرمایا کہ اس امت کا قارئی قرآن اگر جہنم میں داخل ہو تو سمجھ لو کہ وہ آیاتِ قرآنیہ سے مغزی کیا کرتا تھا۔ محض سے روایت ہے کہ مقامِ رجا اور خوف میں میں نے حضرت امام موہبی کاظم علیہ السلام سے زیادہ کسی کو نہیں پایا۔ جب وہ تلاوتِ قرآن کرتے تھے تو ایسا روتے تھے جیسے کسی کے روبرو باتیں کر رہے ہوں۔

جناب رسالتاً نے فرمایا کہ اللہ کی عظمت و جلال سے ہے کہ تین قسموں کے لوگ اس کی بارگاہ میں نہایت کرم ہیں۔ ۱۔ مسلم سفید ریش ۲۔ امام عادل ۳۔ حاملِ قرآن جو معانی قرآن میں رد و بدل نہ کرے اور اس سے تجاوز بھی نہ کرے۔

جناب رسالتاً نے فرمایا کہ قیامت کے روز نور کے منبر نصب کئے جائیں گے اور ہر منبر کے پاس ایک نور کی سواری ہوگی۔ پھر اللہ کی طرف سے منادی ندا کرے گا۔ کہاں ہیں کتاب اللہ کے حامل۔

کہا جائے گا کہ جب تک خدا خلایق کے حساب سے فارغ نہ ہو تم بلا خوف و ترس ان منبروں پر بیٹھو اس کے بعد انہی سواریوں پر سوار ہو کر جنت کی طرف چلے جاؤ۔

قال رسول الله يُوضَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنَابِرٌ مِنْ نُورٍ وَعِنْدَ كُلِّ مَنَابِرٍ نُجُيبٌ وَمِنْ نُجُوبِ الْجَنَّةِ تُعْرِيَانِي مَنَادٍ مِنْ قَبْلِ رَبِّ الْعِزَّةِ آيِنَ حَمَلَةَ كِتَابِ اللَّهِ؟

اجلسوا على هذه المنابر فلا خوف عليكم ولا أنتم تحزنون حتى يفرغ الله من حساب الخلائق ثم اركبوا على هذه النجيب واذهبوا إلى الجنة

سُبْحَانَ اللَّهِ! اللہ کے نزدیک حاملینِ قرآن کی کیا قدر و منزلت ہے؟

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاحْسِنْ نَافِ زُمْرَتِهِمْ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ عَلَيْهِمُ السَّلَام

ادابِ قاری (عالم و متعلم قرآن)

قرآن پڑھنے اور پڑھانے کے متعلق جو کچھ کتب احادیث میں موجود ہے اگر یکجا کیا جائے تو شاید ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے اس جگہ جو کچھ میں ذکر کر چکا ہوں وہ حضرات اہلبیت کے جملہ اقوال کے مقابلہ میں قطرہ از دریا یا ذرہ از ریگ صحرا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا باطنی طور پر ذات اقدس الہی سے باتیں کر رہا ہوتا ہے۔ لہذا یہ خیال کرنا بھی اس کے لئے ضروری ہے کہ جس ذات سے وہ ہم کلام ہے۔ اس کے مناسب آداب بھی ملحوظ رکھے کیونکہ قرآن کا پڑھنا صرف تعلقہ لسانی کا نام نہیں بلکہ ساتھ ساتھ تعلق روحانی کے وابستہ رہنے کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ بیود کی مثال صادق نہ آئے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حَمَلُوا التَّوْرَةَ لَا تَمْلِكُ أَعْيُنُهُمْ
كَيْفَ يَكْتُبُوا كَمَا كَتَبْنَا الْإِنشَارَ
جن لوگوں کو تورات دی گئی پھر وہ لوگ اس کے حامل نہ بنے (عالم بنیں)
ان کا تورات اٹھانا مثل کتابوں سے بارشہ گدھے کے ہے۔

خدا علم ایسی نعمت کو ذلیل نہیں کرتا۔ لوگ رزق کی تلاش کرتے ہیں اور رزق عالم کو تلاش کرتا ہے ہاں عالم کو بھی چاہیے کہ خدا کے بھیجے ہوئے رزق پر صبر و قناعت کرے۔

وہ بدترین علماء ہیں جو رزق کی خاطر رؤسا کے دروازوں کا چکر لگا کر نعمتِ علم کی توہین کریں اور نیک ترین افراد ہیں وہ جو دین کی خاطر علماء کے دروازوں کا طواف کر کے دُعا و علم کو دُبالا کریں۔ روایت میں ہے ایک زمانہ ہوگا کہ علماء کی زبان پر قرآن ہوگا لیکن حفرہ سے نیچے نہیں اترے گا

ایک اور روایت میں ہے کہ بعض قاری قرآن ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں قرآن لعنت کرتا ہے۔ لہذا علمِ قرآن حاصل کرنے کے لئے نیتِ قربت ہو اور رضائے خالقِ مطلوب ہو مخلوق کی دادِ تحسینِ مطمح نظر نہ ہو۔ ریاکاری دکھاو نہ ہو اور مال و دولت کمانا بھی مطلوب نہ ہو۔

شہید ثانی نے نیتہ المرید میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص نے علم سیکھا اور کچھ مدت حضرت موسیٰ کی صحبت میں رہنے کے بعد اجازت چاہی تو حضرت موسیٰ نے اس کو دنیا داروں کے دروازوں پر جا کر نعمتِ علم کی توہین سے باز رہنے نصیحت فرمائی۔ اس شخص نے ظاہر حضرت موسیٰ کی نصیحت کو قبول کر کے اس پر عمل کرنے کا وعدہ کیا تو آپ نے اس کو رخصت دے دی لیکن بہت جلد واپس آنے کی فرمائش بھی کی۔ وہ چلا گیا اور واپس نہ آیا جب کافی دن گذر گئے تو حضرت جبریل امین سے اس کے متعلق دریافت کیا تو جبریل نے بتلایا کہ وہ بصورت بندر مسخ ہو کر در بدر پھرتا رہا ہے۔ آپ نے بارگاہِ قاضی الحاجات میں اس کی اس مصیبت کے دفع

ہو جانے کی دُعا مانگی اور اس کے گناہوں کی بخشش کے لئے عرض کی تو ذاتِ احدیت کی طرف سے خطاب ہوا
 اے موسیٰ: میں نے علم جیسی گراں بہا نعمت اس کو مرحمت کی تھی لیکن اس نے جہلاء کے دروازوں کا طواف کر کے
 میری نعمت کی بے قدری کی ہے (لہذا اب وہ اسی سزا کا مستوجب و حقدار ہے اب اس کی کوئی سفارش نہ کرو)
 نیز قاری قرآن کو چاہیے کہ قرآن صرف دوسروں کے سنانے کے لئے نہ پڑھے بلکہ اپنے کانون کو سنا کر دل کو اس کی
 طرف متوجہ کرے۔ بہر کیفیت علماء و متعلمین کو اس قسم کے واقعات سے درس عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ عالم بے عمل
 مثل شجر بے ثمر کے ہے اور جو شخص لوگوں کو نصیحت کرے اور خود نصیحت پذیر نہ ہو وہ قرآن کی ان آیات کا مصداق
 ہے۔ اِنَّا مُسَوِّدُونَ النَّاسَ بِالْبُرِّ وَتَنسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ متوجہ ہو کر کیا لوگوں کو نیکی کا امر دیتے ہو اور خود اپنے
 نفسوں کو بُلا دیتے ہو؟

قیامت کے دن بہت حسرت اس عالم کے لئے ہوگی جس کی نصیحت سے دوسرے لوگوں نے فائدہ اٹھایا
 اور جنت میں چلے گئے اور وہ خود اپنی بد اعمالیوں کی بدولت جہنم کا مستحق ہوا۔
 اور جب تک کوئی عالم اپنے وعظ سے خود متاثر نہ ہو اس کے وعظ سے دوسرا کوئی نصیحت ہی قبول نہیں کرتا
 (جو بات کہ دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے)

اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ جب تک انسان امراضِ باطنیہ، روحانیہ سے نجات حاصل نہ کر لے فیوضِ برکات
 علمیہ و ترائیہ اس کے دل و دماغ پر قطعاً باعثِ نورانیت نہیں ہو سکتے اور نہ وہ لذتِ قرآنیہ سے بہرہ اندوز
 ہو سکتا ہے۔

نیز وارد ہے کہ عالم کی دنیا میں ادنیٰ سزا یہ ہے کہ وہ لذتِ عبادت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اللَّهُ تَرَا جَعَلْنَا مَثَنًا لِّذٰكِرٍ فَتَذَكَّرْهُ الذِّكْرٰی

عملِ تسخیر اور قرآن

عملیات کے دلدادہ افراد آیاتِ قرآنیہ کو تسخیرات کا کہ قرار دے کر اس کو مشغلہ عملیہ قرار دیتے ہیں۔ جنات
 مانگہ اور ارواح کی تسخیر کے لئے عجیب و غریب طرز عمل ان لوگوں نے ایجاد کئے ہوئے ہیں۔ بعض عمل قبرستان میں بیٹھ
 جنگل میں بعض تاریک مکان میں و علیٰ ہذا القیاس پابندی وقت و مقام و لباس و طعام وغیرہ کے ساتھ بجالاتے جاتے ہیں
 اور شاذ و نادر بعض افراد سے یہ عمل پایہ تکمیل کو بھی پہنچ جاتا ہے اس تسخیر کے عمل کرنے والوں کے اغراض و مقاصد

جدا جدا ہوا کرتے ہیں۔

بعض لوگ مال و دولت جمع کرنے کے لئے یہ عمل کرتے ہیں۔

بعض تفسیرات کی مدد سے اپنا ولی ہونا ظاہر کر کے اپنی پیری کی دکان کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔

بعض لوگوں کا صلح نظر صرف عذوبہ و وقار ظاہری ہوتا ہے۔

بعض لوگ دشمن کو گزند پہنچانے یا اسے زیر کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

بعض مادہ شہویہ سے مغلوب ہو کر اس مشغلہ کو خواہشات جنسیہ کی تشکیل کا نام لگا رہتے ہیں۔ اور بعض لوگ صرف

شو قیہ بھی کرتے ہیں۔

بہر کیف یہ افغانوں، بومیوں، جموں، تھمیر میں آیات قرآنیہ کی تلاوت کو دخل عظیم حاصل ہے۔ ان کے بغیر غالباً

کوئی عہدہ کام نہیں ہوتا۔ خواہ تفسیر میں ہوں یا علم و داروین و ہنر کی تفسیر ہو۔

اس میں شک نہیں کہ یہ عملیات بے اثر نہیں ہوا کرتے۔ بعض لوگوں کی انسانی بعض قیود کی پابندی چھوڑ دینے

سے عموماً ہوتی ہے نیز اس قسم کے عملیات میں دن کی طاقت کو بڑا دخل ہے۔ کیونکہ تمام شب قبرستان اجلی میں یا

تاریک مکان میں تہا وقت گزارنا صبر و وصلہ کے علاوہ بڑے قلب و جگر کا کام ہے اور اگر دوران عمل میں ذرا سا

خوف در اس پیدا ہوا تو عمل ضائع اور نتیجہ برعکس ہو جاتا ہے۔

قرآن میں طاقت ہے کہ اس کے ذریعہ سے پہاڑوں، جہاں، سروے، بوا، اٹھیں۔ زمین کے سفر طے ہو جائیں چھتر

امام بعض مصادیق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اگر مردہ پر متر متر سورہ فاتحہ دم کی جائے تو عجیب نہیں کہ اس میں روح

والپس اہلکے زخیر باقی آیت قرآنیہ کا دم کرایا بطور توفیق پاس رکھنا اکثر امرائے سے موجب شفا ہوتا ہے۔ تو

عملیات کہ سنت شاذہ و کدوکاوشیں یعنی پانچ روز یا کم و بیش ایام مقررہ تک ایک ہی مقام پر ایک ہی آیت کا

لاکھوں مرتبہ روزمرہ درو گزارا تفسیر کے نتیجہ پر پہنچ جائے تو اس میں کیا نتیجہ ہے؟ لیکن کیا ہمارے لئے ایسا کرنا ہمارے

ہے یا نہ؟ قرآن کے نزول اور ہماری پیدائش کا مقصد یہی ہے؟

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی فرمائشات جو تمام انسانوں سے متعلق ہیں پر غور فرمائیے۔

یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم

یا ایہا الناس اتقوا ربکم

ما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون

کل نفس بما کسبت رھینہ

من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من

میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ ہر نفس اپنے کئے ہوئے کے ساتھ مر رہتی ہے۔ ہر ذرہ بھری کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا۔ اور ہر ذرہ برابر

يَعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَبْرًا اِيَّاهُ
برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا۔

اس مضمون کی آیات قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ جن کا مقصد انسان کو خالق سے تعلقاتِ عبدیت قائم رکھنے کا حکم ہے۔ گروہِ جنات ان احکام میں ہمارے ساتھ شریک ہے (ویسے تکوینی طور پر تو تمام مخلوق ارضی و سماوی فرشتی و عمرشی اور بھری و بری مصروفِ عبادت ہیں۔

انسان اس لئے پیدا نہیں ہوا کہ صرف جذبہٴ نفسانی و شہوانی کے پیش نظر آیاتِ قرآنیہ سے تسخیرِ خلائق کرنا پھرے اور نہ قرآن اس لئے اترا ہے کہ اس سے تسخیرِ خلائق کرتے رہو۔ بلکہ وہ خلق کے لئے ہدایت ہے اور اس کے لانے والا رسولِ عالمین کے لئے رحمت اور تمام جن و انس کے لئے بشیر و نذیر ہے۔

انسان کا آخری کمال یہ ہے کہ اپنے قوائے نفسیہ شہویہ اور غضبیہ وغیرہ کو قوتِ عاقلہ کی مدد سے قرآن مجید کی روشنی میں اللہ کے لئے مسخر کر دے اور قرآن پاک خود بھی تمام انسانوں کو خالق کے لئے مسخر ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ بس انسان کا انسانی فریضہ یہی ہے کہ اللہ کے لئے اپنے نفس کو تسخیر کرے اور اپنی تمام نفسانی قوتوں کو اس کے ادا و نواہی کا پابند رکھے اور یہ امر یقینی ہے کہ اگر انسان اپنے نفس کو اللہ کے لئے مسخر کرنے پر کامیاب ہو جائے۔ تو یہی انسان روحانی ارتقائی منازل طے کر کے بلند مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے کہ باقی مخلوق خود بخود اس کی مطیع و زیر فرمان ہو جائے گی۔ اس کے تصرفات عامہ مخلوقات میں نافذ اور اس کا ارادہ حاوی اور اس کا وقار مسلم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیثِ قدسی جو زبانِ زدِ خواص و عوام ہے کا مطلب یہی ہے۔

میرا بندہ میری اطاعت کر۔ تاکہ تجھے اپنے جیسا بنا دوں۔

عَبْدِي اَطَعْنِي اَجْعَلْكَ مِثْلِي

تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں۔

كُنْ لِي اَكُنْ لَكَ

یاد رہے کہ خدا جیسا کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ خود فرماتا ہے اَر كَيْسَ كَيْشَلِهٖ شَيْءٌ

پس فرمانِ ایزدی کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان پورے طور پر خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو خدا اپنی مخلوق کی توجہ اس کی طرف پھیر دیتا ہے گویا جب وہ خدا کا ہو جاتا ہے تو خدائی اس کی ہو جاتی ہے اگر یہ اللہ کا فرمانبردار ہو جائے تو مخلوقات اس کی فرمانبردار ہو جاتی ہے۔ یعنی جو اللہ کا پورے طور پر فرمانبردار ہو۔ وہ کائنات کا پورے طور پر فرمانبردار ہوتا ہے۔ وہ کائنات میں جو چاہے کر سکتا ہے۔

بحار الانوار و سہم بابِ سچو بادشاہ، امام حسن علیہ السلام میں ہے۔ ایک مرتبہ امام حسن نے ایک مقام پر فرمایا۔ اگر میں خدا سے دعا کروں تو وہ شام کو عراق کر دے اور عراق کو شام بنا دے۔ مرد کو عورت اور عورت کو مرد بنا دے یہ کہنا تھا کہ ایک منافق دشمنِ خدا کے سینے میں آتشِ حسد بھری ہوئی گستاخانہ لہجہ میں آپ پر طعنہ زن ہو کر کہنے لگا۔ یہ کس کی طاقت ہے۔ (اگر اتنی طاقت ہوتی تو معادیا سے صلح کیوں کی جاتی؟ آپ نے بخاموشی اس کے جواں سنے۔ جب

کے بنانے یا استعمال کرنے کی طاقت کیوں دیتا؟ اسی طرح چور یہ عذر کرے کہ اگر چوری گناہ ہوتی۔ تو مجھے خدا ہاتھ نہ دیتا۔ یا مدعی کو اپنے مال سے غافل نہ کرتا۔ زانی یہ کہہ لے کہ اگر زانا ناجائز ہوتا تو مجھے قوت شہویہ یا قوت فعل زنا نہ دی جاتی۔ یا عورت کو اس کے قابل نہ بنایا ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ہر فعل بد کرنے والا اسی قسم کے عذر پیش کر سکتا ہے تو پھر اس قسم کے عذر درست مان لئے جائیں تو جملہ عقلا کے وضع کردہ اصول برائے نظام مملکت یا خالق کی طرف سے عائد شدہ احکام شریعت سب لغویت کی نذر ہو جائیں گے اور دریں صورت بنی نوع انسان کی تمدنی زندگی مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گی پس اگر عامل تسخیرات یہ عذر پیش کرے کہ اگر غلط دنا جائز ہوتا۔ تو آیات قرآنیہ اس امر کا فائدہ نہ دے سکتیں محض لغو اور بے جا ہے اور مقولہ (عدا گناہ بذا گناہ) کا مصداق ہے۔

ہمارے علمائے اعلام قدس اللہ اسرارہم نے عمل تسخیر کو جادو کی اقسام سے قرار دیا ہے اور اس کی حرمت کا قطعی فیصلہ فرمایا ہے۔ بعض اکابر علماء نے اس کی حرمت کو ضروریات دین سے شمار کیا ہے اور اس حکم کے منکر کو خارج اسلام قرار دیکر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام الاستاذ العالم شیخ محمد باقر زنجانی نجفی مدظلہ نے درس خارج میں مکاسب عمرہ کی اجماث تحقیقیہ کے بیان کے دوران میں اس مسئلہ کے متعلق یوں ارشاد فرمایا تھا کہ اولاً تو یہ یعنی تسخیر بتات و ملائکہ و ارواح وغیرہ سحر کے عنوان میں داخل ہیں۔ لہذا جن دلیلوں سے سحر (جادو) باطل ہے۔ انہی دلائل سے تسخیر بھی باطل ہے۔ ثانیاً۔ تمام علمائے شیعہ امامیہ کا اس پیر (تسخیر) کی حرمت پر اتفاق ثابت ہے۔ ثالثاً۔ فخر الحقین اور شہیدین رحمہم اللہ کی تصریحات موجود ہیں کہ اس کی حرمت ضروریات مذہب سے ہے۔ یہاں تک کہ اس کو جائز کہنے والا کافر ہے۔ لہذا بالفرض اگر اجماع ثابت نہ بھی ہو تو ان بزرگواروں کا فرمان اس امر کی واضح دلیل ہے کہ تسخیر کی حرمت میں علمائے شیعہ کو کوئی اختلاف نہیں۔ انتہی ما افاد۔

شہید اول نے درس میں فرمایا ہے کہ جادو کی اقسام سے ملائکہ و جنات کا تابع کرنا بھی ہے (یہاں تک کہ فرمایا) پس یہ سب حرام ہے۔ ان کے ساتھ کھانا بھی حرام ہے۔ پھر فرمایا اس کو جائز جانتے والا واجب القتل ہے۔

فخر الحقین نے سحر کی قسموں میں شمار کیا ہے ارواح سے مدد حاصل کرنا و یہاں تک کہ فرمایا) یہ سب شریعت میں حرام اور اس کا حلال کہنے والا کافر ہے۔

ہدایت الطالب میں ہے کہ ارواح ساؤجہ سے مراد ارواح مجرورہ

۲- عن الدرر للشیخ الاول قال وین

السحر الاستغناء للکلیة والجن والی ان
قال، فعمل هذا کلہ حرام والتکسب بہ
حرام ثم قال ویقتل مستحلہ

۳- عن ایضاً فخر الحقین فی عدا و اسما
السحر ما لفظہ او علی سبیل الاستعانة
بالادواح الساذجة (الی ان قال)

والکل حرام فی شریعة الاسلام و مستحلہ کاف

۴- قال فی ہدایة الطالب یعنی بہا الادواح

ہیں۔ جیسے فرشتے۔ جن اور شیاطین۔

الْمَجْرُودَةَ عَنِ الْعُنَاصِرِ كَالْمَلَائِكَةِ وَالْجِنِّ

وَالشَّيَاطِينِ

فی شرح الموعظة للشہید الثانی فی عداد

اقسام السحر۔ وَاسْتِخْدَامِ الْجِنِّ وَ

الْمَلَائِكَةِ وَاسْتِزْكَالِ الشَّيَاطِينِ فِي كَشْفِ

الْعَائِبَاتِ اِلَى اَنْ قَالَ۔ فَتَعَلَّمُوا ذَلِكَ كَلِمَةً

وَعَلَيْكُمْ حَرَامٌ وَالتَّكْثُوبُ بِهِ سَخِطٌ

وَيُقْتَلُ مُسْتَحِلَّةٌ

شرح لمتعہ میں شہید ثانی جہاد کے اقسام میں مندرجات ہیں کہ اور تسخیر کرنا جن و ملائکہ کا اور حاضر کرنا شیاطین کا غائب باتوں کے معلوم کرنے کے لئے (میں) تک کہ فرمایا پس ان سب باتوں کا سیکھنا سکھانا حرام ہے اور اس کے ذریعہ روزی کمانا بھی حرام ہے اور جو شخص اس کو حلال جانے وہ واجب القتل ہے۔

ان علماء متقدمین قدس اسرارہم کی تصریحات سے صاف معلوم ہوا کہ تسخیر جنات و ملائکہ و ارواح و جہاد وغیرہ سب سحر و جادو کی قسمیں ہیں ان کا سیکھنا اور سکھانا سب حرام ہے۔ اس کو کمانی کا ذریعہ بنانا بھی حرام ہے حتیٰ کہ جو شخص اس کو حلال جانے وہ کافر اور واجب القتل ہے۔

خداوند کریم تمام مومنین کو خواہش نفسانی کے پیندوں سے محفوظ رکھے اور اعمال صالحہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق عنایت فرمائے اور قرآن مجید سے صحیح فائدہ اٹھانے کی ہرأت عطا کرے۔

تلاوت قرآن مجید اور اس کے فضائل

اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید خالق و مخلوق کے درمیان ایک ایسا گہرا رشتہ اور ناقابل انصالح تعلق ہے۔ جو رہتی دنیا تک برقرار رہے گا اور یہ ایک ایسا محبت نامہ ہے۔ جس کی دید تجدید محبت بلکہ تمہید معرفت ہے۔ جس طرح محب اور محبوب کے درمیان راز و نیاز کے مکتوبات سوزش فراق کے ازالہ کا موجب ہو کہ روح پرور اور مسرت افزا ہوا کرتے ہیں۔ ان مکتوبات کی دید لذت وصال کی اُمینہ دار جس کی بدولت شوق و دیدار میں مزید تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان کا مطالعہ باہمی مکالمہ کا لطف پہنچاتا ہے۔ بار بار دیکھنا اور پڑھنا بجائے طول کے روحانی کیفیت میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح ذاتِ احدیت واجب الوجود کی صحیح معرفت اور اس کی محبتِ راستہ کی حقیقی جاہزیت اہل عرفان کو تلاوت کلام اللہ میں وہی لطف بخشی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت سے گویا ہم اپنے خالق سے مکالمہ میں ہیں۔ اور بالمشافہ سوال و جواب کے ذریعے پیار و محبت کا نہایت پرکیف اور سرور بخش مکالمہ جاری ہے۔ جس سے طبیعت

کی سیری ہوتی ہی نہیں۔ پھر فہم معانی اور ادراک مطالب میں جس قدر ذہن کو رسائی حاصل ہوگی۔ اتنا ہی روح ایمان میں انبساط اور قلب ایمان میں سکون و اطمینان ہوگا۔ کہیں نعمات کا ذکر۔ کہیں اطاعت و عبادت۔ کہیں پر از اخلاص محبت بھرے لہجہ میں ناز و ادا کی پیاری باتیں۔ مثلاً تو مجھے یاد کر۔ میں تجھے یاد کروں۔ تو میرے فرشتے کو نہ بھول میں تجھے بھلاؤں میں تیرے دشمنوں سے بیزار۔ تو میرے دشمنوں سے بیزار۔ تو میرے محبوب کی اطاعت کر۔ میں تجھے محبوب بنا لوں۔ تو میری نعمت پر شاکر۔ میں تیری اطاعت پر شاکر۔ تو میرے قریب۔ میں تیرے قریب۔ جنت تیرے لئے۔ جہنم تو میرے واسطے۔ علمان دوزخی تیری خاطر۔ کوثر و سلسبیل کی نہریں تیرے لئے صرف یہی نہیں۔ بلکہ تو جو چاہے گا۔ سب کچھ تیرے لئے حاضر ہوگا۔ بس میرے مہمانخانہ جنت میں تیرے پینچنے کی دیر ہے۔ میرے اور تیرے دشمنوں کے لئے جہنم کا گھر ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

جب خالق و مخلوق کے درمیان اس قسم کے پر لطف انداز کرے اور راز و نیاز کی روح پرور باتیں ہو رہی ہوں۔ تو کن صاحب عقل طبیعت میں طول کا احساس کر سکتا ہے۔ بلکہ مقتضائے فطرت اس کا بھی اور بڑھنا چاہیے۔ اور انسان کی ذہنی صلاحیتوں میں کمزوری اور مادی الجھنوں میں گرفتاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکیم مطلق نے انداز کلام میں ایک ہی قسم کی بات اور ایک رنگی گفتگو کو روانہ رکھا۔ تاکہ طول آور نہ ہو۔ پس تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مضامین میں تبدیلی کر دی۔ عنوان کلام کو کبھی سابقہ نبیوں اور ان کی امتوں کے حالات و قصص کی طرف کبھی امثال۔ کبھی معقولات و بعض اوقات محسوسات وغیرہ مختلف موضوعات کی جانب منتقل فرماتا رہا۔ یہ سب کچھ اس حکیم مطلق کی کمال رافت و عظمت کے مظاہر ہی اگر ایک رعایا کے فرد کو بادشاہ وقت سے گفتگو کا شرف ملے۔ یا اس کی جانب سے اس کے پاس کوئی خط یا پیغام آجائے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص اپنے تئیں بہت بڑا آدمی خیال کرتے ہوئے اپنے دل میں پھولا نہ سمائے گا۔ اسی طرح اگر کسی آدمی کو قرب بادشاہ کا لالچ دیا جائے تو نہ معلوم اس کی تحسین کے لئے وہ کیا کیا قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ لیکن چھ نسبت خاک را با عالم پاک و نیادی سلاطین کو خالق کائنات سے نسبت ہی کیا ہے؟ وہ مہربان امیر و مغرب شاہ و گلدار سب کو اپنی بارگاہ میں حضوری اور فیضیابی کی خود دعوت دیتا ہے۔ گو بندہ اس کے حکم کو ٹھکرا دے۔ تاہم وہ بار بار بلانے سے گریز نہیں فرماتا اور نہ کسی دیر میں آنے والے سے روٹھتا ہے۔ اپنی جانب تقدس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اسی غرض کے لئے بھیجے کہ تمام انسانوں سے اس کا تعارف کرائیں اور پھر اس کی بارگاہ میں شرف یابی کی دعوت دیں۔ جن خطا پستیا سے بذریعہ وحی و الہام انبیاء کو نوازا ان ہی خطابات سے بزرگیہ انبیاء عام انسانوں کو سرفراز فرمایا۔ ہمارے علاقہ مادیہ اور عوائق نفسیہ گو ہم کو اس کی بارگاہ سے گریز کرتے رہے۔ لیکن پھر بھی اس کا فیض نام کبھی ہم سے منقطع نہ ہوا۔ اب غور فرمائیے کہ اگر ایسے مہربان بادشاہ سے باہمی مکالمہ کا شرف دستیاب ہو جائے۔ تو پھر اس سے بڑھ کر اور کونسی نعمت عظمیٰ ہو سکتی ہے؟

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ قرآن مخلوق کی طرف اللہ کا عہد ہے
مسلمان کو پاسبانی کہ اپنے عہد میں نظر کرے اور ہر روز اس کی
پچاس آیات کی تلاوت کرے۔

اسحاق بن عمار کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق سے عرض کی
قرآن باؤں میں قرآن کا محافظ ہوں۔ کیا تلاوت یاد کرتا ہوں۔ یا قرآن
میں دیکھ کر پڑھوں؟ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ قرآن میں دیکھ کر تلاوت
کو رو کیا تم نہیں جانتے کہ قرآن میں نظر کرنا بھی عبادت ہے۔

جناب رسالتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھروں کو قرآن کی تلاوت
سے منور کرو اور میوہ اور انصاری کی طرح ان کو قبر میں نہ بناؤ
کہ انہوں نے بھی اپنے گرجوں میں نمازیں پڑھیں اور گھروں کو
مردم بھونڈ دیا۔ پس جب گھر میں تلاوت قرآن زیادہ ہو۔ تو اس
میں برکت زیادہ اور رزق وسیع ہو جاتا ہے اور وہ گھراہل آسمان
کے لئے ستاروں کی طرح چمکتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ قرآن والے۔ اللہ والے ہی اور اس کے
خاص بندے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن سے دیکھ کر
تلاوت کرے۔ اس کی بصارت دیر پا ہوگی۔ اور اس کے والدین
سے تخفیف عذاب ہوگی۔ اگرچہ وہ کافر ہوں۔

حضرت امیر المومنینؑ سے ایک حدیث طویل میں مروی ہے کہ میں
نے جناب رسالتؐ سے سنا دہ فرماتے تھے کہ ضرور فتنے واقع
ہوں گے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ پھر بچاؤ کیسے ہوگا۔ فرمایا
کتاب اللہ کے ذریعے اس میں گذشتہ اور آئندہ کی خبریں۔ اور
دور حاضر کے احکام موجود ہیں۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس میں سخریہ پن
نہیں۔ اس کو خواہشات کج نہیں کر سکتیں۔ اس سے علامہ سیر نہیں
ہوتے۔ کثرت تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائبات ختم

عن ابی عبد اللہ قال القرآن عهد اللہ الی
خلقه فقد یبغی للبر المسلم ان ینظر فی
عہدہ وان ینقر آمنہ فی کل یوم خمین آیۃ

۲۔ روی اسحق بن عمار عن الصادق قال قلت لعلیؑ

فذاک انی احفظ القرآن عن ظہر قلبی ناقراً عن
ظہر قلبی وانظر فی المصحف قال لیل اقرأ وانظر فی المعنی
وهو افضل اما علمت ان النظر فی المصحف عبادۃ

۳۔ قال النبی نور و ابویکم بتلاوة القرآن
ولا تتخذوها قبوراً کما فعلت الیہود والنصر
صلوا فی الکنائس والبیع وعطلوا ابوتہم فان
البت اذا کثر فیہ تلاوة القرآن کثر خیرہ
واتسع اہلہ واصناء لاهل السماء کما

تضی نجوم السماء لاهل الدنیا
۴۔ عنہ قال اهل القرآن هم اهل الله
وخاصته

۵۔ عن ابی عبد اللہ من قرأ القرآن
فی المصحف منح بصیرہ وحقیق علی
والدینہ وان کان کافرین

۶۔ عن امیر المومنینؑ قال فی حدیث طویل
سمعت رسول اللہ یقول انہا ستکون ینت
قلت فما المخرج منها یا رسول اللہ قال
کتاب اللہ فیہ خیر ما قبلکم و نبا ما بعدکم
وحکم ما بینکم هو الفصل لیس بالہزل هو
الذی لا ینزغ بہ الایواء ولا یشبع منه
العلماء ولا یخلق عن كثرة رد ولا تنقضی

منہیں ہوتے اگر اسے کوئی سرکش چھوڑے گا۔ تو نذا اس کو پست کر دے گا جو ہدایت کو اس کے غیر میں طلب کرے گا۔ وہ گمراہ ہوگا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی اور سراط مستقیم ہے جو اس پر عمل کرے گا۔ ثواب پائے گا جو اس کے ساتھ حکم کرے گا۔ وہ عادل ہے جس نے اس کی طرف دعوت دی۔ گویا اس نے سید سے رستے کی طرف بلا یا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ (قیامت کے روز) تین چیزیں اپنا اپنا شکوہ اللہ تعالیٰ کو پیش کریں گی۔ اول وہ مسجد غیر آباد جس میں نماز کوئی نہ پڑھتا ہو۔ ۲، وہ عالم جو جاہلوں کے درمیان ہو اور وہ اس سے مسائل دینیہ نہ پوچھیں۔ ۳، وہ شکایا ہوا قرآن جس پر غبار پڑتا رہے اور اس میں کوئی تلاوت نہ کرے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو بحالت قیام نماز میں قرآن پڑھے۔ اس کے لئے ہر حرف کے بدلہ میں ایک سو نکی کا ثواب ہے اور جو بیٹھنے کی حالت میں پڑھے۔ تو اس کے لئے ہر حرف کے بدلہ میں پچاس نیکیوں کا ثواب ہے اور جو شخص بغیر نماز کے قرآن پڑھے تو اس کے لئے ہر حرف کے بدلہ میں دس نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کیا ہرج ہے۔ بازاری کار و بار میں مصروف رہنے والے تاجر کو کو گھر آکر سونے سے پہلے قرآن کی کوئی سورت پڑھ لیا کرے تاکہ اس کے نامہ اعمال میں ہر ہر آیت کے بدلہ میں دس دس نیکیاں درج ہوں اور دس دس برائیاں کٹ جائیں۔

جناب رسالتؐ نے فرمایا، علی بن ابی طالب کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔ ۲، زحری و مہربانی سے ماں باپ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔ ۳، قرآن کے صحیفہ میں نظر کرنا عبادت ہے

عَجَابِيَهُ وَهُوَ الَّذِي مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللَّهُ وَمَنْ ابْتَغَى الْهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللَّهُ هُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْبَتِّينَ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ هُوَ الَّذِي مَنْ عَمِلَ بِهِ أَحْبَبَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ دَعَا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔

۷۔ عن ابی عبد اللہ قال ثلثۃ یشکون الی اللہ عزّ وجلّ مسجدٌ خرابٌ لا یصلّ فیہ اہلہٗ و عالمٌ بین جہالٍ و مصحفٌ معلقٌ قد وقع علیہ الغبار لا یقرئ فیہ

۸۔ عن الباقر من قرأ القرآن قاریاً

صلواتہ کتب اللہ لہ بکل حرفٍ مائة حسنة و من قرأ فی صلواتہ جالساً کتب اللہ لہ بکل حرفٍ خمسین حسنة و من قرأ فی غیر صلوة کتب اللہ لہ بکل حرفٍ عشر حسنات

۹۔ عن الصادق ما ینبغی التاجر منک الشغل فی سوقہ اذ ارجع الی منزله ان لا ینام حتی یقرأ سورۃ من القرآن فی کتب لہ مکان کل الیہ یقرأ ہا عشر حسنات و ینبغی عنہ عشر سیئات

۱۰۔ عن النبی النظر الی علی بن ابی طالب عبادۃ۔ و النظر الی الوالدین برفاقہ و رضیۃ عبادۃ۔ و النظر الضعیفۃ یعنی

صَحِيحَةً الْقُرْآنِ عِبَادَةً وَالنَّظْرَ إِلَى الْكَعْبَةِ
عِبَادَةً

۴۔ اور کعبہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنے والد بزرگوار سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے قرآن کا گھر میں رکھنا محبوب ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے خدا شیاطین کو دور کرتا ہے۔

۱۱۔ عن ابی جعفر عن ابیہ قال انما
لِيُعْجِبَنِي اَنْ يَكُوْنَ فِي الْبَيْتِ مُصْحَفٌ
يَطْرُقُ دَاخِلًا عَزَّ وَجَلَّ بِسُوءِ الشَّيَاطِينِ

۱۲۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت رسالتناہ سے نقل فرمایا ہے۔

- * جو شخص ہر شب قرآن مجید کی دس آیات کی تلاوت کرے اس کا شمار غافلین سے نہ ہوگا۔
- * اور جو شخص ہر رات قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھتا ہو وہ ذاکرین میں شمار ہوگا۔
- * اور جو شخص ہر رات ایک سو آیات کی تلاوت کرے وہ قنوت کرنے والوں میں نکھتا جائے گا۔
- * اور جو شخص ہر شب دس سو آیات پڑھے خشوع کرنے والوں میں شمار ہوگا۔
- * اور جو شخص ہر شب تین سو آیات پڑھے وہ کامیاب ہونے والوں میں شمار ہوگا۔
- * اور جو شخص ہر رات پانچ سو آیات پڑھے وہ مجتہدین یعنی کوشش کرنے والوں میں شمار ہوگا۔

* اور جو ایک ہزار آیت ہر رات پڑھے۔ اس کے نامہ اعمال میں ایک انتظار سونے کا درج ہوگا (جو راہ خدا میں خرچ کیا گیا ہو)۔ ایک انتظار ہزار مشقال کے برابر اور ہر مشقال پونیس تیراٹ کے برابر کہ ہر تیراٹ کم از کم کوہ احد اور زیادہ سے زیادہ زمین و آسمان کے مابین فاصلہ کے برابر ہوگا۔

۱۳۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر انسان کو تعقیبات نماز صبح کے بعد پچاس آیت تلاوت کرنی چاہیے

۱۴۔ ایک مرتبہ امام حسین علیہ السلام نے قرآن کی تلاوت کرنے والے اور اس کے چٹنے والے کا بے حد ثواب بیان فرمایا۔ تو ایک شخص قبیلہ اسد میں سے عرض گزار ہوا کہ حضور! یہ ثواب تو اس کا ہے جو پڑھا لکھا ہو اور جو ان پڑھ ہو وہ کیا کرے۔ آپ نے فرمایا۔ اے اسدی خدا جو اود کریم ہے جیسا پڑھنا آتا ہے ویسا ہی پڑھے۔ اس کو بھی ویسا ہی ثواب مل جائیگا

۱۵۔ جامع الاخبار میں وارد ہے کہ جناب رسالتناہ نے سلمان پاک سے ارشاد فرمایا۔ اے سلمان قرآن کی تلاوت ضرور کیا کرو۔ کیونکہ یہ گناہوں کا کفارہ جہنم کی ڈھالی اور عذاب کی امان ہے۔ پڑھنے والے کے لئے ہر آیت کے بدلہ میں سو شہید کا ثواب ہے۔ ہر سورت کے بدلہ میں اسے بنی مرسل کا ثواب ملتا ہے۔ پڑھنے والے پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ جنت اس کی مشاقق اور خدا اس سے خوشنوبرتا ہے۔ مومن جب قرآن پڑھتا ہے تو خدا اس پر نظر رحمت فرماتا ہے اور ہر آیت کے بدلہ میں اس کو ایک ہزار نور عنایت فرماتا ہے اور ہر حرف کے بدلہ میں اس کے لئے صراط پُر نور ہوتا ہے۔ جب قرآن ختم کرے تو اس کو تین سو تیرہ ایسے نبیوں کا ثواب ملے گا۔

جنہوں نے اللہ کے احکام کی تبلیغ کی۔ اور گویا اس نے تمام گذشتہ انبیاء کی کتابوں کی تبادلت کی اور خدا اس کے جسم پر آتش جہنم کو حرام کرتا ہے اور اپنی جگہ سے ابھی حرکت نہیں کرتا۔ کہ خدا اس کے اور اس کے والدین کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور قرآن کے ہر سورہ کے مقابلہ میں بہت الفردوس میں اس کو ایک شہر عطا ہوتا ہے جس کی بناء سبز و زریں سے ہے اور ہر شہر میں ایک ایک ہزار محل جو ایک ایک لاکھ کمروں پر مشتمل ہیں۔ اور ہر کمرہ ایک لاکھ بیت پر مشتمل ہے۔ ہر بیت کا ایک لاکھ دروازہ رحمت کا ہے۔ ہر دروازہ پر ایک لاکھ دربان اور ہر دربان کے ہاتھ میں مختلف قسم کے ہریے ہیں اور ہر دربان کے سر پر استبرق کا ردال ہے جو دنیا اور اس کی تمام نعمات سے افضل ہے۔ اور ہر بیت کے اندر ایک ایک لاکھ مسند عنبر کی ہے کہ ہر مسند پر ایک لاکھ تخت اور ہر تخت پر ایک لاکھ بستر کہ ہر دو کے درمیان ایک ہزار گز کا فاصلہ ہے اور ہر بستر پر ایک ہزار نور موجود ہے (میں تک کہ آپ نے فرمایا) کہ خداوند عالم قرآن مجید کے پڑھنے والے کے منہ سے نکلے ہوئے ہر حرف کے بدلہ میں ایک ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک اس کے لئے تسبیح کرتا ہے (الحجر)

تفسیر ہر اعمال کے ثواب کے متعلق جو احادیث اہل بیت عصمت سے مروی ہیں۔ ان کی صحیح تاویل اور حقیقی مفہوم وہ خود ہی جانتے ہیں۔ ہم اپنے فہم تامر اور عقل ناتر سے ان کے متعلق کوئی نظریہ قائم نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خداوند کریم کے فیض عمیم اور اس کی وسعت رحمت (جس کا کوئی کنارہ ہی نہیں) کے پیش نظر اتنا انعام تو درکنار اس سے کہ وہ درگزر کر دے بھی بعید از عقل نہیں۔ اپنی داعی وسعت کے ساتھ اس کی وسعت رحمت کا قیاس کرنا انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے۔ معصوم کے فریاد کو ازراہ تسلیم مان لینا اور اس کے حکم کے آگے سر جھکا دینا عین مقصد اسلام و ایمان ہے جو لوگ ایسی باتوں کو خلاف عقل کہتے ہیں۔ وہ خود خلاف عقل کہتے ہیں۔ وہ عقل کے اندھے معرفت خدا سے کورے ہیں۔ ہم قدرت خدا اور خالق عمیم و حکیم کی عظمت کو سمجھ ہی کیا سکتے ہیں؟ محدود قطعہ ارضیہ کے محدود ماحول میں بیٹھ کر اپنی محدود عقول سے خلاق عالم کی لامحدود قدرت و حکمت کی حد بندی کرتے ہیں اور جس چیز کو مادہ عقل پاتے ہیں اس کا سناٹا انکار کر دیتے ہیں۔

تخلیق آسمان پر غور کیجئے اور پھر ہر سیارہ اور ستارہ کی خلقت کا ملاحظہ کیجئے اور سائنس دانوں سے ہر ایک کی عظمت و جود کے متعلق معلومات حاصل کیجئے۔ بلکہ آسمانی مخلوق کے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ذرا مصالح ارضیہ پر ایک نظر دوڑا، وہ اور اس کے اندر ایسی عجائبات اور برقی قوتیں ملاحظہ فرمائیے و علیٰ ہذا قیاس۔

آج سے ایک سو سال پیشتر ان باتوں کا تصور تک نہ تھا اور آج ناقابل انکار حقیقت بن کر سامنے موجود ہیں۔ اگر گذشتہ لوگوں سے ان چیزوں کے متعلق تبادلہ خیالات ہوتا تو وہ یقیناً دور حاضر کی عجیب العقول ایجادات سے ذرا متاثر ارضیہ میں قدرت و حکمت خالق کے ودیعت کردہ کمالات کے منصفہ شہود میں آسکنے کا انکار کرتے۔ کیونکہ انسان فطرتاً

اپنی ناقص عقل میں ہر نہ آنے والی چیز کے انکار کا نوگر چلا آیا ہے۔

اگر روایات سے گزر کر مجردات کی طرف دھیان کر لیا جائے۔ نفوس ارضیہ و فطریہ اور ملائکہ دارواح اور ان کی تفصیل خلقت اور کثرت وجود و عظمت کا جائزہ لیا جائے۔ تو ہماری عقول و رطوبت حیرت و استعجاب میں پڑ جاتی ہیں۔ خطبات پنج البلاغہ میں ابتدائے خلقت کائنات اور ایجاد آدم اور تخلیق ملائکہ کے متعلق مولائے کائنات امیر موجودات حلال مشکلات حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے جس قدر تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ ہمارے دماغ و عقول صحیح معنوں میں ان کے بھی حامل نہیں ہو سکتے۔ ورنہ ان کے سینہ خزینہ علوم الہیہ سے بے حد دیاں معلوماتی ذخائر برآمد ہو سکتے تھے۔ بعض اوقات ارشاد فرماتے تھے کہ اس سینہ میں علم کے خزانے موجود ہیں۔ کاش ان کے حاملین ہوتے۔ روایات معراج پر اگر سرسری نظر دوڑائی جائے کہ شب معراج حضور رسالت نے کیا کیا دیکھا اور اس میں سے بھی جس قدر تم تک پہنچایا؟ آسمانوں کی وسعت کرسی کی عظمت عرش کی رفعت پھر ستونہائے عرش کی کثرت تزیین ہائے نور کی بہجت اور کنگرہ ہائے عرش کی شوکت و اہمیت پھر ان کے آگے دریا ہائے نور کی ہیبت و وحشت پھر حجاب ہائے قدرت و سر اوقات عظمت کی جلالت حتیٰ کہ جبریل کے قدم رگ گئے اور عرض کی کہ اگر آگے بڑھوں تو پڑھ جائیں اور عرض کی کہ میرے مقام سے آپ کے محل رسائی تک تو سے تیزاں حجابات نور ہیں کہ دو حجابوں کے درمیان پانچ سو سال کی راہ ہے۔

بہر کیف ان چیزوں کی تفصیل تو کسی اور مقام پر آئے گی۔ مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ خدا اپنے خاص بندوں کے لئے بطور انعام جو کچھ پیدا کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے نہ اس کی قدرت سے بعید ہے اور نہ اس کی رحمت بے پایاں سے خلافت متوقع ہے۔ ہمارا دماغ نارسا اگر نہ پہنچ سکے تو اس سے اس کی قدرت و رحمت کی نفی لازم نہیں آتی اور نہ ہمارے انکار سے اس میں کچھ کمی واقع ہو سکتی ہے۔ اسی بنا پر معصوم فرماتے ہیں کہ ہماری احادیث صعب و مستصعب ہیں۔ اس کی تاب برداشت کسی کو نہیں۔ سوائے ملک مقرب کے یا نبی مرسل کے یا اس مومن کے جس کا ایمان امتحان کی کسوٹی پر پورا اترتا ہو۔

نیز احادیث میں ثواب کی تعبیر کے الفاظ بھی جدا جدا ہیں مثلاً کسی میں ہے کہ ایک حرف کے بدلہ میں دس نیکیوں کا ثواب ملے گا کسی میں ہے ایک آیت کے بدلہ میں دس نیکیاں اور کسی میں ایک حرف کے بدلہ میں ایک سو نیکیاں بیان کی گئی ہیں تو اس اختلاف کو دیکھ کر جلد باز طلباء کو حروف گیری کی ہنی سو بھتی ہے۔ حالانکہ ان میں کوئی منافات نہیں۔ پڑھنے والے جس طرح اپنے مدارج میں فرق رکھتے ہیں۔ ان کے اذہان جدا جدا۔ ایقان جدا۔ صلاحیتیں جدا جدا، نشوع و خضوع میں منازل الگ الگ اور معرفت و بصیرت میں مراتب کا معتد بہ فرق تو اسی طرح اعمال کے ثواب میں بھی مدارج و مراتب کا فرق ضروری و لازم ہے۔ لہذا بعید نہیں کہ معصومین علیہم السلام کے کلام پاک میں ثواب کی تعبیر کے لئے اختلاف

الفاظ اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ ہر معصوم کا کلام حاضرین مجلس کی ذہنی و عقلی و ایمانی و عرفانی صلاحیتوں کے مطابق ہوا کرتا تھا۔

آداب تلاوت قرآن مجید کی تلاوت کے وقت ایسے آداب ملحوظ خاطر ہوں۔ بوشعور و خضوع کو ظاہر کریں۔ عام قصبہ خوانی یا ناول کی کتابوں کے مطالعہ کی طرح بے توجہی اور لاپرواہی برتنا گناہ ہے۔ بنا بریں بستری یا دیوار یا کسی اور چیز پر تکیہ لگائے ہوئے ٹانگیں پھیلا کر یا ویسے لیٹ کر یا ہر وہ وضع جس سے بے اعتنائی کا مظاہرہ ہو یا اس میں قرآن کی توجہ و تحقیر لازم آئے وغیرہ ان سب چیزوں سے گریز کرنا چاہیے۔

بادنوا ہو کر قبلہ رخ شائستہ انداز میں پاک مقام پر پوری توجہ اور دل لگی کے ساتھ تلاوت کرنا نہایت موزوں و مناسب ہے۔ چنانچہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق ایک روایت گزر چکی ہے کہ آپ جب تلاوت فرماتے تھے تو بہت رویا کرتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی سے رو برو گنگو فرما رہے ہیں۔ صرف ایک نہیں بلکہ ہر معصوم کی تلاوت کا یہی دستور تھا اگر قرآن کے معانی کو جانتا ہو تو بوقت تلاوت ان پر غور کرے۔ جب رحمت و بشارت کی آیت سامنے آئے تو اللہ سے اس کے حصول کا سوال کرے اور جب عذاب کی آیت پر نظر پڑے تو اللہ سے امان طلب کرے۔

بے وضو کے اگرچہ قرآن مجید پڑھا جاسکتا ہے لیکن ثواب کم ہے اور نیز بے وضو قرآن مجید کے لفظوں کو ہتھ لگانا حرام ہے۔ جنبی انسان اور حیض و نفاس والی عورت کے لئے قرآن کا اٹھانا مکروہ ہے اور اس کے لفظوں بلکہ حروف و حرکات کا چھونا بھی حرام ہے اور قرآن مجید کی وہ سورتیں جن میں واجب سجدہ آتا ہے۔ جنب حیض۔ نفاس کی حالتوں میں پڑھنا حرام ہے۔ حتیٰ کہ ایک آیت بھی اور بسم اللہ شریف بھی اگر ان (سجدے والی) سورتوں کی نیت سے پڑھے تو حرام ہے۔ اور وہ سورتیں جن میں سجدہ واجب ہے چار ہیں۔ **الوسجدہ پلّٰلہ سجدہ پلّٰلہ والنجم پلّٰلہ - العلق پلّٰلہ**

ان چار سورتوں میں ایک ایک واجب سجدہ ہے ان کے علاوہ قرآن مجید کے جس قدر سجدے ہیں۔ مستحب ہیں۔ تلاوت کرتے وقت جب آیت سجدہ کو پڑھے تو فوراً سجدہ میں چلا جائے۔ اس سجدہ میں نماز کے سجدہ کے شرائط نہیں ہیں اور نہ اس میں کوئی ذکر مخصوص طور پر واجب ہے واجب سجدہ و سجدہ کی نیت سے اور مستحب سجدہ استیجاب کی نیت سے کرے۔ واجب سجدہ میں اگر بلا وجہ تاخیر کرے تو گنہگار ہوگا۔

جنب کی حالت میں چار مذکورہ بالا سورتوں کے علاوہ باقی قرآن مجید کی سات سے زیادہ آیات کا تلاوت کرنا مکروہ ہے اور ستر آیات سے تجاوز کرنا کراہت شدیدہ ہے۔ اور حیض و نفاس کی حالت میں مطلقاً تلاوت مکروہ ہے

جن حالات میں تیمم غسل کے قائم ہو سکتا ہے تو تیمم کر لینے کے بعد بس طرح نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید بھی پڑھا جا سکتا ہے اور اس کے حروف کو مس بھی کیا جا سکتا ہے۔

طہارت کے بغیر جس طرح قرآن مجید کے حروف و حرکات کو مس کرنا حرام ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اسماء طاہرہ کو مس کرنا بھی حرام ہے۔ بشرطیکہ انہیں کی نیت سے نکتے گئے ہوں۔ اگر کسی اور شخص کا نام انبیاء یا ائمہ کے ناموں میں سے ہو تو اس کا مس کرنا حرام نہیں ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت سے پیشتر استعاذہ یعنی (أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) کا پڑھنا مستحب ہے اس کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر تلاوت شروع کرے۔

قرآن کی تلاوت کرتے وقت یہ خیالی رہے کہ جس طرح ایک عبد ذلیل اپنے مولائے جلیل کے سامنے عاجزی و انکساری سے بیٹھ کر نہایت توہم اور کمالی التفات سے اس کے خطابات کو سنتا ہے اور ان سے اثر قبول کرتا ہے یہی حالت قرآن مجید کے پڑھنے والے کی ہونی چاہیے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کہتا ہے کہ میں نے جناب رسالت اکبر کو فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن حزن کے ساتھ اترتا ہے۔ پس اس کی تلاوت کر دو تو روپا کرو اور اگر رونانا آئے۔ تو رونے کی سی شکل بنا لیا کرو۔

اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَّنِ يَدِكَرَفْتَنَعَهُ الذِّكْرٰى

رسم قرآن خوانی و قُل خوانی

گذشتہ عنوانات کے ذیل میں قرآن مجید کے دیکھنے، پڑھنے اور سننے کے متعلق احادیث سے روشنی ڈالی جا چکی ہے

اس مقام پر رسم قرآن خوانی جو ہمارے ہاں عام طور پر رائج ہے کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

قرآن کا پڑھنا روحانی برکات اور اخروی نجات کے علاوہ خانگی حالات بلکہ جملہ ظاہری معاملات میں بھی اُنات و

بلیات کی دوری کا موجب ہے۔ اس سے دل کی کدورتیں رفع ہوتی ہیں اور رجحانات میں اچھائی پیدا ہوتی ہے۔ چہرہ پر

ہشاشت و بھاشت کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ نئے مکان کو پہلے پہلے قرآن خوانی کر کے مسکن بنانا خیر و برکت

کا موجب ہے۔ ہر مصیبت و رنج کے وقت قرآن خوانی موجب دفعیہ ہوتی ہے۔ نیز قرآن خوانی کے بعد دعا مورد استجاب

ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ گذشتہ بعض احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

وقت نزع قرآن خوانی مستحب ہے۔ خصوصاً بعض سورتوں کے متعلق زیادہ تاکید وارد ہے ایک روایت میں ہے

کہ جس مرنے والے کے پاس بوقت موت سورہ سہ اور سورہ یس کی تلاوت کی جائے تو رنوان خازنِ جنت اس کے پاس پہنچ کر اس کو شرابِ جنت سے سیراب کرتا ہے۔ پس وہ سیراب ہو کر مرے گا اور سیراب ہو کر اٹھے گا دوسری روایت میں ہے کہ جس مسلمان کے پاس بوقت نزوح سورہ یس کی تلاوت کی جائے تو ہر حرف کے بدلہ میں دس دس فرشتے اس کے پاس اترتے ہیں۔ جو اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے لئے طلبِ رحمت و دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اس کے غسل دینے میں ساتھ ہوتے ہیں۔ پھر اس کے جنازہ کی تشییع کرتے ہیں اور اس کے نمازِ جنازہ اور دفن میں شریک رہتے ہیں۔

ایک اور روایت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے جس میں سورہ صافات کے پڑھنے کا حکم ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ ہم تو پہلے سورہ یس پڑھتے تھے۔ آپ نے فرمایا جس کے سر ہانے یہ سورہ پڑھا جائے اس کی روح آسانی سے قبض ہو جاتی ہے (گویا سورتوں کے خاصے جہاں ہیں) ان کا وہ خاصہ تھا جو بیان ہو چکا اور اس کا یہ خاصہ ہے دونوں کا پڑھنا زیادہ اچھا ہے۔ ایک روایت میں جناب رسالت سے مروی ہے کہ قبرستان میں سورہ یس کی تلاوت سے قبرستان والوں کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ نیز بعض روایات میں آیت الکرسی ہُنْفِیْہَا خَالِدُونَ تک پڑھنے کا حکم بھی وارد ہے۔

بہر کیف بوقت نزوح قرآن خوانی اور بالخصوص مذکورہ سورتیں پڑھنا آسانی موت، تخفیفِ عذاب اور برکت کا باعث ہے لیکن روضہ خوان حضرات (ناہنِ ذاکرین و واعظین) عوام کو ہنسانے اور دادِ تحسین حاصل کرنے کے لئے اپنے قلبی جذبات کو یوں تسکین دیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس کے ذریعے سے مردوں کو زندہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مولوی صاحبان کی قرآن خوانی الٹا اثر رکھتی ہے۔ کیونکہ بوقت نزوح ملا صاحب کو بجایا جائے کہ قرآن پڑھو تو جو نبی انہوں نے قرآن کھولا اور سورہ یس کو شروع کیا تو ابھی دوسری یا تیسری مبین تک نہیں پہنچنے پاتے کہ حضرت ملک الموت پہنچ کر روح قبض کر لیتا ہے۔ اُدھر خدا فرماتا ہے کہ قرآن سے مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے اور یہ ملا لوگ قرآن سے زندوں کو مار بیٹھتے ہیں۔ اس بیان کے نتیجے میں حاضرینِ مجلس میں بے تحاشا قہقہہ اور واہ واہ واہ واہ۔ اہا ہا کی بے تکلی صدائیں سے فضا گونج اٹھتی ہے۔ مقرر نے سمجھا کہ میں نے اچھا نکتہ بیان کر دیا اور مجلس خوب بن گئی۔ حالانکہ وہ جاہلی یہ نہیں خیال کرتا کہ میرے اس بے ہودہ بیان سے معصومین کے کلام کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا۔ ان کے اقوال و فرمائشات کی کس قدر توہین ہوئی اور قرآن مجید کے وقار کا عوام کے دلوں میں کیا حشر ہوگا اپنا ایمان ضائع عوام کے عقائد و رجحانات تباہ۔ صرف اختتامِ مجلس پر چار دام لے کر رخصت ہوئے۔ اَوْلَیِّکَ الَّذِیْنَ اَشْتَقُوْا وَالضَّلَالَةَ بِالْهُدٰی فَمَا رَبَّحْتَ تِجَارَتُھُمْ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا پس ان کی یہ تجارت قطعاً نفع بخش نہیں۔

بعض رسوم نیم خوان ملاؤں نے اپنی طرف سے شکم پڑی کی خاطر ایجاد ہوئی ہیں۔ مثلاً نماز جنازہ پڑھ چکنے کے بعد کچھ دیر میت کی چارپائی کے آس پاس بیٹھ رہتے ہیں اور کچھ نہ کچھ پڑھتے رہتے ہیں۔ کچھ دیر بعد حاضرین کہتے ہیں۔ ملا صاحب جو کچھ ہم نے پڑھا ہے تیرے ہلک میں دیا ہے۔ اس کے بعد قرآن خوان لوگ ایک ایک یا ڈو ڈو ختم قرآن یا اس سے کم دہیش ملا صاحب کی ہلک میں دیتے ہیں اور ملا صاحب ان سب کو قبول کرتا جاتا ہے جب تک تملیک کا ایجاب و قبول ختم ہوتا ہے تو ملا صاحب اپنی پڑھی ہوئی کوئی چیز اور حاضرین سے وصول شدہ املاک سب میت کو تملیک کر دیتا ہے۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے اور جس حد تک مجھے معلوم ہے نہ خدا اور رسول کا حکم ہے اور نہ ائمہ طاہرین کی طرف سے اس کے متعلق کچھ وارد ہوا ہے۔ غالباً ہندوؤں، برہمنوں کی اس موقعہ کی رسوم کو ملا لوگوں نے اپنے رنگ میں ڈھال کر ایک اسلامی عمل کی شکل دے دی ہے جس سے سوائے شکم پرستی کے اور کوئی مقصد نہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ صاحب شریعت کے فرمان کے بغیر کسی رسم کو شرعی عنوان سے ادا کرنا بدعت کہلاتا ہے اور وہ حرام ہے۔ ویسے میت کے لئے جس قدر اعمال کئے جائیں۔ اس کے لئے نوافل پڑھی جائیں۔ قرآن خوانی کی جائے۔ صدقہ یا خیرات کی جائے یا کوئی اور عمل صالح کیا جائے اور اس کا ثواب میت کی روح کو بہرہ کیا جائے تو ثواب ہے اور میت کے لئے نفع بخش ہے اور بجائے اس کے کہ ملا صاحب کی دماغت سے یہ ثواب میت تک پہنچایا جائے۔

اگر محمد و آل محمد کو درمیانی وسیلہ یا واسطہ قرار دیا جائے تو بدرجہا بہتر ہوگا

مرنے کے دوسرے یا تیسرے روز مولوی صاحبان نے ایک اور رسم ایجاد کی ہوئی ہے جسے عام زبان میں قتل خوانی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کو ملا لوگ ایک خاص طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی خاص سورتیں اور خاص آیتیں پڑھی جاتی ہیں مولوی صاحب کے سامنے پہلے کچھ سامان رکھا جاتا ہے اور اس کے بعد مولوی صاحب پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ عراق سے واپسی کے بعد ایک عزیز کی موت کے دوسرے روز مجھے اس کی قتل خوانی کی دعوت دی گئی۔ میں نے ہر چند اٹھا اٹھا اور مذہب امامیہ سے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کہیں اس کا سراغ نہ مل سکا۔ تو پھر میں نے خود جانے سے انکار کر دیا اور ان کو اس رسم کی ادائیگی سے باز آنے کی دعوت بھی دی۔ لیکن چونکہ مولوی صاحبان نے مدت مدید سے اس کو ایجاد کیا ہوا ہے۔ لوگوں کے خیالات کا رخ بدلتا کار سے دارو۔ کہتے ہیں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ لوگ کہیں گے بڑا نا اہل تھا کہ رسم قتل خوانی تک ادا نہ کر سکا۔ اسی قتل خوانی پر بعض مقامات پر ملا لوگ بہت کچھ وصول کر لیا کرتے ہیں۔ میت کے درناور میت کے اکثر مغرب خاطر اشیا کو ملا صاحب کی نذر کر دیتے ہیں چنانچہ بعض رؤسا و امراء کے مرنے پر ان لوگوں کے گھر عید ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ انہیں ہزاروں کابل وصول ہو جاتا ہے۔ شاید یہ لوگ سمجھتے ہوں کہ اس طرز عمل یا مولوی کی اس قدر تواضع سے مرنے والے کے لئے کچھ نازہ ہوگا لیکن یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

ہاں اگر میت کے لئے صدقات و خیرات کا ارادہ ہو۔ تو مذہب اہلبیت کے طریقہ سے مجتہدین عظام کے فتاویٰ

کے مطابق عمل کرے۔ تاکہ کرنے والے کو بھی فائدہ ہو۔ اور جس کے لئے کیا گیا۔ اس کے لئے بھی سود مند ہو نہ خرچ ضائع ہو نہ ثواب باطل ہو۔ اس قسم کے طریقے ہندوؤں کے رسوم کے مقابلہ میں غیر امامی ملاؤں نے کسب معاش کے لئے ایجاد کئے تھے۔ شیعہ علماء کی چونکہ کبھی تھی۔ لہذا دیکھا دیکھی سے شیعہ عوام بھی اپنی رسوم کے پابند ہو گئے اور انہی غیر امامی ملاؤں سے رسوم مذکورہ ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ اب شیعہ نیم خوان ملاؤں نے جب ان لوگوں کی آمدنی پر نظر کی تو طبیعت لپٹا گئی۔ اور اسی طرز عمل کو اپنا کر کسب معاش کا ذریعہ بنا لیا۔ حالانکہ ایسی کمائی ناجائز اور ان رسوم کا شرعی عنوان سے ادا کرنا بدعت اور حرام ہے۔ البتہ کفن پر جس قدر ممکن ہو قرآن کا لکھنا مستحب ہے۔

ترتیل قرآن

کافی میں محمد بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا میں ایک رات میں ختم قرآن کر لیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ کہ ایک ماہ سے کم عرصہ میں تو قرآن پڑھے۔ نیز کافی میں ابولیسیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں عرض کی کہ میں آپ پر فدا ہوں۔ کیا ماہ رمضان کی ایک شب میں ختم قرآن کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کی۔ کیا دو راتوں میں؟ فرمایا کہ نہیں! میں نے پوچھا کیا پس تین شب میں؟ فرمایا یہی درست ہے اور ائمہ سے اشارہ بھی کیا۔ پھر فرمایا۔ اے ابو محمد تحقیق ماہ رمضان کے لئے حق و حرمت ہے۔ دوسرا کوئی مہینہ اس کی مثل نہیں۔ جناب رسالتا سب کے صحابہ ایک ماہ یا اس سے کم میں ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید کو جلد بازی سے نہیں بلکہ ترتیل سے پڑھنا چاہیے۔ جب ایسی آیت سے گذرو کہ اس میں جنت کا ذکر ہو۔ تو وہاں رک جلاؤ اور اللہ سے جنت طلب کرو اور جب ایسی آیت سے گذرو۔ کہ اس میں دوزخ کا ذکر ہو۔ تو وہاں

فی الکافی عن محمد بن عبداللہ قال قلت لابی عبداللہ۔ اقرأ القرآن فی لیلة قال لا یجیبنی ان تقرأ فی اقل من شهر و فیہ۔ عن ابی بصیر انہ قال لابی عبداللہ جعلت ذلک اقرأ القرآن فی شہر رمضان فی لیلة فقال لا قال ففی لیلتین؟ قال لا قال ففی ثلث؟ قال ہا و اشار بیدہ ثم قال یا ابا محمد انی للرمضان حقاً و حرماً و لا یشبہہ شیء من الشہور و کان اصحاب محمد یقرأ احدھم القرآن فی شہر او اقل۔ ان القرآن لا یقرأ ہذیمة و لکن یرتل شریفاً و اذا مرتت یا یتہ فیہا ذکر الجنة فقیت عندھا و اسئل اللہ الجنة و اذا مرتت یا یتہ فیہا ذکر النار فقیت عندھا و تعود

بِاللَّهِ مِنَ الشَّارِ -

وفيه عن عبد الله بن سنان قال سألت
ابا عبد الله عن قول الله عز وجل وَرَتَّلِ
الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً قَالَ قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ
وَبَيْنَهُ تَبِينًا وَلَا تَهْدَاهُ هَذَا الشَّعْرُ وَلَا تَنْتَوِ
نِثْرَ الْوَسْلِ وَلَكِنْ فَزِعْنَا قُلُوبَكُمْ الْقَاسِيَةَ
وَلَا يَكُنْ هَقًّا أَحَدَكُمْ أَحْرَ الشُّورَةِ

کرد اور سورہ کے آخر تک پہنچنا ہی ملحوظ نہ ہو۔ بلکہ استفادہ مطلوب ہو۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ رَبِّيَ الْقُرْآنَ يَا صَوَاتِكُمْ
فَإِنَّ الصَّوْتِ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا

شمیر باؤ اور اللہ سے پناہ مانگو۔
نیز کافی میں عبد اللہ بن سنان سے منقول ہے کہ میں نے حضرت
امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ کے فرمان رَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً
کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا
(س) کا سلسلہ ہے) کہ الفاظ کو سہج اور واضح کر کے پڑھو۔ اشعار کی
طرح بہت تیزی سے بھی نہ پڑھو اور بہت آہستہ کر کے، ذرات ریگ
کی طرح منتشر بھی نہ کرو لیکن اپنے سحت دلوں کو اس سے نوزدہ

جناب رسالتا ب نے فرمایا کہ قرآن کو خوبصورت آواز سے مزین کرو
کیونکہ اچھی آواز قرآن مجید کے سن کو زیادہ کرتی ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام قرآن کی ایسی ترتیل سے تلاوت فرماتے تھے کہ دگدر رستہ پر رک جلتے تھے۔
بالجملہ :- ان احادیث کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں اتنی سست رفتاری بھی نہ ہو کہ جس
طرح ریگ صحر کے بھرے ہوئے ذرات جس سے معانی قرآنیہ کے سمجھنے میں دشواری پیدا ہو جائے اور الفاظ و آیات کا
باہمی ربط ٹوٹ جائے اور نہ اس قدر تیزی سے پڑھے کہ کچھ سمجھ نہ آسکے بلکہ ایسے متوسط طریق سے اور ششستہ اور پراخلاص
طریق پر الفاظ کی ادائیگی ہو کہ سحت ترین دلوں کو جکادے۔

نیز چونکہ تلاوت قرآن باطنی طور پر ذات احدیت سے مکالمہ کی حیثیت رکھتی ہے اور نہایت تیز لہائی یا بالکل
الفاظ کو پیا پیا کرنا نا جب عام مصاحبین کی باہمی گفتگو میں ناقابل برداشت غلطی متصور ہوا کرتی ہے تو تاک الکل کے
سامنے اس قدر لا ابا یا نہ مظاہرہ انتہائی گستاخی یا کمال برأت دے باکی بلکہ تفسیر و استشہاد نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ
لسانی جموری یا عام ناظر سے نوان سفرات کی صلاحیتی کمزوریاں قابل عفو ضرور ہوں گی۔ کیونکہ ہر شخص اپنی استعدادی و امکانی
حیثیت سے احکام شریعت کا مکلف ہے۔ لیکن ہر کیفیت بہت تیز پڑھنا تو بے اعتنائی ہی کا مظاہرہ ہے اور عمدی
غلطی ہے۔ بعض لوگ اس کو اپنا کمال قرار دے کر فخریہ ایسا کرتے ہیں رسالہ ایسا کہ حضرات معصومین کی فرمائشات
کے پیش نظر قطعاً قابل تحسین نہیں۔ اسی بنا پر معصوم نے ایک یا دو دن میں قرآن ختم کرنے کی اجازت نہیں دی اور
ماہ مبارک رمضان کی اہمیت کے پیش نظر تیز روز میں ختم کرنے کی اجازت دی اور ساتھ ساتھ صحابہ کرام کی میرت سے
استشاد بھی فرمایا کہ وہ ایک ماہ یا کچھ کم عرصہ میں ختم کیا کرتے تھے تاکہ کوئی شخص اپنے غلط رویہ کو صحابہ رسول کے کردار
کی طرف نسبت دیکر عوام کو دھوکا نہ دے سکے۔

جو روح کو بدن سے ہے۔ بلکہ اس سے بھی مضبوط تر۔ کیونکہ روح اور بدن میں، جدائی ممکن ہے اور حضرت علی اور قرآن میں، جدائی ناممکن ہے خود حضرت رسالتاً کا ارشاد ہے عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ۔ علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے (دوہران دونوں میں سے ایک کا رخ ہوا اور دوسرے کا رخ ہوگا) نیز حدیث ثقلین میں بھی یہ اہم طور پر موجود ہے رَكْنٌ يَفْتَقِحُ قَاسِحِي سِيْرٍ وَالْحَدِيْثُ يَسِيْرٌ (یہ دونوں ہرگز آپس سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ خون کو زہر پر اکٹھے نہیں ہوں گے۔

اگر قرآن کو بدن قرار دیا جائے تو علی اس کی روح ہے اور علی کو بدن قرار دیا جائے تو قرآن اس کی روح ہے قرآن کی ہر آیت میں علی کے فضائل و کمالات کے جملے ہیں اور علی کی ہر گفتار و کردار میں قرآن کی آیات کا پرتو ہے قرآن کی ہر آیت حضرت علی کے خدو خال کی آئینہ دار ہے اور علی کا ہر خدو خال آیات قرآنیہ کا مظہر ہے۔

گویا قرآن کی ہر سورت کی ترجمان علی کی سیرت ہے اور علی کی سیرت کا بیان قرآن کی ہر سورت ہے۔ لہذا علی کی ہر نقل و حرکت ہر قول و فعل آیات قرآنیہ کی نقل و حرکت کے مترادف ہے۔ اور علی کا تعارف و تعقب قرآن کی تعریف و تعقب ہے جس طرح روح کا تعارف بدن کے ذریعے سے اور بدن کا تعارف روح کی وساطت سے ہوتا ہے اور مرد کے تعارف ایک دوسرے کی طرف شرب بھی ہو سکتے ہیں تو باری علی و قرآن کے جملہ حرکات و سکنات لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہذا حضرت علی کی ایک قدم سے دوسرے قدم تک کی حرکت پر سے کلام اللہ کی الحمد للہ والناس انک کی حرکت ہوا کرتی تھی۔ پس علی کا ایک رکاب میں قدم رکھ کر دوسری رکاب تک منتقل ہونا قرآن مجید کا مکمل انقلاب تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ بیان گزشتہ کی تطبیق سے علی کا ہر اشارہ کلام اللہ کا اشارہ تھا اور علی کا ہر سانس قرآن مجید کا پورا دور تھا۔

دوسرا جواب از منقولات۔ وہ وہ ہے جو علامہ امینی نے الذریعہ ۵ میں ذکر کیا ہے۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسالتاً نے فرمایا کہ حضرت داؤد پر قرآن (ذبور) کا پڑھنا آسان تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی سواری پر زین رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ پس زین رکھنے سے پہلے قرآن کو یعنی (ذبور) کو ختم کر لیا کرتے تھے۔

تسلائی نے اس کی شرح میں کہا ہے کہ تنویرے زمانہ میں بعض ادوات برکت داخل ہر جاتی ہے۔ پس اس میں بڑا کام انجام پاسکتا ہے اور کہا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح خدا اپنے بندوں کے لئے زمین کو سمیٹ لیتا ہے۔

اخروج البخاری فی صحیحہ عن ابی ہریرہ
یرفعہ قال صل اللہ علیہ وسلم خفقت علی
داؤد والقُرآنُ فکانَ یأُمُرُ بِدَابَّتِهِ فَتَسْرُجُ
فَیَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ
وقال القسطلانی فی شرحہ وفیہ ان
البرکۃ تقع فی الزمان الیسیر حتی یقع
فیہ السکال الکثیر وقال قد دلّ هذا
الحديث علی ان اللہ یطوی الارضات

لے بخاری ج ۱ باب قوله تعالى واقينا داؤد ذبوراً وج ۲ باب احادیث الانبیاء لے ارشاد اساری شرح صحیح بخاری ج ۸

لَيْتَ يَشَآءُنْ عِبَادَهُ كَمَا يَطْوِي الْمَكَانَ كَهْفٌ
اسی طرح علی زمان بھی کر دیتا ہے۔

باتفاق جمیع اہل اسلام جناب رسالت صحت و آؤد نہیں بلکہ تمام گزشتہ انبیاء سے افضل ہیں اور حضرت امیر المؤمنین نبی آیت مباہلہ نفس رسول ہیں تو ان کیلئے زمین کا پیٹ جانا یا زمانہ کا سمٹ جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

حضرت امیر المؤمنین کی ایک ہزار رکعت نماز پر اعتراض

اس باب میں علامہ عبدالحسین امینی مدظلہ کی عبارت کے اردو ترجمہ پر گفتا کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ بعض مقامات پر حسب ضرورت اصل عبارت کو نقل کر دیا گیا ہے۔ بہر کیف ان کی تمام بیان کردہ تفصیلات کو من و عن نقل کرنے کی بجائے اختصار کے پیش نظر مندرجہ حصہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف نے "الغریہ جلد پنجم میں لکھا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین اور حضرت امام حسین اور ان کے شہزادے حضرت زین العابدین میں سے ہر ایک کے متعلق نقل متعارف سے ثابت ہے۔

کہ وہ ہر شبانہ روز ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور اس پر تمام علمائے اسلام متفق رہے۔ یہاں تک کہ ابن تیمیہ کا دور آیا تو اس نے معصومین کے اس عمل پر اعتراض کیا اور طعن آور ہوا اور اس کے اعتراض کے تین پہلو ہیں۔

۱۔ ہر شخص ایک ہزار رکعت کو ان کے لئے فضیلت قرار دے وہ جاہل ہے اس میں قطعاً کوئی فضیلت نہیں۔ کیونکہ جناب رسالت صحت رات کو تیرہ رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے اور دن کو بھی چند رکعت مخصوصہ سے تجاوز نہیں فرماتے تھے نہ تمام شب صرف عبادت رہتے تھے اور نہ دن کو ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے تو دائمی طور پر ہمیشہ ہر رات کا عبادت میں بسر کرنا کیا فضیلت رکھتا ہے؟ یہ چیز مستحب تو درکنار مکروہ ہے۔ بلکہ خلاف سنت رسول ہے۔

۲۔ دن اور رات میں دیگر واجبات کے ادا کرنے کے علاوہ خورد و نوش کے ضروریات سے فراغت پانے کے بعد ایک ہزار رکعت نماز کا وقت کہاں رہتا ہے؟ بہت تھوڑے وقت میں ایک ہزار رکعت کا سامنا حال ہے۔

۳۔ اگر بالفرض جلد بازی کے ساتھ وقت کے اندر اتنی نماز کو پورا کر بھی لیا جائے تو وہ نماز صرف ٹونگی مارنے کے برابر ہوگی۔ اس میں خشوع و خضوع کہاں ہوگا اور غیر خشوع و خضوع کے کسی عبادت کی کوئی قیمت نہیں۔

انتقام کلام پر کہا۔ البتہ زہد کے ساتھ شب بیداری اور ایک رکعت میں ختم قرآن حضرت عثمان کے متعلق ثابت ہے۔ لہذا ان کا تہجد اور تلاوت قرآن غیروں سے زیادہ ورنہ ہے۔ (منہاج السنۃ لابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۱۹)

علیٰ یعنی زمانے کو بھی سمیٹ لیتا ہے۔

علامہ موصوف نے متعدد جوابات پیش کئے ہیں۔

نماز اچھا موضوع ہے۔ جو جس قدر زیادہ پڑھے گئے پڑھے

۱) الصَّلَاةُ خَيْرٌ مَوْضُوعٍ فَمَنْ اسْتَطَاعَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ أَنْ يَسْكَدَ فَلْيَسْكَدْ

نماز اچھا موضوع ہے جو پاسے تھوڑی پڑھے جو پاسے زیادہ پڑھے۔

۲) الصَّلَاةُ خَيْرٌ مَوْضُوعٍ مَنْ شَاءَ أَقَلَّ وَمَنْ شَاءَ أَكْثَرَ

اسے اتنی نماز شب در روز زیادہ پڑھی کرو۔

۳) يَا اِنْسُ اَكْثِرِ الصَّلَاةَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بہ شخص رات کو زیادہ نماز پڑھے گا دن کو اس کا پہرہ زیادہ خوبصورت ہوگا۔

۴) مَنْ اَكْثَرَ صَلَاتِهِ بِاللَّيْلِ حَسَنٌ وَجُهَةٌ بِالنَّهَارِ

بخاری و مسلم سے صبح میں مشغول ہے کہ حضور رات کو اس قدر

صحیح عن البخاری والنسائی

نماز میں قیام فرماتے تھے کہ قدم مبارک پھول جاتے تھے نیز

۲) فَعَلِ رَسُوْلًا
اِنَّهٗ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ حَتّٰى

بخاری و مسلم و ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ نماز میں اس قدر

تَنْفَطِرَ قَدَمَاهُ وَفِي رَوَايَةٍ لَهَاوَالْتَوْمَذِي اَنْ

قیام فرماتے تھے یا نماز پڑھتے تھے کہ قدم دپڑیاں اور مزہ

كَانَ النَّبِيُّ لِيَقُوْمَ اَوْ لِيُصَلِّيَ حَتّٰى تَرَوْنَ قَدَمَاهُ

ہو جایا کرتی تھیں۔

اَوْ سَاكَاةً

اہل سنت کے امام اعظم کے متعلق شیخ عبدالحی حنفی نے کتاب افانہ الحجۃ ص ۱ پر لکھا ہے۔

فعل اکابر اہل سنت

کہ وہ ہر رات میں تین سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ پس ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے کہ رات

میں سنا ایک عورت دوسری سے کہہ رہی تھی کہ یہ شخص ہر رات پانچ سو رکعت نماز پڑھا کرتا ہے۔ امام صاحب نے سن لیا اور اس

کے بعد ہر رات پانچ سو رکعت کا پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر ایک دفعہ لڑکوں سے ایک دوسرے کو کہتے سنا کہ یہ شخص ہر رات

ایک ہزار رکعت پڑھتا ہے اور سوتا نہیں پس اس کے بعد انہوں نے ایک ہزار رکعت کا پڑھنا شروع کر دیا اور راتوں کو سونا چھوڑ دیا۔

اسی طرح روضہ الاخبار ص ۱۰۰ میں رابعہ (بصری) کا ہر شب ایک ہزار رکعت پڑھنا مذکور ہے۔

روضۃ الناظرین ص ۱۰۰ میں حسن بصری کے متعلق ہے کہ وہ پالیس برس برابر صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے رہے۔

مناقب ابو حنیفہ للزازمی ص ۲۳۲ میں ابو حنیفہ کا پالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا مذکور ہے۔

۴۔ معنی سنت۔ مستدرک حاکم میں جناب رسالت کا فرمان موجود ہے۔

علیکم بسنتی وسنة الخفاء الراشدین۔ تمہارے اور میری اور میرے خلفاء کی سنت پر چلنا ضروری ہے۔

تیر ماہ رمضان مبارک میں تراویح کی سنت عمر نے جاری کی۔ ۱۰۰ میں اس سے پہلے ابو بکر اور جناب رسالت کے زمانہ

میں نہیں تھیں) خلاصۃ الکلام۔ علامہ امینی نے پہلے اعتراض کا جواب پہلے قول رسول سے دیا کہ حضور کا فرمان بڑی لہجہ تراویح

منقول ہے کہ فرمایا کرتے تھے۔ نماز اچھا موضوع ہے۔ جو جس قدر پاسے پڑھے سکتا ہے۔

۱۔ علیہ السلام نے کشف النجاة ص ۲۰۰ کے مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۱۰۰ کے مستدرک کی کتب صحاح میں یہ چیز مسلم ہے۔ سیوطی نے اسے اولیٰ عمر میں لکھا ہے ۱۰۰

پھر خود حضور کا عمل پیش کیا کہ وہ بنفس نفیس ہر شب میں اس قدر مصروف نماز رہتے تھے کہ پاؤں مبارک پر دم آجایا کرتے تھے اس کے بعد اکابر اہل سنت مثلاً ابوحنیفہ وغیرہ کی لمبی لمبی نمازوں کو پیش کیا اور ان بزرگوں کا ایک لمبی فہرست قائم کر دی میں نے اختصار کے پیش نظر ترک کر دی ہے (ان کے عمل کو کسی نے خلاف سنت قرار نہیں دیا۔

آخر میں سنت کے معنی کی وضاحت کر دی کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی سنت ہے تو حضرت علیؑ کا فعل کیوں خلاف سنت قرار پایا؟

اقول: عام دستور ہے کہ جس سے رشتہ محبت قائم ہو جاتا ہے اس کا ہر قول و فعل محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے چنانچہ مشہور متوالہ ہے **حُبُّ الشَّيْخِ يُبَيِّحُ وَيُضَيِّقُ** (کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا دہرہ کر دیتی ہے) اور جس سے نفرت یا عداوت ہو اس کا ہر قول و فعل بھی نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے محبت کی صورت میں محبوب کے صفات و صریح طور پر غلط افعال تادیل کے قابل قرار دیئے جلتے ہیں اور ان کو بہر کیفیت اچھائی پر ہی ممول کیا جاتا ہے اور نفرت کی صورت میں جس سے نفرت ہو اس کے اچھے کردار میں برج و قدح کے راستے تلاش کر کے ہر ممکن طریق سے اسے برنامہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حضرت امیر المومنین اور ان کی اولاد طاہرین کے ساتھ دشمنان اہلبیت کا بعینہ یہی رویہ ابتداء سے آج تک چلا آیا ہے مقام زیر بحث میں نہ حضرت رسالتؐ کے ارشاد شہ عالیہ کی پرہیزگاری اور نہ آنحضرتؐ کا ذاتی کردار پیش نظر ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ حضرت علیؑ کی یہ منہبت کسی طریق پر بدعت کے رنگ میں پیش ہوا کہ ان کی نصیحت کا ڈنکا بوجہ داگ عالم میں بج رہا ہے کسی طرح دم نہ چٹائے لیکن فالوئس بن کے جس کی حفاظت ہمارے وہ شیخ کیوں نہجے جسے روشن خلا کرے

حیرت یہ کہ صرف حضرت علیؑ کی تنقیص شان کے لئے جناب رسالتؐ کی عبادت شب کو صرف تیرہ رکعت میں مختصر کیا حالانکہ کتب صحاح میں ان کا بکثرت عبادت کرنا موجود ہے حتیٰ کہ قدم مبارک درم کر جاتے تھے اور خداوند کریم کی طرف سے بھی عبادت کے کم کرنے کا حکم آگیا۔ ارشاد ہوا کہ رات کو قیام تمویزا کرو اور میں نے قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ اور پھر اپنے اکابر کے متعلق جو کچھ کوئی نقل کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور یہ صرف اس لئے کہ دو لپٹے ہیں اور ان سے رشتہ محبت قائم ہے پس نہ ان کا فعل خلاف سنت اور بدعت ہے نہ محال ہے اور نہ منافی مشروع و مضموع ہے بخلاف اس کے اہل محمدؐ کی عبادت بدعت بھی ہے محال بھی اور منافی مضموع بھی۔ اگر وہ فرق پر غور کیا جائے تو صرف یہی ہے کہ چونکہ ان سے محبت ہے لہذا ان کا کوئی فعل قابلِ برج نہیں اور ان سے چونکہ عداوت ہے لہذا ان کا ہر عمل و فعل قابلِ برج ہے علاوہ ازیں اہلسنت کے نزدیک تمام صحابہ کا قول و فعل سنت کی حیثیت رکھتا ہے۔ خصوصاً خلفائے راشدین کا قول و فعل یہی وجہ ہے کہ اپنے اپنے مقام پر تمام صحابہ کا کردار بطور جہت کے پیش ہوا کرتا ہے لیکن حضرت علیؑ کے فعل کو بدعت کہتے ہوئے نہ ان کی صحابیت کا لحاظ ہے اور نہ خلاف کا خیال ہے یہ عداوت نہیں تو کیا ہے؟ ابن تیمیہ کے اعتراض کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ ایک ہزار رکعت

شب دروز میں ناممکن ہے اس کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ عدم امکان کا دعوئے صرف طبیعت کی سستی اور عبادت کی طوف عظیم رغبت، کی وجہ سے ہے کیونکہ بہرے نے عمر بھر عبادت سے دلچسپی نہ لی تیرہ عاقلین کے عمل اور عابدین کی عبادت سے دور تک کا واسطہ بھی نہ ہو وہ ایسی باتوں کو سن کر ناممکن کہہ دیتا ہے لیکن جس نے اطاعتِ نڈا کی شیرینی کا ذائقہ چکھ لیا ہو اور عبادت کی لذات سے بہرہ اندوز ہو چکا ہو۔ اس کے لئے یہ باتیں عام عادی معلوم ہوتی ہیں۔ زبان کی طبیعت پر بوجہ پڑتا ہے اور نہ انہیں مشکلی محسوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد علامہ امینی نے اکابر اہلسنت کے ادراد و وظائف کا شمار کرتے ہوئے ایک طویل فہرست قائم کر دی جنہیں سے ایک ایک کے مستعین و وظیفہ و درو کا اگر جائزہ لیا جائے تو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد و اہل عمار کی ایک ہزار رکعت کے اندازہ سے کہیں زیادہ پڑتا ہے اور بایں ہمہ ان کے اس فعل کو نہ کسی نے بدعت کہا اور نہ محال اور نہ سنانی مشغول۔ مثلاً ابوحنیفہ کے متعلق مناقب خوارزمی سے نقل کیا کہ وہ جب نماز جمعہ کے لئے آتے تو قبل از نماز جمعہ بیس رکعت نماز پڑھتے تھے جن میں ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ حلیۃ الاما دیار حج سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رات کی نماز میں ایک رکعت کے اندر قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

مناقب ابوحنیفہ القاری سے نقل کیا ہے کہ تیس سال متواتر ہر رات انہوں نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا۔ ان سے بھی بہت بلند پروازیاں کی گئیں ہیں حتیٰ کہ بعض کے متعلق لکھا ہے کہ ایک طواف بیت اللہ یا اس کے صبی ایک ہی چکر میں پورا قرآن ختم کیا کرتے تھے اور بعض کے متعلق شب و روز میں ستر ہزار ختم قرآن کرنا ذکر کیا گیا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ان خرافات کے نقل کرنے والے ان کو فیض ربانی اور عنایتِ رحمانی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن ان ٹمڈ کے لئے ان توجیہات کا دروازہ بالکل بند ہے۔ علامہ موصوف نے حضرت علیؑ کی نماز کا ان کے وظائف سے یوں موازنہ کیا ہے فرماتے ہیں کہ ایک ہزار رکعت نماز کے کل کلمات تو اسی ہزار بنتے ہیں کیونکہ پہلی رکعت میں بطریق نماز شیعہ تکبیرۃ الاحرام سے لے کر آخری سجدہ تک انتہر کلمات ہیں تو ہزار رکعت میں انتہر ہزار ہوتے لیکن ہر دوسری رکعت تکبیرۃ الاحرام سے خالی ہوا کرتی ہے۔ لہذا ایک ہزار کلمہ کم ہو گیا تو اضافہ ہزار کلمات ہو گئے اور ہر دوسری رکعت میں تیس کلمات تشہد و سلام کے بلانے سے پندرہ ہزار کلمات کا اضافہ ہو گیا تو کل تراسی ہزار کلمات ہو گئے۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کے کلمات کی تعداد ستر ہزار نو سو تراسی ہے۔ لہذا ایک ہزار رکعت کے کل کلمات سے پانچ ہزار ستادون زیادہ ہوتے۔ اندازہ فرمائیے جن سے محبت ہے ان کی ایک رکعت میں جو بعض حصہ شب یا روز میں ادا ہو۔ دیگر اذکار واجبہ و مستحبہ کے علاوہ ۶۹۴۳ کلمات کی گنجائش ہے اور یہ نہ محال ہے نہ خلاف سنت رسولؐ ہے اور نہ سنانی مشغول و مضموع ہے۔ اور جن سے علاوت ہے ان کے لئے دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں ۸۳۰۰۰ کلمات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس سے زیادہ کج بھٹی اور بے راہ روی اور کیا ہو سکتی ہے؟ پھر عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے کہتے ہیں کہ ہمیں اہلسنت سے بڑی محبت ہے (وَاللّٰهُ مُخَيِّرُ الْعَاكِفِيْنَ) نیز ابن تیمیہ نے انتقامِ کلام پر جو حضرت عثمانؓ کا نماز تہجد کی ایک رکعت میں ختم قرآن کا دعویٰ کیا ہے اسے علیؑ کی دشمنی نے، سوچنے ہی نہیں دیا کہ ہر تین اعتراضات حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کی عبادت پر وارد کئے تھے

وہی یہاں پر بھی وارد ہیں کیونکہ یہ عمل نہ تو سنتِ رسولؐ ہے کیونکہ انہوں نے کبھی ایک رکعت میں ختم قرآن نہیں کیا تھا اور نہ ممکن ہے کیونکہ یہ رکعت یا تو مغرب و عشاء کے درمیان ہوگی اور یا عشاء اور صبح کے درمیان ہوگی۔ ہر دو صورتیں نطابق وقت سے عمل زیادہ ہے اور بغرض وقوع بحالت تیز رفتاری شروع و ختم ہوگا۔ لہذا پڑھنا بے فائدہ علاوہ ازیں غزالی اور غزالی نے عثمان کا شمار ان صحابہ سے کیا ہے جو ہفتہ میں قرآن ختم کیا کرتے تھے نیز بروایت محمد بن عبد اللہ بن عمر جناب رسالتؐ نے ایک ہفتہ سے زیادہ جلدی قرآن ختم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ انتہی ما افادہ

قرآن مجید کی سات قرائتیں

اکثر علماء کے نزدیک ناری قرآن سات تھے اور ان میں سے ہر ایک کی قرأت بھی جدا جدا ہے اور وہ یہ ہیں ابو عمر دکنائی، حمزہ ابن عامر نافع ابن کثیر اور عامر۔ بعض علماء نے ابو یعقوب ابو جعفر طبری اور ابی بن کعب کا اضافہ کر کے کل قاریوں کی تعداد دس بتلائی ہے۔ ان کی ساتوں قرائتوں کے متعلق بعض علمائے اعلام فرماتے ہیں کہ یہ قرائتیں حضرت رسالتؐ سے بالاتر منقول ہیں چنانچہ علمائے معتقین میں سے شہید ثانی^۲ اور محقق ثانی اور دیگر بعض اکابر امامیہ کی طرف سے قول منسوب ہے اور اکثر علمائے امامیہ تو اتر قرأت کے انکار ہی ہیں۔ چنانچہ شیخ طوسی ابن طاووس محدث بصرانی اور سعید نعمت اللہ جزائری وغیرہ کی طرف سے قول منسوب ہے اور اولم عقلیہ و نقلیہ دوسرے قول کی موید ہیں۔ پہلے قول کے لئے متعدد دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔

- ۱۔ دعویٰ اجماع (تمام امت کا اتفاق ہے) کہ قرائتیں سات ہیں۔
- ۲۔ عادت مقتضی ہے کہ یہ قرائتیں صحیح طور پر منقول ہوئی ہوں کیونکہ قرآن مجید کے حفظ اور ضبط کے متعلق ابتداء اسلام سے آج تک جو اہتمام رہا ہے اگر یہ قرائتیں ابتداء ثابت نہ ہوتیں تو بعد میں ان کے پیدا ہونے کا تو امکان ہی نہیں کیونکہ اگر اجہری ایجاد ہوتی تو پہلے ہی سے تردید کر دی گئی ہوتی اور ان کے خلاف ایک بڑا ہنگامہ اٹھتا ہوتا۔
- ۳۔ حدیث میں ہے اِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرَفٍ كُلِّهَا شَافٍ كَاوِنٍ یعنی قرآن سات حرفوں پر اترا ہے جن میں سے ہر ایک کافی دشانی ہے اور حرف سے مراد قرأت ہے۔
- ۴۔ بروایت خصال رسالتؐ سے مروی ہے کہ اِنَّا فِیْ اَیْتٍ مِّنْ اَللّٰهِ فَقَالَ اِنَّ اَللّٰهَ یَاْمُرُکَ اَنْ تَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلٰی

۱۔ ایضاً العلوم علیٰ خزینۃ الاسرار علیٰ صیح بخاری و مسلم لکھے جامع قرآن اور جمع قرآن میں اختلاف کی بحثوں میں تفصیلاً ثابت ہوگا کہ حضرت عثمان حافظ قرآن نہایت پر حیب وہ حافظ ہی نہیں تھے تو ایک رکعت میں ختم قرآن کا دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے؟ موات

حَدَّثَنَا وَاحِدٌ فَقُلْتُ يَا رَبِّ وَسِعَ عَلَيَّ امْتِنَانُ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ يَا مُؤْمِنُكَ أَنَّ الْقُرْآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ
ترجمہ میری طرف خدا کی جانب سے آنے والا۔ دیکھ آیا اور کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ قرآن کو ایک حرف (قرأت) سے پڑھو
میں نے عرض کی اے اللہ میری امانت پر تو وسیع کر تو دیکھ نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ قرآن کی سات قراءتیں ہیں۔

ان کے علاوہ اور دہلیں بھی ذکر کی گئیں لیکن سب سے مضبوط اور حکم میں ہیں۔ یہ سب دہلیں قابل رو ہیں اور ان کے
جوابات یہ ہیں۔ پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ دعویٰ اجماع ناقابل تسلیم ہے کیونکہ اگر اجماع ہوتا تو علمائے محققین کی ایک بڑی جماعت
مخالفت نہ ہوتی۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ سب قراءتیں تو اتر سے منقول ہوتیں تو ہر قاری دوسرے کی قراءت کی تردید نہ کرتا
حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور ہر قاری اپنی مخصوص قراءت کے ماسوا دوسری قراءتوں کو غلط قرار دیتا ہے معلوم ہوا کہ یہ اختلاف
قاریوں کی ذاتی رائے کے اختلاف کی وجہ سے ہی ہے۔ تیسری اور چوتھی دلیل کے کئی جوابات دیئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ سند کے اعتبار سے ان دونوں حدیثوں کی صحت ثابت نہیں۔
۲۔ اگر تسلیم کر لی جائیں تو حرف سے مراد قراءت نہیں بلکہ لغت ہے یعنی قرآن عرب کی سات لغتوں میں اترتا ہے اور ابن
اثیر سے بھی یہی منقول ہے۔

۳۔ ممکن ہے حرف سے مراد قسم ہو۔ چنانچہ حضرت علی سے مروی ہے کہ قرآن سات قسموں پر اترتا ہے جن میں سے ہر ایک
کافی اور شافی ہے اور وہ سات یہ ہیں۔ امرئہ۔ زجر۔ ترغیب۔ ترہیب۔ مثل۔ قصص۔

۴۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سات حرفوں سے سات لہجوں مراد ہوں جیسا کہ روایات کثیرہ میں وارد ہے۔

ان جوابات کے علاوہ حضرات معصومین کی طرف سے سات قراءتوں کی صریح الفاظ میں نفی موجود ہے چنانچہ کافی میں ہے۔

عن الفضیل بن یسار قال قلت لابی عبد اللہ
إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ إِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلَى سَبْعَةِ
أَحْرُفٍ فَقَالَ كَذَبُوا أَخْبَدُوا اللَّهُ لَكِنَّهُ نَزَلَ عَلَى
حَرْفٍ وَاحِدٍ وَمِنْ عِنْدِ الْوَاحِدِ

فضیل بن یسار سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق
سے دریافت کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن سات قراءتوں پر اترتا ہے۔
آپ نے فرمایا دشمنانِ خدا جھوٹے ہیں بلکہ وہ تو ایک کی طرف سے
اترے۔ اور ایک ہی قراءت پر اترتا ہے۔

وفیہ عن زرارة عن ابی جعفر قال إِنَّ
الْقُرْآنَ وَاحِدٌ نَزَلَ مِنْ عِنْدِ الْوَاحِدِ وَكَانَتْ
الْاِخْتِلَافَاتُ بَعْضُهَا مِنْ قَبْلِ التَّرْوَاةِ

نیز روایت زرارہ امام محمد باقر سے منقول ہے آپ نے فرمایا تحقیق قرآن
ایک ہے ایک کی طرف سے اترتا ہے لیکن اختلاف راویوں کی طرف
سے پیدا ہو جاتا ہے۔

ان دونوں روایتوں میں سے پہلی حسن اور دوسری صحیح ہے۔ لہذا ان کو پہلی حدیثوں پر سند بھی ترجیح حاصل ہے اور توجیہات
و قرآن بھی اس کی تائید کرتے ہیں پس یہی قول زیادہ قوی اور مضبوط ہے۔

اگرچہ اس سے منقول ہے کہ ان قراءت مختلفہ میں سے ہر قراءت کے مطابق پڑھنا جائز ہے لیکن امتیاط اس میں ہے کہ عربی زبان کے

مسئلہ قواعد کے خلاف اگر کوئی قول ہو تو اس سے اجتناب کیا جائے اور نماز میں بھی اسی بات کو ملحوظ رکھتے۔ اسی طرح اہلہ ادغام و اشمام اور وقف وغیرہ میں بھی متابعت ضروری نہیں بلکہ صرف قواعد عمریہ کی رعایت کافی ہے۔ البتہ سازش و قاریوں کے اقوال سے جہاں قول پیدا کرنا بھی گو قواعد کے موافق ہو خلاف احتیاط ہے۔ لہذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

اعجازِ قرآن

قبل اس کے کہ قرآن مجید کا معجزہ ہونا ثابت کیا جائے۔ معجزہ کی حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے اور اس کے سمجھنے کیلئے محال کی اقسام میں فرق معلوم کرنا لازمی ہے محال کی چار قسمیں ہیں۔ محال ذاتی، محال عقلی، محال شرعی اور محال عادی۔ محال ذاتی وہ ہے جس کی ذات عدم کی مقتضی ہو جیسے شریک باری عز اسمہ (خدا کا شریک) محال عقلی وہ ہے جس کے وجود سے اس کا عدم لازم آئے۔ مثلاً اجتماع ضدین یا دور و تسلسل وغیرہ محال شرعی کسی شے کا ایک شرعی خصوصیت سے الگ ہو کر بغیر تصرف شارح کے دوسری شرعی خصوصیت کا حامل ہو جانا۔ مثلاً آب مضاف کلمہ ہوتے ہوئے مطہر ہونا۔

محال عادی۔ اشیا پر موقوفہ کا عام عادی دستور کو ترک کر کے ایک غیر متوقع شکل یا حالت میں منتقل ہونا۔ محال ذاتی اور محال عقلی قطعاً وقوع پذیر نہیں ہو سکتے بلکہ وہ سبب مقدریت سے باہر ہیں اور جو چیز مقدریت کے دائرہ سے خارج ہو اس سے معجزہ و کرامت کا تعلق نہیں ہو سکتا اور محال شرعی شارح مقدر کے تصرفات سے ممکن بن جاتا ہے لیکن اس کو نسخ کہا جاتا ہے پس معجزہ کا تعلق آخری قسم سے ہے یعنی ایک ممکن ذاتی کا جو عادتاً محال ہو غیر عادی صورتیں بلکہ خدا کسی نبی و رسول یا ادلی الامر کی دعا یا برکت سے ظہور پذیر ہونا معجزہ کہلاتا ہے اور معجزہ کے وقوع کی کئی صورتیں ہیں۔

- ۱۔ بغیر اسباب ظاہرہ اور بغیر مادہ معبودہ کے کسی چیز کا معرض وجود میں آنا۔ جیسے ناقہ مسضرت صلح کا پہاڑ سے پیدا ہونا۔
- ۲۔ مادہ ظاہرہ سے باعتبار اسباب ظاہرہ کے استعداد حیات ختم ہونے کے بعد دوبارہ استعداد کا آجانا جیسے ایلے مرقی موجودات عالم میں سے کسی موجود کے فعلی مزاج کو دوسرے موجود کے فعلی مزاج سے بدل دینا مثلاً مزاج جماد کو مزاج حیوان سے بدلنا۔ جیسے عصا سے سانپ یا مزاج حیوان کو مزاج جماد سے بدل دینا جیسے نگاہ غضب سے کسی کافر کے اعضا کو کسی لکڑی کی طرح خشک کر دینا یا مزاج جماد سے مزاج نبات بدلنا جیسے عصا کا درخت بن کر ثمر آور ہونا اور پھر اپنی حالت سابقہ پر چھوڑ کر آنا یا ایک نوح جماد کو دوسری نوح سے بدلنا جیسے سنگ زرد کو بھرا ہوا بن جانا یا جوہر کا ٹھیکہ بن جانا۔
- ۳۔ موجودات عالم میں سے کسی شے سے تدریجیہ منازل طے کئے بغیر پہلی منزلوں میں انگری مراتب کے اثرات کا ظاہر ہونا جیسے

- پہنچنے میں حضرت عیسیٰ کا کلام کرنا یا لوہے کا حضرت داؤد کے لئے نرم ہونا۔
- ۵۔ کسی موجود کے نظام فعلی کو خلاف توقع تبدیل کرنا۔ جیسے شوق القمر۔ رؤا الشمس اور نزول الغیم
- ۶۔ کسی موجود کے مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے بافوق موجود کے آثار کا ظاہر ہونا جیسے بساط سلیمانی کا پرداز۔
- ۷۔ شیئی کی موجودہ استعداد میں تغیر واقع کئے بغیر غیر العقول انداز میں اس کے اجزا کو ترتیب دینا جیسے آیات کلام اللہ
- ۸۔ موجودہ استعداد و قوت کے ماتحت کسی انسان سے بافوق العادۃ آثار غریبہ کا ظہور جیسے اخبار گذشتہ و آئندہ بلا تعلیم و تعلم اور بغیر حسابات متعینہ کے۔
- ۹۔ مدارج ارتقاء میں بغیر تدریج کے ادنیٰ سے اعلیٰ تک پہنچنا یا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف پلٹنا جیسے بچے کا جوان یا بوڑھا ہونا یا جوان و بوڑھے کا بچہ ہونا یا بوڑھے کا جوان ہونا۔
- ۱۰۔ صنفی تبدیلی جیسے مرد کا عورت، یا عورت کا مرد کر دینا یا پھر ان کا اپنی اپنی حالت پر پلٹ جانا۔
- غرضیکہ موجودہ عادی رفتار کا بغیر اسباب ظاہریہ کے اس طرح غیر العقول طور پر انقلاب پذیر ہونا کہ اس کی تہ تک رب العزوجل انسانیہ اور افکار بشریہ کے بس سے باہر ہو
- اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے امور یعنی بوجہ صورت معجزہ منظر نامہ پر آتے ہیں اگرچہ ظاہر خلاف توقع اور بغیر علل و اسباب ظاہریہ کے صادر پذیر ہوتے ہیں۔ آیا واقع میں بھی علل و اسباب سے بے نیاز اور خلاف توقع ہوتے ہیں یا ان کے لئے واقع میں اسباب ہوا کرتے ہیں لیکن ہمیں علم نہیں ہوتا۔ لہذا ان کو خلاف توقع کہہ دیتے ہیں؟
- اب اس بات میں الجھنا اور اس کی گہرائیوں میں جانے کی کوشش کرنا ہمارے لئے یقیناً نتیجہ خیز نہ ہوگا کیونکہ ہماری بشری صلاحیتیں جب ماوراء البشریت کا ادراک نہیں کر سکتیں تو اس کے متعلق کوئی اٹل نظریہ قائم کرنا صاف و صریح 'اندیشی' ہے اور ایسا، جیسے منقولات کو نہ سمجھ سکنے والے کا دخل در معقولات مثال کے طور پر ایک کسین بچہ جب اس کا ذہن ابتداء میں کسی حد تک ظاہری دنیا سے تعلق قائم کر چکا ہے اب اس کے سامنے پیپے پیلے، اور باپ کی زبان کی الفاظ اہم ترین مرحلہ ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں ان سے کچھ کہوں وہ اپنی زبان کو حرکت بھی دیتا ہے لیکن لفظ نہیں بنا سکتا اسی طرح کمان سے الفاظ کو سنتا ہے لیکن ان کی تعین و تمیز اور حفظ و ضبط سے اس کا ذہن و شعور کو آہ ہوتا ہے پس وہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا احساس کرتے ہوئے ان باپ کا منہ تکیے لگاتا ہے اور وہ اپنے اندر طاقت گویائی کو ایک محال عقلی اور قطعاً ناشدنی امر قرار دیتے ہوئے اپنے والدین کے تکلم سے متاثر ہو کر محو حیرت ہوتا ہے اور ان کو بولتا دیکھ کر استعجاب سے ہنس پڑتا ہے اس کے ان باپ کے بس میں نہیں کہ بچے کو حیرت و استعجاب کے موجودہ معنوں سے نکال لیں وہ اس مرحلہ میں اس کو ہزار سکھائیں اور تکلم کے واقعی اسباب و ذرائع کی طرف لاکھ توجہ دلائیں سب فضول اور بے نائدہ ہوگا کیونکہ اس میں متوجہ ہونے اور سمجھ سکنے کی اہلیت ہی نہیں۔ وہ بہر کیف ان باپ کے تکلم بلکہ ہر اس سے نہ ہو سکنے والی بات کا ان باپ سے صادر ہونے کو اپنے اندر معجزہ اور

نظام اور غیر متوازن امر قرار دیتا ہے۔ اسی طرح ہمارے اذہان گو کہتے ہی کامل ہوں انبیاء کے اذہان و افکار کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے کم بسنہ بچہ کا داغ ہمارے مقابلہ میں جس طرح بچہ اپنے احوال کی عادی رفتار کے ماتحت اپنے سے افریقہ کا ہرکات کو غیر ممکن اور ناشدنی امر قرار دیتا ہے۔ اور ان کے اسباب و علل واقعہ سے نہ مطلع ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اسی طرح ہم بچہ اپنے احوال کے اعتبار سے ناشدنی و غیر ممکن امور کے اسباب و اقدار سے نہ مطلع ہیں اور نہ مطلع ہو سکتے ہیں کیونکہ اذہان میں صلاحیت ہی نہیں اسی طرح ذات واجب الوجود کے علم فیض اور قدرت کا ملکہ کے مقابلہ میں انبیاء کے علوم و اقدار کو سمندر و قطرہ یا شمس و ذرہ کی نسبت ہے۔ بلکہ اس کی ذات و صفات سے مخلوقات کو کوئی نسبت ہی نہیں۔

پس ممکن ہے کہ ان کے علل و اسباب ہوں اور انبیاء جانتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ صرف اللہ کے علم تک ہی محدود ہوں اور چونکہ خداوند کریم نہ ایجاد کائنات میں محتاج تھا نہ بقائے کائنات میں محتاج ہے لہذا ممکن ہے کہ بغیر علل و اسباب اس قسم کے امور کو ظاہر کرے کیونکہ ممکن کو اسباب کی احتیاج ہوا کرتی ہے واجب کو اسباب کی قطعاً کوئی احتیاج ہی نہیں۔

بائبل ہم ہزاروں جگہ لاکھوں کوششیں کریں کہ انبیاء و اوصیاء کے ہاتھوں صادر شدہ معجزات کے اسباب و اقدار معلوم کر لیں ناممکن ہے اس مقام تک معجزہ کے معنی کی وضاحت بہت کچھ ہو چکی اب اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ انبیاء کی بعثت سے غرض یہ ہے کہ وہ عبد و معبود کے درمیان عہدہ سفارت کے فرائض انجام

دیں اور خالق کائنات نے اپنے کمالی لطف و کرم سے ہر انسان کو عمومی دعوت بھی دے دی کہ اے میرے بندے میری اطاعت کرتا کہ تجھے وہ قدرت عطا کروں کہ تیرا ارادہ کائنات میں نفوذ کرے یا بعض اسرار فطرت اور اسباب حقیقت کی تیرے سامنے نقاب کشائی کر دوں تاکہ تیرے انسانی ظاہری دنیا میں اعجازی بنییت کے حامل ہوں جس طرح عام سردار اپنے خاص و نادار

اور اطاعت شعار غلاموں کو بعض ایسے خصوصی اسرار و رموز پر اطلاع دے دیتے ہیں جو کسی اور کے سامنے بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور اس قسم کے غلاموں کو محرم راز کہا جاتا ہے اور سردار اس کو محرم راز بنا کر بعض اوقات انہیں اپنے خصوصی اختیار بھی دے دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اطاعت شعار انسان کے لئے ذات احدیت بعض رموز حقیقت منکشف فرمادیتی ہے۔

اور بعض امور میں تصرف کا حق بھی عطا کر دیتی ہے جن کی بدولت ان سے خارق عادت افعال کا صدور ہوا کرتا ہے۔ چونکہ مادہ و طبیعت کی پرستار ذہنیتیں ہمیشہ پیغام توحید سے برسر پیکار رہی ہیں۔ وہ ہر شے کو اسباب و علل ظاہریہ کی مخلوق سمجھتی ہیں۔ لہذا اعیان توحید کے لئے زور دیتی تھیں کہ ان آفت زدہ اذہان کو خالق کائنات کی طرف اس طرح بلائیں کہ علل و اسباب کے متلاشی مادہ طبیعت کی قید بندہ سے آزاد ہو کر ذات واجب الوجود کی معرفت کا درس حاصل کر سکیں جو نہ خلق اشیاء

میں مادہ کا متلاش ہے اور نہ نظام اکمل کائنات میں طبیعت کا ممنون احسان ہے

ممکن ہے مادہ پرستوں کی جانب سے انبیاء پر یہ سوال کیا جاتا کہ مادہ کے بغیر کس طرح کوئی شے منصفہ شہود پر آ سکتی ہے یا طبیعت کے سوا کیسے نظام عالم برقرار رہ سکتا ہے؟ تو ان کے سوالات کو عملی طور پر سمجھانے سمجھانے کیلئے۔

انبیاء کو ایسی قوت کا دینا ضروری تھا۔ جس کے استعمال سے ہر دور کا مہذب گروہ اور ترقی یافتہ طبقہ برابری وجود ذات احدیت کو سن کر ان کے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کر سکے۔ اسی بناء پر جس دور میں ترقی یافتہ طبقہ کے نزدیک کوئی فعل اسباب و علل ظاہر ہر کے ماتحت انتہائی عروج کے منازل پر پہنچا ہوا تھا کہ اس دور کے اعلیٰ مفکرین و اہل تہذیب و فنون کے نزدیک اس سے بلند قدم رکھنا ایک مافوق العادۃ امر تھا جس سے علل و اسباب کی دنیا آکاشتا تھی تو اس دور میں فرائض تبلیغ انجام دینے کے لئے جس نبی کو مبعوث فرمایا اسے وقتی مصلحت کے لحاظ سے وہ قوت عطا کی یا ایسے اسرار فطرت پر اطلاع دی جس کے استعمال سے مفکرین کی گردنیں جھک گئیں اور انہیں پار و اچار تسلیم کرنا پڑا کہ ہمارے قوی و افکار سے ایک بالادست ایسی طاقت موجود ہے جو خلق میں مادہ سے اور نظام میں طبیعت سے بے نیاز ہے چنانچہ عنائے موسیٰ بن داؤد دم علیہ السلام علیٰ نبیاد علیم السلام اسی سلسلہ کی اہم گزریاں تھیں

جناب رسالت کے زمانہ بعثت میں چونکہ فصاحت و بلاغت کا چرچہ اس حد تک تھا کہ عرب لوگوں کی نگاہوں میں جامع ممالک غیر عربیہ گنگ کی حیثیت سے تھے اسی بناء پر غیر عربوں کو عجم کی لفظ سے تعبیر کیا کرتے تھے کیونکہ عجم کا معنی میری ہوتا ہے اور تاریخ بتاتی ہے کہ اس زمانہ میں اقوام عالم کے مقابلہ میں عرب قوم شجاعت، سیاست، سیاست اور تجارت کے اعتبارات سے مہذب ترین قوم شمار ہوتی تھی۔ لہذا اس دور کے مہذب اور متہذبن طبقہ کو پیغام خدا پہنچانے کے لئے ایک ایسے مافوق العادۃ کلام کی ضرورت تھی جو فصحاء و بلغاریہ کی گردنیں جھکا دے۔ شیخ کہ وہ اس کلام کے مقابلہ میں گنگ نظر آئیں۔ پس اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے بناب رسالت کو قرآن مجید عطا ہوا تاکہ دستور بعثت کے ماتحت موجودہ دور کے اعلیٰ مفکرین کو مقصد تبلیغ کے تسلیم کرانے میں زیادہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہو۔ لہذا یہ کلام بصورت معجزہ نازل ہوا اور قیامت تک تمام آئندہ طبقات کے لئے اس کا بعد نسل زد قرار دیا گیا اور اس میں متعدد خارق العادۃ اعجازی پہلو سمودھے گئے۔

۱۔ الفاظ و معانی کے نظم و نسق اور مقتضائے حال و مقام کی مطابقت کے اعتبار سے وہ کمال کہ باوجود بیابانگ و دل اعلائیہ چیلنج اور تحدی کے کسی کو مقابلہ کی جرأت نہ ہو سکی اور ایک چھوٹے سے چھوٹے سورہ کوثر کو پڑھ کر (مَا هَذَا كَلَامُ الْبَشَرِ) کے اعتراض پر مجبور ہو گئے۔

۲۔ تدقیق مطالب اور اسرار و رموز و معارف کے وہ خزانہ رائے بیش قیمت اسمیں تفریض کر دیئے کہ تا قیام قیامت تعاقب و مفکرین عالم کی انتہائی تک و دو اور غیر معمولی بدرجہہ ہی انہیں اپید نہ کر سکے بلکہ ہر مندرجہ اپنی آخری کوشش کے بعد اس کے دقائق کے استقصاء سے اظہار عجز پر مجبور ہو اور روایات میں ہے کہ قرآن کا غامض بھی ہے اور اطن بھی اور پھر اطن کا اطن مینا تک کہ سات بواطن تک اور وہ سوائے حضرت علی اور ان کی اولاد امجاد کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

۳۔ سلاست کلام اور روانی کے علاوہ مرغوبیت اور صلاحیت کا وہ عالم کہ کبھی عارف طبیعتیں تلاوت سے طول کا فکوح نہ کرے بلکہ جس قدر تلاوت میں اضافہ ہو اسی قدر لطف اندوزی میں زیادتی ہو۔ چنانچہ فضائل قرآن کے باب میں معصومین کے کلام سے

اس امر کو سراہتا ہے۔

عن الرضا عن ابيك عليه السلام انه سئل
ابو عبد الله ما بال القرآن لا يزداد على النسخ
والدروس الاغصاف فقال لا والله تبارك و
تعالى لم يجعله لزمان دون زمان ولا لسائ
دون ناس فهو في كل زمان
جديدا وعقد كل قوم وعرض

حضرت امام رضا اپنے والد ماجد سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت
امام جعفر صادق سے دریافت کیا گیا کہ قرآن مجید باوجود زیادہ نسخ و کتب
اور درجہ دوموں کے زیادہ تازہ ہوتا ہے۔ اس کا کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا
یہ ہے کہ خداوند کویم نے اس کو مرنے والے کے زمانہ اور ایک قوم کے لئے
تو نہیں بلکہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے ہے۔
لہذا ہر زمانہ میں نیا اور ہر قوم کے لئے تازہ ہے اور رہے گا۔

۴۔ بیان اسکام میں اس قدر المذاہب اور غیر متوازن معامل و مناسک کا اعتبار کہ سیاست و ادارہ عالم اور دنیا میں ہر دور و تاقیامت
اس پر ناقص و عیب ہوئے کی برکت نہ کر سکیں۔

۵۔ امام سابقہ اور متقدمین خالیہ کے وہ مستقبل حالات و واقعات اور تاریخی مفید حقائق و معلومات کا مزید ہر دور کا واقفیت سے
معمول فرق نہ ہو اور ایسے نوجوان کی وساطت سے جو علم و اسباب کی ظاہری دنیا میں، انہیں سابقہ اور متقدمین انہی کے بقایا افراد
خصوصاً ان کے علم سے فہمست و مصائب کا کوئی ربط نہ رکھتا ہو، جو ان کو ظاہر بنی لوگ اس کو ان پر عہد سے تیسیر کرتے ہوں۔

۶۔ آئندہ کی اخبار میں وہ صداقت کہ فوج کبالت کے ممتاز لوگ میرت سے انگشت بندوں ہو کر ظاہری اسباب سے اس کی
بے نیازی کا اعتراف کریں، مطلقاً کائنات اور ایہ احوال کے متعلق وہ حقیقت امیز تبصرہ اور انصاف پسند اور حقیقت پسندانہ
تبیح و تفسیر خدا کے علاوہ منہ سے حرف تک نہ نکال سکیں۔

۷۔ معرفت خدا کے متعلق وہ آقا، ترمید بلکہ میں جن کو سن کر مشرکین کے بسم پر روٹے کھڑے ہو جائیں اور جواب میں دم بخود
ہو جائیں۔

۸۔ حشر و نشر اور موت و حیات، کہ وہ جزوی، تفصیلات بعد استدلالات کہ فلاسفہ دور سرچکے ہیں۔

۹۔ الفاظ و معانی میں وہ توازن کہ ہر دور کے باہرینی علوم عربیہ ایک رفت و حرکت کی اونچ نیچ یا کمی بیشی کا فرق نہ نکال سکیں
۱۰۔ انسانیت کے نقطہ سے وہ گمان کہ باوجود ابد میں آنے کے پورے کلام عربی، انہما و اس تسلیم کی جائے۔ سنی کہ
اہل لسان کے نزدیک بھی کلام کی تصحیح و تفسیر کا معیار قرار پائے اور علمائے عربیت کلام عرب کی فصاحت و خطا کو اسی مقدس کلام
سے جانچنے پر مجبور ہوں۔

۱۱۔ سب سے غیر العقول پہلو یہ کہ اس کلام کے آنے والا نبی ظاہری دنیا میں ناخواندہ اور موجودہ دور کے خطبہ فصیح و بلیغ
سے گذرے کش رشتا میری وہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین کے نام خطبات و مواظظ و کاتیب میں فصاحت و بلاغت کے وہ
بے پناہ سمندر موجزن ہیں کہ مخالفین کو تسلیم کرنا پڑا کہ کلام اللہ کے ابد فصاحت و بلاغت میں نہی البلاغتہ کے مقابل کوئی کلام

نہیں لیکن ہرگز، ہر سال تو اس کے عام خطبات، ومواعظ یا احادیث شریفہ میں وہ رنگ نہیں بگاڑتا، عام ترانہ کلام سے اس کو غلا ہڑا لیتا ہے اور اسے اپنی شہینہ

کیونکہ ہرگز ہر سال اس کے ذاتی کلام میں ہرگز ہر سو تو معترضین کو کہنے کا موقع ملتا ہے، ہرگز کہ کلام مجید انہی کا اپنا کلام ہے اس لئے کہ ہرگز ہر سال اس کا اور بیان اور فہم الہیہ کلام اس قدر فہم است و بلاغت کا حامل ہے تو وہ سوچ سمجھ کر انکو ترجمہ کے بعد قرآن مجید جیسا ہے نظیر کلام کیوں نہ پیش کریں؟ پس قرآن مجید کو ہر کار و رسالت کا نتیجہ فکر قرار دیا جاتا اور وہ مقصد تشہیر و تکمیل رہ جاتا ہے اس کے لئے قرآن مجید بنا کر بھیجا گیا۔

دیگر کتب سماویہ اور قرآن مجید میں ایک اسم فرق یہ بھی ہے کہ ان کتابوں میں صرف وہی احکام تھے جو قسط اسی وقت کے لئے موزوں تھے اور قرآن مجید صبح علوم عقیدہ و نظریہ کا نیر نانی اور پائیدار نواز ہونے کے علاوہ اپنے اندر ایسے مثبت و غیر متزلزل احکام رکھتا ہے جن کو ہرگز نہ ہرگز مسخ کر سکتا ہے اور نہ وہ قابل ترمیم و تنسیخ میں آئی ہے اس نئی کے بعد کسی نئی کے آنے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ ان کی شریعت آخری شریعت ہے اور ان کا قانون آخری قانون ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ کتب کا انسانی حیثیت محدود تھی جو بالآخر ختم ہو گئی اور قرآن مجید کی ابدیت، تاقیامت محفوظ ہے اور رہے گی۔ موجودہ نئی روشنی کے علمائے فکر میں جب بڑی غور و خوض اور بحث و تمحیص میں غیر معمولی عرق ریزی کے بعد ایک قانون مرتب کرتے ہیں تو اپنی حد امکان تک اس کو ہر قسم کے نقائص سے پاک کر کے متعدد اجتماعات میں جرح و قدح اور تصحیح و تعدیل کے بعد اس کے الفاظ کا اعلان کرتے ہیں اور اس میں ہر اسے ناقابل نسخ و ترمیم قرار دینے کی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ اُسے دنیا کے واقعات اور اہل کے تجربہ و مشاہدہ ہوتے ہیں کہ کجا کیا جاتا ہے، قانون آج نہیں تو کجا پاک ضرور منسوخ نہیں تو قابل ترمیم ضرور ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نئے قانون اور نئے ضوابط منظر عام پر آتے رہتے ہیں اور اس طرح قوانین و ضوابط کا ایک آہستہ آہستہ دار ہوتا ہے۔

بڑھتی ہے جب یہ ہے کہ قانون ساز کہتا ہے، قابل کیوں نہ ہو چیزوں کے تمام مصالح و مفاسد کو جان سکتا ہی نہیں اور اسی لئے ہر قانون ساز خود چند روز کے بعد اپنے قانون کا دشمن بن جاتا ہے اور اگر خود ضد پر ڈٹا رہے تو اس کے ایام اقتدار ختم ہونے کے بعد تو یقیناً اس کا قانون ختم ہو جائے گا کیونکہ (ہرگز اگر عمارت نوساخت)

لیکن ذاتیہ تعلیم و تدریس نے اس کلام قرآنیہ کی بنیاد ایسے غیر متزلزل اصول پر رکھی ہے جو کسی زمانہ میں نہ منسوخ ہو سکتے ہیں اور نہ قابل ترمیم قرار دیے جاسکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج اپنے پورے سو سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود قرآنی احکام و ضوابط میں نئی روشنی اور تازہ جان موجود ہے اور تاقیامت رہے گی۔

معجزنا کی ضرورت

گذشتہ عنوان کے ذیل میں قرآن مجید کے معجز ہونے اور اس کے اعجازی پہلوؤں کے متعلقہ بیانیہ کیا گیا ہے اس وقت اس پر یہ بیان کرنا ہے کہ چونکہ معجزہ بغیر معجزنا کے نہیں وقوع پذیر اور نافہر ہو سکتا۔ لہذا یہاں بھی اعجاز قرآن کے اظہار کے لئے ایک معجزنا ضروری ہے۔ عصارہ انبیا ہو سکتا ہے لیکن موٹوں کے ہاتھ میں۔ اونٹن پتھر سے پیدا ہو سکتا ہے لیکن نمونہ کے اشارے سے۔ آگ گلوار بن سکتی ہے لیکن نکتہ کی ضرورت سے مٹی سے۔ پرزہ بن کر پرواز کر سکتا ہے لیکن دم عیسٰی کے ہاتھ میں آتے ہوئے۔ اس لئے یہ کہا ہے۔

ہر ہاتھ کو عاقل یہ بیضا نہیں کہتے

پس قرآن قرآن ہے لیکن اس کے اعجازی کرشمے معجزنا کے وجود کے محتاج ہیں۔

گذشتہ انبیاء کی چونکہ بتوں میں محدود اوقات کیلئے ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے ان کے معجزات میں مختصر اور محدود زندگی لکھے تھے اور قرآن چونکہ قیامت تک کے لئے ہے اور شریعت مصداقہ کی، کتبہ، سدبھی، قیامت ہے۔ لہذا قرآن مجید کے ساتھ معجزنا کا ہونا بھی قیامت تک ضروری ہے کیونکہ اگر معجزنا کے وجود کا دائرہ صرف زمان رسالت تک ہی محدود کر دیا جائے تو قیامت تک کے لئے اس کے اعجاز کی رٹ لگانا صرف ثقلمہ لسانی ہو کر رہ جائے گا اور یہ کہنا چاہئے کہ معجزہ ہائے انبیاء سابقین کی طرح اس کی اعجازیت بھی محدود وقت تک تھی اور اس حالانکہ اتفاقاً جمیع فرق اسلامیہ اعجازیت تا قیامت باقی رہے اس کے علاوہ کہنے والا منقول و معقول کے خلاف ہونے کے ساتھ دشمن اسلام ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے لے کر تا قیام قیامت ہر دور میں قرآن کے ساتھ ایک قرآن والا ضرور ہوگا۔ جو حضور ﷺ کے صحیح بانٹھنی کے فرائض انجام دیتے ہوئے اپنے زمانہ کی ضروریات کے پیش نظر قرآن کے اعجازات سے لوگوں کو روشناس کر سکتا ہوگا۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ حضرت رسالت کا جو فرمان ہے کہ میں، تم میں، دو اگر انقدر چیزیں اللہ کی کتاب اور عترت چھوڑے جاؤ ہوں عترت کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اور حسین اور حسین اور نوحین کی اولاد سے ہوں گے جن کا نواں مہدی قائم ہوگا۔ یہ قرآن سے جدا نہ ہوں گے اور قرآن ان سے جدا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ نبی رسالت کے پاس جو نبی کو ضرور وارد ہوں گے۔

عن عیون اخبار الرضا سئل امیر المؤمنین
عَنْ مَعْنَى قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ إِنِّي مَخْلُفٌ بِكُمْ الْقَلْبَيْنِ
كِتَابُ اللَّهِ وَعَشْرَتِي مِنَ الْعِثْرَةِ؟ قَالَ: كِتَابُ وَالْحَسَنِ
وَالْحُسَيْنِ وَالْآئِمَّةِ الطَّيِّبَةِ مِنْ وَلَدِ الْحُسَيْنِ
تَأْسِيعُهُمْ مَهْدِيَهُمْ وَتَأْسِيعُهُمْ كَلِمَاتُ قَوْلِ كِتَابِ
اللَّهِ وَلَا يُفَارِقُهُمْ حَتَّى يَرُدُّوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ تَوْصِيَتَهُ

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہمیں صرف قرآن مجید کافی ہے اور قرآن کے علاوہ اور کسی چیز سے تمسک پکڑنے کی ضرورت نہیں تو اس کا تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کو کلام معجز نہ جانتا ہو اور اس کی اعجاز، ہیئت، کلام سے انکار کرتا ہو۔

۲۔ قرآن مجید کے اعجاز کا تاثر ہو لیکن خود اپنے آپ کو معجز نہ سمجھتا ہو۔

۳۔ نہ قرآن کے اعجاز کا منکر ہو اور نہ اپنے آپ کو معجز نہ جانتا ہو۔

پہلی صورت میں تو کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ منکر اعجاز قرآن خارج از ایمان ہے۔

دوسری صورت، کہ ہر شخص معجز نہ ہو عقلی و نقلی سے بعید ہے کیونکہ معجز نہ ہونے کا دعویٰ خالص ہے، مگر نہیں رعصا امتہ میں رکھنا اگر اس سے لیکن موت تو ہے، کہ اسے سانس پھلنا یا دریا پر ارک رکھتے پیدا کرنا یا پتھر پر ارک رکھنے جاری کرنا وغیرہ منکر ہے اسی طرح دم کرنا سہل ہے لیکن عیسیٰ بن مریم میں رُوح ہونگے دینا یا مردہ میں جان ڈال دینا ہر شخص کا کام نہیں اور ہاتھوں کو اٹھانا اور بات ہے اور اس میں اثر و ادوی پیدا کر لینا اور نشے ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس بلکہ گذشتہ ادیان سے معجزوں اور قرآن مجید کے اعجاز میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے کیوں کہ قرآن مجید عملتِ موسیٰ کی طرح نہیں کہ زمین پر رکھ دینے سے اعجازی پہلوؤں کو ظاہر کرنے لگ جائے یا دم عیسیٰ کی طرح نہیں کہ صرف شو کرنے سے کام چل جائے۔ یہاں تو عیسیٰ و موسیٰ کو دم مارنے کی بھی جرات نہیں بلکہ قرآن مجید کے اعجاز کے سامنے تو وہ خود دم بخورد نظر آتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کو حضرت حجت کے انتظار میں رکھنا اور بوقتِ ظہور ان کا ان کا اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ نبی اعجاز ہیں اور یہ مناسب اعجاز ہیں۔

بہر کیف نہ ہر قرآن کو اعجازی الامعجز نہ سمجھیں، جو کہ آج کلکہ معجزوں کے لئے قرآنی رموز و حقائق پر اطلاع چاہئے۔ اس کے عائق اور قائلت کا کہ رسالت کی ہمت ہو۔ اسرار، حسرت اور نکات بلاغت میں مہارت کا علم اور بصیرت صادقہ کے علاوہ جودتِ طبع اور سلامتِ فطنہ کا۔ ۱۱۔ ہر مقام اطاعت میں شانِ عبودیت رکھتا ہو اور مقامِ معرفت میں راز و رموزِ تغیر اور اسرارِ لطیفہ کا علم ہو۔ گویا قرآن کے ساتھ جسم و جان اور قلب و روح کا تعلق رکھتا ہو۔

لیکن یہ باتیں البتہ مدینہ منورہ کے بغیر اور کہیں بھی نہیں مل سکتیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالت کی رسالت کے بعد جب کسی صحابہ کو کوئی مسئلہ ایسا پیش آیا جس کے حل سے عاجز آجاتے تو! جب مدینہ علم نبی حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے دروازہ کا لوٹ کر تے نظر آتے تھے صرف انہی تک مشرف نہیں بلکہ ہر دور میں امت اسلامیہ مسلمانوں کے ہر شخص کے دروازہ پر جھکتی رہی اور بنی حجاب کے فقہی دور میں فقہائے عالم کی گردنیں صادقہ انہی کے علمی و تارک کے سامنے خم ہو گئیں۔ اگر تفسیر کی جینک، اگر تاریخ اسلام کا صحیح مطالعہ کیا جائے تو اس وقت پر معلوم ہوگا کہ قرآن مجید کے متقی ترجمان خاندان رسالت کے وہ افراد تھے، جنہیں خداوند عالم نے علوم قرآنیہ کا احاطہ قرار دیکر منصبِ خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔ پس

اس بیان سے ثابت ہوا کہ قرآن کے ساتھ قرآن والا صرف نماذین رسالت کا فرد معصوم ہی ہو سکتا ہے اگر کوئی دوسرا یہ دعویٰ کرے تو ٹھوٹا ہوگا۔

پس اب تیسری صورت باقی رہی تو اسمیں ضروری ہے کہ قرآن کے ساتھ قرآن والے پر بھی ایمان لایا جائے اور وہی امام بالحق ہوا کرتا ہے جس کا وجود ہر دور میں ضروری ہے تاکہ قرآنی تعلیمات کے ماتحت ہر زمانہ میں اسلام کی ترویج و تقویت کا قبیل ہو اور جو لوگ صرف قرآن مجید کے ساتھ تمسک پکڑنا کافی سمجھتے ہیں اور قرآن والے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے وہ قرآن کے ساتھ رہنے کے حقیقی مفہوم سے غافل ہیں بلکہ ان کا قرآن پر ایمان رکھنے کا دعویٰ صرف نہانی ہی زبانی ہے ورنہ درحقیقت نہ ان کا قرآن سے تمسک ہے اور نہ ایمان ہے۔

برہان میں دلیلی سے بالاسناد زید بن ثابت سے منقول ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جناب رسالت نے فرمایا میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ جاتا ہوں (ایک) اللہ کی کتاب اور (دوسرے) علی بن ابیطالب اور علی تمہارے لئے کتاب اللہ سے افضل ہے کیونکہ یہ تمہارے لئے کتاب اللہ کی ترجمانی کرے گا۔

فی البرہان عن الدلیلی باسنادہ عن زید بن ثابت قال قال رسول اللہ اِنِّیْ نَزَّارْتُ فِیْکُمْ الثَّقَلِیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَعَلِیَّ بْنَ اَبِی طَالِبٍ وَعَلِیٌّ اَفْضَلُ لَکُمْ مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ لِذٰلِکَ مُتَّحِبٌ لَکُمْ عَنْ کِتَابِ اللّٰهِ۔

(علیؑ ناظر ہے اور قرآن صامت ہے اور ناطق صامت سے افضل ہوا کرتا ہے)

اسی کتاب میں سلیم بن قیس ہلالی سے روایت ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں پاک معصوم خلق پر گواہ اور زمین میں اپنی حجت بنایا ہے ہمیں قرآن کے ساتھ اور قرآن کو ہمارے ساتھ قرار دیا نہ ہم اس سے جدا ہیں اور نہ وہ ہم سے جدا ہے۔

ذنیہ عنہ عن سلیم بن قیس الہلالی عن امیر المؤمنین قال اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی طَهَّرَنَا وَعَصَمَنَا وَجَعَلَنَا شُهَدَاۗءَ عَلٰی خَلْقِهِ وَجَجَبَا فِیْ اَرْضِهِ وَجَعَلَنَا مَعَ الْقُرْآنِ وَجَعَلَ الْقُرْآنَ مَعَنَا لَا نَفَارَ بَيْنَهُمَا وَلَا یَعَارِقَانَا۔

اسادیشے اس مضمون کی بہت زیادہ میں جو حد تو اس سے بڑھی ہوئی ہیں۔ انشراح اللہ کسی اور عنوان کے تحت میں کچھ حصہ ان کا ذکر کیا جائے گا۔ بس اس مقام پر صرف یہی ثابت کرنا تھا کہ قرآن کی اعجازیت کے پیش نظر ہر زمانہ میں ایک ایسے قرآن والے کا ہونا ضروری ہے جو بحیثیت معجزنا کے قرآن کے ساتھ ہو اور عقلی بیان سے بھی ثابت ہو گیا۔ کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر صحنہ، حسنہ اور خصلت حمیدہ اپنے اندر رکھتا ہو بلکہ ہر وہ کمال جو انسانی امکانی احاطہ سے باہر نہ ہو اس میں پایا جائے تاکہ قرآن کے ظواہر و باطن اور دقائق و حقائق پر بصیرت افروز تبصرہ کر کے ایک طرف ہر دور کے مہذب و ترقی یافتہ یا حجت پسند گردہ کو اس کا گردیدہ بنا سکے اور دوسری طرف اپنے اوصاف و کردار کے سایہ میں ان کی روحانی زندگی کو تباہ کر بھی بنا سکے۔

قرآن کریم نے تہذیبِ قرآن کے علم کو تو راسخین فی العلم میں بند کر دیا لیکن مصداق کی تعیین کیسے ہو اس کی تلاش کے لئے منصف مزاج گروہ اور دارالابینہ طبقہ کے لئے چنداں دقت نہیں تھی لیکن خواہشات کی رو میں بیٹے والے اور جذباتی رجحانات کے پیچھے چلنے والے عمداً نظر باقی اختلافات کی آڑے کر طرت داری اور جنبہ نوازی کا کھیل کھیلنے لگ جاتے ہیں۔ اور اس قسم کے خطرات بدوی عربوں کی مستساخہ روش کے پیش نظر اہم ترین طور پر مرکزِ نگاہ اتفاقیہ رسالت تھے جن کا ازالہ اہم ترین فریضہ تھا۔ پس حضورؐ نے غیر مبہم الفاظ میں صحابہ کرام پر وضاحت فرادی اور زبان وحی ترجمان نے صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے قرآن سے علی بہتر ہے کیونکہ وہ قرآن کا مترجم ہے۔ نیر انامدینۃ العلو و علیٰ بابہا کے صاف اور کئے نفسوں میں صحابہ کو بھیجا۔ علی مع القرآن و القرآن مع علی۔ علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ علی مع الحق و الحق مع علی۔ علی حق کے ساتھ اور حق علی کے ساتھ ہے۔ اس قسم کی واضح اور صریح فرمائشات صحابہ کے گوش گزار فرما کر حقیقت کے چہرے سے پوری طرح نقاب کشائی کر دی تاکہ انذارِ فاسدہ کا سدباب ہو جائے اور قرآن کے ساتھ قرین قرآن کا ذکر اور ہر دو سے متوازی طور پر تسک کا امر فرما کر نص کر دی کہ قرآن کے مفسر اور عالم یہی ہیں اور راسخون فی العلم بھی یہی ہیں۔ ان توضیحات و تصریحات کا مقصد صرف انتہا بات و اجتماعات و شورائی کاروائیوں کی تردید کرنا تھا۔

لیکن ابوہریرہ جناب رسالتؐ نے پوری اُتتِ اسلامیہ کو ایک نکتہ پر جمع کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ تاہم تمام فرمائشات سرکار رسالتؐ کو اپر ایشیت ڈال کر کہنے والے کہہ اٹھے کہ ہمیں صرف اللہ کی کتاب کافی ہے اور ہر زمانہ میں اس بے بنیاد دعویٰ کو اپنانے والے پیدا ہوئے اور ہر نعل میں قرآن لٹکانے والے نے کہنا شروع کر دیا کہ میں قرآن کا عالم ہوں اور ہر شخص نے قرآنی مطالب میں اپنی رائے کو داخل کر دیا۔ جس کی وجہ سے معانی قرآنیہ میں اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی اور استحضار و قیاسات کی بناء پر لوگ جس قدر آرا، ٹھہرے سے دور ہوتے چلے گئے۔ قرآنی سخاوت سے اتنا ہی تہی دست اور خالی دماغ رہے۔

چنانچہ معتمد عباسی کے عہد حکومت میں ایک مرتبہ چور پر شرعی حد جاری کرنے کا مسئلہ پیش آیا۔ درباری فقہاء کی نگاہ میں صرفہ فاقطعوا آئینہما راتھ کاٹ دو تاکہ محدود عقوبتیں۔ اب سوال پیدا ہوا کہ ہاتھ کس مقام سے کاٹا جائے تو فقہاء میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ قطع کی حد کلائی ہے کیونکہ آیت تیمم میں ہاتھوں کا مسح واجب ہے اور مسح کی حد کلائی ہے اور کسی نے فتویٰ دیا کہ ہاتھوں کو کہنیوں سے جدا کرنا چاہیے کیونکہ آیت وضو میں ہاتھوں کے دھونے کا حکم ہے اور حد اس کی کہنیوں تک ہے۔ مسئلہ کیا تھا ایک عقدہ لایحل بن گیا۔

لے۔ یہ پیشین باختلاف الفاظ تفصیلاً بمعہ حوالہ کتب بعد میں پیش کی گئی۔

اهل الذکر مغل شیخ اخصینا فی امام مبین وغیرہ کا خیال تک نہیں نسیز انی تارک فیکہ الثقلمین پر دھیان تک نہیں اور ان ہی تختات فاسدہ نے عوام شیعہ کو ایک بڑی حد تک اپنے اصولی مسلمہ سے غافل کر دیا ہے ان کے اذہان میں بھی یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ہر بات کا ثبوت قرآن مجید سے ہونا چاہیے پس اپنے مولوی صاحبان سے جزدی اختلافی مسائل کا حل قرآن مجید سے ہی چاہتے ہیں کیونکہ ان سے مخالفین بھی قرآن مجید کا حوالہ طلب کرتے ہیں مثلاً سوال کیا جاتا ہے رو ناپینا دیگر رسوم عزاداری۔ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا اور ائمہ اثنا عشر کے اسمائے طاہرہ وغیرہ قرآن مجید میں کہاں ہیں؟ مخالفین تو چونکہ حسبنا کو اپنانے والے ہیں وہ یہ سوال کیوں نہ کریں؟ اور ان کے لئے قرآنی استشادات اور ساتھ ساتھ ان کے اکابر کی تصریحات اور حدیث و تاریخ کے واقعات میں ان کے اس قسم کے بلکہ جملہ اعتراضات کے منہ توڑ جوابات موجود بھی ہیں اور علمائے مناظرہ سے وہ منہ کی کھاتے ہیں نتیجتاً بعض کو ہلاکت بھی ہو جاتی ہے لیکن تعجب ہے ان شیعہ افراد پر جو اس قسم کے سوالات کے جوابات میں سیرت آل محمد کو ناکافی قرار دیتے ہیں ان کے دل دماغ پر بھی وہی دشمن کی زبان سے نکلا ہوا جملہ حامی ہے گو زبان سے حسبنا کہنے والوں سے بیزار ہی ہے لیکن عملاً خود اسی راہ پر گامزن ہیں اور پیچھے مڑ کر دیکھتے ہی نہیں۔ حالانکہ ان کو سوچنا چاہیے کہ ہمارے اصول میں سے قرآن و اہلبیت ہر دو کے ساتھ تسک کے حکم ہے اور ہمارا ایمان ہے۔ کہ محمد و آل محمد ہی قرآن کے حقیقی عالم اور مفسر ہیں اور ہمیں تسلی اور اطمینان ہے کہ قرآن ایک ایسا سر بستہ راز ہے جو بغیر معجزنا کی رہنمائی کے انحال پذیر ہو ہی نہیں سکتا۔ خداوند کریم ایسے فریب خوردہ افراد کو چشم معرفت عطا فرمائے اور ہم سب کو قرآن اور اہلبیت کے ساتھ قوی و فعلی تسک کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)

آل محمد سے دُوری کے نتائج میں سے یہ بھی ہے کہ قرآن مجید تسکین جذبات کا آلہ قرار دیا گیا ہے۔ تصدق بیانات کے لئے سچے و جھوٹے معاملہ میں قرآن بطور گواہ ہے اور قرآن مجید کی قسم تو بچوں کا ایک کھیل بن گیا ہے مسابد میں تلادت کرنے کے لئے اتنے قرآن خوان نہیں ملتے جتنے کپہلوں میں قسم اٹھانے کے لئے حاملین قرآن دکھائی دیتے ہیں کسی کے سر پر کسی کے ہاتھ پر کسی کی بغل میں اور کسی کے سینے سے لگا ہوا ہے پہلی دفعہ حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں جنگ صفین میں قرآن کو ان اغراض کے لئے پیش کیا گیا اور پھر رفتہ رفتہ یہ بار روٹی کی آگ بن کر اطراف عالم میں پھیل گئی۔

نیز گداگری اور بمبیک مانگنے کا ذریعہ بھی قرآن مجید کو ٹھیرایا گیا۔ باہارت یا بے طہارت کا فرق نہیں۔ ڈیرہ اور مسجد کا امتیاز نہیں۔ بلکہ صحیح یا غلط کی بھی پرواہ نہیں۔ صرف پیسہ دو پیسہ پر نظر ہے اور طرفان خلعت کے ہمہ گیر تلاطم کی حد ہو گئی کہ باجوں کی پلیٹوں میں قرآن مجید اور ریڈیائی اشاعات میں قرآن مجید۔ احباب ہوٹوں میں قہوہ خانوں میں بیٹھے ہیں۔ تاش کھیلا جا رہا ہے۔ نردو شطرنج وغیرہ کی محفل گرم ہے شراب و کباب میں انتہاک ہے اور محبوب کے ساتھ بے تکلفانہ مکالمات جاری ہیں اور ادھر ساتھ ہی باجہ میں ریڈیو میں قرآن خوانی بھی شروع ہے۔ غضب یہ کہ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رنگتی۔ اور ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں۔ خدا سب مومنین کو اس قسم کی جملہ روحانی وباؤں سے محفوظ رکھے۔

لئے تاریخ طبری جلد ۴ اور الامت والسیاست اور تاریخ الخلفاء وغیرہ میں امیر شام کی فوج کا قرآن کو بلند کرنا مذکور ہے۔ 'منہ'

نیز قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھنے کے متعلق قرآن کے ارشاد پاک کے ساتھ جو اہل بیت عصمت کی طرف سے فرمائشات صادر ہوئیں یکسر نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ خصوصاً طبقہ حفاظ میں تو عموماً اس چیز کا خیال تک نہیں۔ قرآن کو انتہائی تیزی سے پڑھنا حافظ صاحب کا کمال سمجھا گیا ہے اور اسی تیز خوانی کو قرآن مجید کی اہم خدمت تصور کر لیا گیا ہے حتیٰ کہ تین یا چار گھنٹوں میں پورے قرآن کو ختم کر لینے والا بہت بڑا حافظ سمجھا جاتا ہے حالانکہ معصوم نے ایک پورے دن میں ختم قرآن کرنے کی بھی اجازت نہیں دی تھی۔ اس کے متعلق احادیث ترتیل کے بیان میں گذر چکی ہیں۔

علوم قرآنیہ اہلبیت عصمت کے پاس ہیں

تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا۔
ایہا الناس! اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہاری طرف سے رسول بھیجا اور سچی کتاب نازل فرمائی۔ حالانکہ تم لوگ کتاب اور کتاب کے نازل کرنے والے سے غافل تھے رسول اور اس کے بھیجنے والے سے بے خبر تھے۔ رسولوں کے گذر جانے سے ایک عرصہ گذر چکا تھا۔ امتیں لپی نیند سوچتی تھیں۔ احکام کمزور ہو چکے تھے۔ حق سے چشم کوری۔ ظلم میں کجروی اور دین میں بے برکتی عام ہو چکی تھی۔ گلزار جنت دنیا میں پڑ مرو گی بنا پر گرمی کی آگ پڑ رہی تھی۔ شہنیاں خشک تھے مردہ پھولوں سے ایوسی اور بانوں میں کمی رونما تھی۔ ہدایت کے نشانات کہنہ اور گمراہی کے علم بلند تھے۔ دنیا دنیا والوں کے سامنے بدنما شکل میں ظاہر تھی۔ اس کا ٹھنڈنہ اور ڈالٹہ بد تھا۔ باطن میں خوف و ہراس اور ظاہر میں تلوار نمایاں تھی۔ گویا تم لوگ پوری طرح تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اہل دنیا کی آنکھیں اندھی اور روشنی دن سیاہ ہو چکے تھے۔ قطع رحمی، خونریزی اور لڑکیوں کا زندہ درگور کرنا عام مشغلہ تھا اور یہ سب کچھ عیش پسندی اور خوش باشی کے لئے محبوب عام تھا۔ وہ لوگ نہ اللہ سے ثواب کے امیدوار تھے اور نہ اس کے عذاب سے خوفزدہ و ترساں تھے وہ چشم کو زندہ تھے اور مرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن تھے۔

پس حضور رسالت سابقہ شریعتوں کی نسخ اور کتب متقدمہ کی تصدیق سے کہ تشریف لائے۔ جس میں حلال و حرام کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اور وہ قرآن مجید ہے پس اس کے ساتھ کلام کر دو۔ لیکن یاد رکھو وہ ہرگز تمہارے ساتھ کلام نہیں کرے گا (یعنی تم اس کے رموز و امرا پر مطلع نہیں ہو سکو گے) البتہ میں تم کو اس کے متعلق خبریں دے سکتا ہوں۔ اس میں باطنی و مستقبل حتیٰ کہ قیامت تک کا علم ہے۔ تمہارے روزمرہ کے احکام باہمی نزاعات کے فیصلے سب اس میں موجود ہیں۔ لیکن مجھ سے اگر اس کے متعلق دریافت کرو گے تو تمہیں بتلاؤں گا۔

(۲) بروایت مرآزم امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خداوند کریم نے قرآن مجید میں ہر شے کو وضاحت سے بیان

فرمایا ہے اور ضروریاتِ انسانی کے متنازعہ کو باہمی فرودگذاشت نہیں کی کہ کوئی کہے۔ کاش قرآن میں یہ بات ہوتی۔ بلکہ خداوند کریم نے سب کچھ قرآن مجید میں بیان فرمادیا ہے۔

(۳) بروایت معلیٰ بن خنیس آپ نے فرمایا کہ کسی بھی معاملہ میں دو آدمیوں کا تبادلہ خیالات نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ اس کی اصل قرآن مجید میں ہوا کرتی ہے مگر عام انسانی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔

(۴) بروایت سماعہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے۔ سب آپ سے دریافت کیا گیا کہ آیا ہر چیز کتاب اللہ اور سنت نبوی میں موجود ہے۔ یا لوگوں کا بے بنیاد دعویٰ اور خود ساختہ مقولہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ بے شک ہر شے کتاب و سنت میں موجود ہے۔

(۵) بروایت اسماعیل بن جابر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں گذشتہ اور آئندہ کی تمام خبریں موجود ہیں اور تمہارے معاملات کا حل بھی موجود ہے اور ہم ان چیزوں کو جانتے ہیں

(۶) عبدالاعلیٰ بن اعین سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں زمانہ بچپن سے علم کتاب کو جانتا ہوں۔ سالانہ اس میں ابتداء خلقت سے لے کر قیامت تک کے تمام واقعات موجود ہیں اور اس میں آسمان و زمین جنت و نار اور کان یا یون کی خبریں موجود ہیں اور میں ان کو اس طرح جانتا ہوں۔ جس طرح اپنی قبلی کو جانتا ہوں۔

ہمارے نزدیک قرآن اور اہل بیت دونوں واجب الاتباع ہیں اور قرآن مجید کے حقیقی عالم صرف اہل بیت ہی ہیں۔ بنا بریں عوام سہلہ کے دلوں میں اس سنون کا مسلط ہونا کہ ہر شے کا ثبوت قرآن ہی سے ہو۔ قطعاً منہی برانصاف نہیں۔ البتہ یہ فقرہ ان لوگوں کو زیبا ہے جو حسبن کہہ کر آن چھڑے کہنا کش ہو گئے اور تقلید سے تمسک کرنے کا حکم رد کر دیا۔ ہمارا تو ایمان اور اعتقاد ہے کہ جس طرح عہد رسالت میں قرآن فہمی کے لئے ہمیں جناب رسالت کی تفسیر و تاویل کی احتیاج تھی۔ اسی طرح دور نبوی سے لے کر تا قیام قیامت ان کے صحیح جانشینوں کی توضیحات کے ہم محتاج ہیں۔ ہم جس طرح ایمان رکھتے ہیں کہ ہر شے کے ترکا علم قرآن مجید میں ہے اسی طرح ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ ہر شے کا احصاء و شمار امام مبین کے پاس ہے ایک لطف کتاب مبین میں ہر چیز کا احصاء کیا گیا ہے اور دوسری طرف امام مبین میں ہر شے کا احصاء کر دیا گیا ہے۔ گویا ان دونوں حصروں سے یہ ثابت ہوا کہ کتاب مبین اور امام مبین ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۷) فی البہان عن ابن عباس عن امیرالمومنین
برہان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا واللہ میں ہی وہ امام مبین ہوں جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر کے اور یہ چیز مجھے جناب رسالت سے در شہ میں پہنچی ہے۔

(۸) تفسیر برہان میں بسند ابن ابیہر منقول ہے کہ جب یہ آیت اتری۔ وَحَلَّ شَيْءٌ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ۔ تو حضرت ابو جبر اور حضرت عمر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دریافت کرتے گئے کہ یا رسول اللہ کیا اس سے مراد تورات ہے؟ آپ نے فرمایا

شہید، پھر سوال کیا کہ کیا انجیل مراد ہے تو آپ نے فرمایا نہیں! پھر پوچھا کہ قرآن مراد ہے؟ فرمایا نہیں راستے میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام تشریف لائے۔ تو آپ نے فرمایا: وہ اس میں نہیں ہے۔ اس کے اندر اللہ نے بڑے بڑے علم کا احاطہ کیا ہے بہر کیفیت اس مطالبہ کی اور پیشہ بجزرت موجود ہیں۔ جو انشاء اللہ اپنے مناسب مواقع پر مذکور ہوں گی لیکن اس مقام پر تمہ کے طور پر ایک دو احادیث پیش کرتا ہوں تاکہ مطلب کی وضاحت پورے طور پر ہو جائے۔

بارہ امام بفرمانِ معتمد

(۱) تفسیر برہان میں سلیم بن قیس، ہمامی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت ایسی نہیں آتی جو انہوں نے مجھے پڑھائی لکھی نہ ہو یا میں نے لکھی نہ ہو۔ مجھے انہوں نے ادیان تفسیر نسخ و منسوخ اور حکم و مشاہیر کا علم تعلیم فرمایا اور میرے لئے اللہ سے حفظ و فہم کی دعا طلب کی۔ پس اس کے بعد مجھے کتاب اللہ سے کسی آیت کا جناب رسالتا علیہ کے تعلیم کردہ علم رسالتا علیہ میں سے کسی علمی نکتہ کا کبھی نسیان نہیں ہوا۔ سلام دعا و نواہم، امر و نہی گذشتہ و آئندہ کی باتیں اور گناہ و ثواب کے متعلق کوئی ایسا امر نہیں ہوا انہوں نے مجھے تعلیم نہ فرمایا ہوا اور میں نے بھی ان تعلیم کردہ اشیا کو اس طرح حفظ کیا ہے کہ ایک سو دن تک فراموش نہیں ہوا۔ پھر جناب رسالتا علیہ نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگی کہ خدا میرے سینہ کو علم و فہم سکنت اور نور سے ایسا چمکے کہ کوئی چیز فراموش نہ ہونے پائے اور غیر کتاب مطالب میں سے کوئی چیز فوت نہ ہونے پائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو میرے متعلق نسیان کا کوئی نذر ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں! مجھے اپنے پروردگار نے نبی بنا دیا ہے کہ اس نے میری رزق میرے متعلق اور میرے شرکاء کے متعلق قبول فرمائی ہے۔ (تو تیرے بعد ہوں گے) میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کون لوگ میرے شرکاء ہیں جو میرے بعد ہوں گے؟ فرمایا وہ لوگ ہیں جن کا ذکر خیر خدا نے اپنے اور میرے نام کے ساتھ کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے: **وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ** (اللہ اور رسول اور مساجد ابن امر کی اطاعت کرو) میں نے عرض کی وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ سب میرے اوصیاء ہیں اور عرض کو شر پر میرے پاس پہنچیں گے یہ سب کے سب ہادی و جہدی ہوں گے۔ ان کو چھوڑنے والا ان کو منکر نہ پہنچائے گا وہ قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن ان کے ساتھ ہوگا۔ قرآن ان کو نہ چھوڑے گا اور وہ قرآن کو نہ چھوڑیں گے۔ میری امت پر اللہ کی مدد انہی کے ذریعہ سے ازل ہی کی انہی کے ذریعہ سے مینہ برے گا اور انہی کے وسیعہ سے مصائب دور ہوں گے۔ اور انہی کے واسطے سے دعا مستجاب ہونے لگی میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ان کے نام بتلائیں۔ آپ نے فرمایا ایک تو میرا یہ فرزند اور اپنا ہاتھ مبارک امام حسن علیہ السلام

سنہ از ص ۱۳۸ احادیث بعض احادیث نقل کی گئی ہیں۔ (مصنف)

کے سر پر رکھنا، پھر امام حسینؑ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ دوسرا میرا یہ فرزند پھر اس کا ایک فرزند ہوگا جس کا نام علی ہوگا۔ اور تیسری موجودگی میں متواتر ہوگا۔ اس کو میرے سلام پہنچا دینا۔ اس کے بعد حضور نے میری اولاد سے بارہ اہموں کی تعداد کا پورا ہونا ذکر فرمایا۔ تو میں نے پھر عرض کی کہ قبیلہ آپ ان کے نام تو بتلائیں۔ پس آپ نے پھر ایک ایک کر کے سب کے نام بتلا دیے۔ پھر حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے زینم بن قیس راوی حدیث سے خطاب کر کے فرمایا۔ خدا کی قسم انہی میں سے وہی امت ہوگا جو زمین کو خدا، واذا انت سے بھر دے گا۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ خدا کا قسم میں ان لوگوں کو بھی پہچانتا ہوں جو کہ وہ اور مقام کے درمیان ان کی بیعت کریں گے۔ حضرت ان کو نہیں بلکہ ان کے باپ دادا اور اسے قبیلہ کو جانتا ہوں (۸) بروایت کاہن حضرت محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ قرآن مجید کے پورے ظاہر و باطن کے علم کا دعویٰ سوائے اوصیاء کے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

(۹) ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں پورے قرآن کا جامع ہوں جس طرح کہ وہ اترا تھا۔ تو وہ محبوب ہے بلکہ جس طرح اترا تھا۔ اسی طرح پورے طور پر اس کو جمع اور منظر سوائے علی بن ابی طالب کے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اور پھر وہ ائمہ کے پاس ہے جو ان کے اوصیاء ہیں۔

(۱۰) امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق ہے۔ بَلَىٰ هُوَ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْعِلْمُ دَلِيلٌ عَلَىٰ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَالْعِلْمُ هُوَ الْبَيِّنَاتُ فِي صُدُورِ الَّذِينَ آمَنُوا وَالْعِلْمُ دَلِيلٌ عَلَىٰ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَالْعِلْمُ هُوَ الْبَيِّنَاتُ فِي صُدُورِ الَّذِينَ آمَنُوا وَالْعِلْمُ هُوَ الْبَيِّنَاتُ فِي صُدُورِ الَّذِينَ آمَنُوا۔ بلکہ وہ آیت بیّنات ہیں۔ ان لوگوں کے سینوں میں کہ علم دیا گیا ہے ان کو آپ نے فرمایا اس سے مراد ائمہ علیہم السلام ہیں۔ (۱۱) ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں اضنی و مستقبل کی خبریں اور تمہارے فیصلے موجود ہیں۔ جن کو ہم جانتے ہیں اور نیز ہم را سخن فی العلم ہیں اور ہم ہی اس کا تامل کو جانتے ہیں۔

بس ان ہی احادیث پر اکتفا کرتا ہوں۔ آگے کے علم کا اندازہ کرنا۔ انسانی طاقت سے بند و بالاتر مراد ہے جس پر اقتصاد ہے کہ خدا نے اہل بیت عصمت کو بنائے۔ تمام کتاب کے بعد تمام کائنات پر جملہ کمالات میں فوقیت عطا فرمائی ہے۔ اس کے کسی کمال کی حدود معین کرنا ہمارا رہنما ہے۔

نوٹ۔ اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے سوالہ کتب بسن حدیث سے مندرجہ کر دیا ہے نیز اصلی عبارت کی بجائے صرف ترجمہ بھی اسی نظریہ کے ماتحت ہے (خداوند کریم کا ارشاد ہے۔ وَلَا يَشْتَرُ إِلَّا الْمَكْتُوبُونَ۔ یہ معنی نفسی یا تو معنی انشاء میں استعمال ہے اور

تائید مطلب یا معنی خبر میں ہے کہ معنی انشاء میں ہے تو آیت مجیدہ کا معنی ہوگا (اس کو نہ ٹس کریں مگر وہ لوگ جو پاک ہیں) اور اگر معنی خبر میں ہے تو آیت مجیدہ کا معنی یہ ہوگا اس کو ٹس نہیں کرتے مگر وہ لوگ جو ظاہر ہیں۔

پس اگر معنی انشاء میں ہو اور نبی کے تائید اسم ہو تو یہ ایک حکم تشریحی مراد ہے اور قرآن کے مس کے متعلق جو احکام تفصیل کے ساتھ کتب فقہیہ اور رسائل عملیہ میں مذکور ہیں۔ انہی کی طرف اشارہ ہے یعنی بغیر طہارت کے قرآن کا چھونا حرام ہے اور طہارت سے مراد صرف طہارت از جنس ہے نہیں بلکہ حدیث سے طہارت ہمہ مطلوب ہے یعنی بغیر وضو یا اغسال ضروریہ کے یا بحالتہ اضطراب

لا المس الظاهري كما مرّ تيانه والمس الحقيقي هو الاطلاع على رموزه ومعارفه والاحاطة بحقائقه ودقائقه فثبت انحصار رسوخ العلم فيهم عليهم السلام پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے تحقیقی علماء محمد و آل محمد ہی ہیں جو زبور و تطہیر سے آراستہ ہیں

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیہ مجیدہ لَا يَمْشِي إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ یہ ثابت کر رہی ہے کہ اس کا مس صرف مطہرین کو ہی کو حاصل ہے یعنی علوم قرآنیہ صرف معصومین ہی کے پاس ہیں تو چونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی سب کے سب معصوم ہیں۔ لہذا وہ بھی گویا قرآن کا علم رکھتے تھے۔ حالانکہ یہ خلاف منقول ہونے کے علاوہ اختصاص محمد و آل محمد کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیہ شریفہ کا معنی ہے قرآن سے حقیقی تعلق و علم صرف مطہرین اور معصومین کو ہی حاصل ہے یعنی جس کو قرآن مجید کا علم کامل عطا ہوا ہے۔ وہ معصوم اور مطہر ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو بھی معصوم و مطہر ہے وہ عالم قرآن بھی ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ ہر نبی معصوم ہے لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ ہر معصوم نبی ہے۔ اسی طرح ہر عالم قرآن معصوم ہے لیکن اس کا الٹ کہ ہر معصوم عالم قرآن ہے درست نہیں۔

فاقول: كل ما س وعالم للقران مطهر لقوله وَلَا يَمْشِي إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ - فهو موجبة كلية والموجبة الكلية لا تنعكس كلية كما يعلم كل من له ادنى مساس بالميزان بل هي تنعكس موجبة جزئية فعكس الكلية بعض المطهرين يستونه ويعلمونه والمراد من البعض هم اهلبيت النبوة فهم مع القران والقران معهم كما ثبت متواتر عن النبي صلى الله عليه واله وسلم وقد ذكرنا بعض الاخبار الواردة في هذا وسياق بعضها في مطاوي العنادين الاثنية انشاء الله -

پس ثابت ہوا کہ علوم قرآنیہ کا حق صرف اہل بیت عصمت ہی کے پاس ہیں۔ اس مطلب کی زیادہ توضیح بعد کی بحث میں ہوگی اس عنوان کے تحت ہم جو کچھ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ وہ عرض کیا جا چکا ہے اور اتنا ہی کافی ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر و تاویل

تفسیر کا معنی ہے لفظ مشکل کی مراد کو واضح کرنا تاویل کا معنی ہے دو احتمالوں میں سے ایک کا ظاہر کی مطابقت کی طرف لانا۔

في مجمع البيان - التفسير كشف المراد عن

اللفظ المشكل والتاويل من المحتملين الى

ما يطابق الظاهر

ابن عباس سے تفسیر کی چار قسمیں منقول ہیں۔

- (۱) وہ تفسیر جس کی جہالت سے کوئی شخص معذور نہیں جیسے توحید کی دلیلیں۔
- (۲) وہ تفسیر جس کو اہل لسان انداز بیان سے سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے حقائق لغویہ اور محاورات عرفیہ۔
- (۳) وہ تفسیر جس کو صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے تاویل منشاہات
- (۴) وہ تفسیر جس کو سوائے ذاتِ علام الغیوب کے کوئی نہیں جان سکتا۔ جیسے قیامت کا آنا۔
- علامہ طبرسی صاحب تفسیر مجمع البیان نے تفسیر کو چار قسموں میں تقسیم فرمایا ہے۔
- (۱) یہ کہ نہ الفاظ مجملہ ہوں اور نہ معانی میں ایک سے زیادہ کا احتمال ہو۔ جیسے آیہ قصاص اور آلہ توحید اس قسم کی تفسیر کو ہر واقعہ عربیت جان سکتا ہے۔

- (۲) وہ معانی جن میں اجمال پایا جاتا ہے۔ ان کی تفسیر کو صرف معصومین ہی جان سکتے ہیں جیسے طریقی نماز و زکوٰۃ وغیرہ
- (۳) وہ مقام جہاں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہو۔ اب یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر ایک احتمال مراد ہو اور باقی احتمالات کی قطعاً نفی ہو اور دوسری یہ کہ سب احتمالات مراد لئے جاسکتے ہوں۔ پہلی صورت میں اپنی رائے سے ایک معنی کی تعیین کرنا بغیر دلیل قطعی حرام و ممنوع ہے اور دوسری صورت میں ایک احتمال کو یقین و قطع کے طور پر لے لینا بغیر نص صریح کے ناجائز ہے اور اس بارہ میں اقوال مفسرین پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک اسکی تاویل پر اجماع متحقق نہ ہو پس نتیجہ یہی ہوا کہ معانی لغویہ اور محاورات عرفیہ میں جہاں اجمال یا معانی کثیرہ کا احتمال نہ ہو۔ یا حکمات قرآن جہاں کسی تاویل کی گنجائش تک نہ ہو۔ کے علاوہ پورے قرآن کی تفسیر و تاویل محمد اکرمؐ کی نشاندہی کے بغیر تفسیر بالرائے ہے اپنے استحضانات و قیاسات کو عمل میں لانا ناجائز ہے اور اپنی ذاتی رائے کی بنا پر قطعی اور یقینی طور پر ایک معنی کی تخصیص یا توجیہ و تاویل ممنوع ہے۔ البتہ صرف احتمال کے طور پر بیان کرنا حرام نہیں اور نہ اقوال مفسرین کو ذکر کرنا حرام ہے۔ اگر اقوال متعددہ اور احتمالات کثیرہ میں سے کسی قول یا احتمال کی تائید فرمانِ امام سے نہ ہو تو اپنی رائے سے ترجیح پیدا کرنا حرام ہے۔

بجلا لاناوار جلد میں احتجاج سے منقول ہے
ایک دفعہ ابوحنیفہ مدینہ میں حضرت امام
جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے امام کو قہ کی گفتگو

ہوا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ کیا تو مفتیٰ عراق ہے؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ پھر آپ نے پوچھا۔ کہ کس پیر سے فتویٰ دیتا ہے؟ جواب دیا کتاب اللہ سے۔ آپ فرمایا کیا تو کتاب اللہ کے نسخ و منسوخ اور حکم و منشاہ کو جانتا ہے؟ کہا ہاں فرمایا کہ خدا فرماتا ہے وَقَدْ زَنَّا فِيهَا الشَّيْبَانَ لِيَالِي وَاَيُّمَا آمِنَيْنِ رَمِمْنَا اس میں چلنا مقرر کیا پس تم اس میں دن رات امن سے سیر کرو فرمایا یہ کس زمین کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں شب و روز انسان با امن سفر کرے اور کسی دشمن پھر

ڈاکو بلکہ حشرات الارض یا درندوں وغیرہ کا کوئی خطرہ اس کو لاحق نہ ہو؟ کہنے لگا حضور! مکہ و مدینہ کے درمیان والی زمین مراد ہے۔ یہ سن کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ خدا را سچ سچ کہو جب تم مکہ اور مدینہ کی طرف سفر کرتے ہو تو تم کو جانی یا مالی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا؟ کہنے لگے۔ کیوں نہیں (بڑے خطرے لاحق ہوتے ہیں۔ آپ نے ابو حنیفہ کو خطاب کر کے فرمایا۔ وائے ہوتیرے اور پرے ابو حنیفہ خدا تو غلط بات نہیں کہتا۔ ابو حنیفہ سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ پس خاموش بیٹھا رہا۔

پھر آپ نے فرمایا۔ خدا فرماتا ہے وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اِیْمًا (جو بھی اس میں داخل ہوگا با امن رہے گا) بتا اس سے کون سا مقام مراد ہے؟ ابو حنیفہ نے جواب دیا۔ بیت الحرم (کعبہ) مراد ہے۔ آپ نے فرمایا (حاضرین سے متوجہ ہو کر۔ کیا عبداللہ بن زبیر اور سعید بن جبیر کے متعلق تمہیں معلوم ہے کہ وہ دونوں اس مقام پر قتل سے نہیں بچ سکے تھے۔ سب نے جواب دیا کہ ہاں! بے شک وہ دونوں اسی مقام پر قتل کر دیئے گئے۔ آپ نے پھر ابو حنیفہ کو خطاب کر کے فرمایا۔ وائے ہو تجھ پر خدا تو سچ ہی کہتا ہے (ابو حنیفہ خاموش رہا) پھر کہنے لگا۔ کہ میں کتاب اللہ کو نہیں جانتا۔ بلکہ میں تو قیاس سے فتویٰ دیا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے قیاس میں قتل اور زنا میں سے کون سا گناہ زیادہ سخت ہے؟ جواب دیا کہ قتل سخت ترین گناہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر قتل کے لئے گواہ دو اور زنا کے لئے گواہ چار کیوں ضروری سمجھے گئے ہیں۔

حالانکہ قیاس کے اعتبار سے معاملہ برعکس ہونا چاہیے۔ یعنی قتل کے لئے چار اور زنا کے لئے دو گواہ ہوں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ تو جواب دیا کہ روزہ سے نماز افضل ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ حائض عورت پر نماز کی قضا معاف اور روزہ کی قضا واجب کیوں ہے؟ حالانکہ نماز افضل ہے اس کی قضا معاف نہ ہوتی اور روزہ کی قضا معاف ہوتی۔ پھر آپ نے سوال کیا کہ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ تو ابو حنیفہ نے کہا۔ پیشاب زیادہ نجس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قیاس کی رو سے پھر پیشاب کے لئے غسل واجب ہونا چاہیے اور منی کے لئے فقط استنجا کو ہی کو کافی قرار دیا جانا چاہیے۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے (ان سوالات کے جوابات سے جب عاجز آگیا تو کہنے لگا میں خود صاحب رائے ہوں۔ آپ

نے پھر دریافت فرمایا کہ ایک شخص نے اپنی اور اپنے غلام کی ایک ہی دن میں شادی کی اور ایک ہی رات میں دونوں نے اپنی بیوی سے ہمبستری کی پھر ہر دو سفر کو چلے گئے۔ دونوں عورتیں ایک ہی مکان میں تھیں اور دونوں کے ہاں ایک ہی دن میں لڑکے پیدا ہوئے اتفاق سے مکان کی چھت گرمی اور دونوں عورتیں نیچے دب کر مر گئیں اور دونوں لڑکے بالکل بچ گئے اب یہ بتا کہ تیری رائے میں آتا کون ہے اور غلام کون؟ اور مالک کے مرنے کے بعد ان دونوں بچوں میں سے وارث کون ہوگا؟ اور ورثہ کون؟ یہ سننے ہی وہ (جھلا کر) بولا میں تو صرف حدود ہی کو جانتا ہوں پس آپ نے پھر استفسار فرمایا کہ اگر نابینا کسی بیبا کی آنکھ نکال دے یا اپنا سچ کسی تندرست کا پاؤں کاٹ دے تو تیری رائے میں مجرم پر حد کیسے جاری ہوگی؟ جواب سے عاجز ہو کر کہنے لگا کہ میں بعثت انبیاء کے مسائل اچھی طرح جانتا ہوں اور بس پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب خداوند کریم نے حضرت

موسیٰ اور ہارون کو فرعون کی طرف بھیجا تو فرمایا۔

قَوْلًا لَّهُ قَوْلًا لِّتَنَّاكَ لَئِن كَرِهْتَ الْفِتْنَةَ لَتَكُونَ مِنَ الْمَرْغُوبِينَ
 لے یا ڈر جائے کیا لعل کا استعمال مقام شک پر ہوتا ہے؟ جواب دیا ہاں! آپ نے فرمایا کیا خدا کو شک تھا؟ تو کہنے لگا جی۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے قرآن سے فتویٰ دینے کا دعویٰ کیا حالانکہ تو وارث کتاب نہیں اور تو اپنے آپ کو صاحب قیاس قرار دیتا ہے حالانکہ پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے اور دیا رکھم خدا کا دین قیاس کی بنیاد پر قائم نہیں پھر تو دعویٰ کرتا ہے کہ میں خود صاحب رائے ہوں حالانکہ رائے کا حق صرف جناب رسالت کو ہی حاصل تھا۔ اور رائے صرف انہی کی درست ہے باقی لوگوں کی رائے میں غلطی واقع ہو سکتی ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے احْكُم بَيْنَهُم بِمَا آدَاكُ اللهُ لے رسول ان لوگوں کے درمیان اپنی رائے سے فیصلہ کیا کرو جو خدا نے تمہیں عطا کی ہے یہ بات صرف جناب رسالت کے لئے ہی ہے اور بس پھر تو اپنے تئیں خدا کی حدود کا عالم سمجھتا ہے حالانکہ ان کو کما حقہ وہی سمجھ سکتا ہے جس پر نازل ہوئیں نیز تو بعثت انبیاء کے علم کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ خود انبیاء تجھ سے اس چیز کو بہتر جانتے ہیں اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے۔ ابوحنیفہ (جعفر صادق) فرزند رسول کے پاس گیا اور انہوں نے اس سے کسی بات کا سوال تک نہ کیا اس کے علمی وقار سے مرعوب ہو گئے تو میں تجھ سے کچھ نہ پوچھتا۔ پس جا اور اگر قیاس کا عامل ہے تو اس پر عمل کرنا کہنے لگا اب خدا کے دین میں قیاس و رائے کو دخل نہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا حسب ریاست ہر گز تیرا چھپا نہ چھوڑے گی۔ جس طرح اس نے تجھ سے پہلے لوگوں کا چھپا نہ چھوڑا غرضیکہ ان تمام سوالات کا مقصد صرف مسؤل عنہ کی اہلیت کا اظہار تھا اور درس دینا تھا کہ مطالب قرآنیہ امام حق کی راہنمائی کے بغیر قطعاً عمل نہیں ہو سکتے۔

اہلیت اظہار سے کلام اللہ کی تائید و تفسیر دریافت نہ کرنے سے اور اپنے استحضات عقلیہ اور آرائے فخریہ پر عمل کرنے سے بہت فرتے پیدا ہو گئے بعض لوگوں نے بعض آیات کے ظاہر سے دھوکا کھا کر خدا کا جسم ان لیا (جسمہ کہلائے اور بعض بہر کے قائل ہو گئے (مجرہ) کہلائے۔ حالانکہ قرآن مجید تو ایک سیدھی اور پختہ شاہراہ پر گامزن ہونے کی دعوت دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے (يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ اَقْوَمُ)

تفسیر برہان میں بعض کتب امامیہ سے ہدایت عبدالرحمن بن عمرہ منقول ہے کہ جناب رسالت نے ارشاد فرمایا جو لوگ اللہ کے دین میں مجاہدہ (جھگڑا) کرتے ہیں۔ ان پر خدا نے ستر نبیوں کی

زبان سے لعنت بھیجی ہے اور جو لوگ اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَحْزَنُكَ تَقَبُّلُهُمْ فِي الْمَلَاہِ ترجمہ آیات خدا میں صرف کافر لوگ ہی جھگڑا کرتے ہیں۔ ان کا شہرہ میں آمد و رفت کرنا تمہیں دھوکا نہ دے اور جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی ذاتی رائے سے کرے اس نے اللہ پر افتراء بندی کی اور جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان اور زمین کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ ہر بدعت گناہا

ہے اور ہر گرامی جہنم کا راستہ ہے عبدالرحمن بن سمرہ کہتا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے نجات کا راستہ بتلائیے۔ آپ نے فرمایا اے ابن سمرہ سب لوگوں کی خواہشات میں اختلاف پیدا ہو جائے اور انہیں جدا جدا ہو جائیں تو علی بن ابی طالب کا دامن پکڑو کیونکہ وہی میری امت کا امام اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے اور وہی حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہے جو اس سے (اصلاح دین) دریافت کرے گا تو وہ اس کو بتلائیں گے اور جو اس سے ہدایت طلب کرے گا وہ اس کو ہدایت کریں گے اور جو ان سے طالب حق ہوگا تو وہ ان کے پاس حق کو پائے گا اور جو ان کے پاس ہدایت ڈھونڈھے گا وہ اپنے گا اور جو ان سے پناہ چاہے گا امن میں رہے گا اور جو ان سے تمسک رکھے گا وہ اس کو نجات دیں گے اور جو ان کی آفتاب کمرے گا وہ اس کی دہری فرمائیں گے۔ اے ابن سمرہ صلح کا خواہاں وہ شخص ہے جو اس سے صلح رکھے اور اس کے ساتھ دوستی رکھے اور ہلاک ہوگا وہ شخص جو اس کو رد کرت اور اس سے دشمنی رکھے۔ اے ابن سمرہ تحقیق علی مجتوب سے ہے اس کی روح میری روح ہے اور اس کی طینت میری طینت ہے وہ میرا بھائی اور میں اس کا بھائی ہوں۔ وہ میری پارہ بگرہ ناظمہ سیدۃ النساء العالمین کا شوہر ہے اُس سے میرے دو شہزادے میری امت کے دو امام ہوئے ان جنت کے سردار حسن و حسین ہیں نیز اسی سے (حسین کی اولاد سے) نو امام ہوں گے۔ ان کا نواں میری امت کا قائم ہے جو روئے زمین کو اس طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جس طرح کہ وہ علم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

بروایت کلینی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو بات جانو تو کہو اور جو نہ جانو نہ مانو نہ کہہ دو کہ اللہ بہتر جانتا ہے کیونکہ بعض اوقات انسان ایک آیت کو لیکر اس پر کچھ کہہ بیٹھتا ہے (اور حق سے) آسمان و زمین کے فاصلہ سے بھی دور جا پڑتا ہے۔

نیز بروایت ابن بابویہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے بسند اسناد آباء و اجداد طاہرین حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ (حدیث قدسی) میں ذاتِ احدیث کا ارشاد ہے وہ مومن نہیں جو میرے کلام کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اس کو میری معرفت نہیں جو مجھے میری مخلوق سے تشبیہ دے اور میرے دین پر نہیں وہ شخص جو میرے دین میں اپنے قیاس کو استعمال کرے۔

بہر کیف قرآن مجید کی تفسیر بالرائے کی حرمت کے متعلق اس حدیث منقولہ کتب عامہ و خاصہ سے بہت زیادہ بلکہ حد تو اتنا کتب پہنچی ہوئی ہیں۔ سنی کہ وارد ہے کہ اگر تفسیر بالرائے واقع میں درست بھی ہو تب بھی اس کا کوئی ثواب نہیں آیت حکامات میں جہاں نہ اجمال ہو اور نہ کثرت معانی کا احتمال ہو۔ تفسیر بالرائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن جہاں اجمال ہو یا کثرت معانی کا احتمال ہو وہاں اپنی جانب سے اس اجمال کا بیان بطور یقین کے یا ایک قول کی ترجیح بجز قول معصوم کے تفسیر بالرائے ہوگی جو حرام ہے۔

علامہ شیخ مرتضیٰ انصاری قدس سرہ نے رسائل میں تفسیر بالرائے کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اپنی نظر قاصر اور عقل ناظر سے لفظ کو خلافت ظاہر پر محمول کرنا یا دو چند احتمالات میں سے ایک کو ترجیح دینا۔ چنانچہ اسی کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لوگ متشابہات میں ہلاک ہو گئے کیوں کہ وہ معنی کی حقیقت پر اطلاع نہیں رکھتے۔ پس اپنی رائے سے اس کی تاویل وضع کرتے ہیں اور اوصیاء علیہم السلام سے سوال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ تاکہ وہ ان کی اس معاملہ میں صحیح رہنمائی فرمادیں۔

(۲) دلائل عقلیہ، قرآنی، نقلیہ اور احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کئے بغیر بادی الراء میں جو معانی لغویہ یا مطالب عرفیہ نظر آئیں اسی پر معنی کو حمل کر لینا۔

عقل بھی اسی چیز کا مؤید ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنا ممنوع ہو کیونکہ قرآن مجید کی حیثیت مثلی عام مکتوبات کے نہیں کہ جو بھی اٹھا کر پڑھے مطلب سمجھ لے۔ بلکہ عام مکتوبات میں بھی تمام مندرجہ امور کا احاطہ سوائے مکتوب الیہ کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بعض اوقات بعض باہمی اصطلاحات یا رموز و اشارات و کنایات وغیرہ کا اندراج ہوتا ہے جن کو بغیر مکتوب الیہ کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ پھر خالق کا کلام ہر شخص کیسے سمجھ سکتا ہے۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید جب ہماری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور اس کے خطابات اور منوایں کا تعلق بھی ہم سے ہی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم کو وہ سمجھ نہ آئے؟ اور ہماری ہدایت کے لئے ایسی کتاب بھیجی کیوں گئی جس کو ہم سمجھ نہ سکیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک قرآن مجید ہماری ہدایت کے واسطے ہے اور اس میں مندرجہ اور منوایں کا تعلق بھی ہم سے ہے لیکن چونکہ ہمارے مواد کثیفہ میں اس قدر ہدایت نہیں کہ فیوض انوار قدسیہ الہیہ سے براہ راست استفادہ کر سکیں۔ اور اس کے خطابات کے مفہم کا از خود ادراک صحیح کر سکیں۔ لہذا اس نے اپنے کمال لطف سے اس کے سمجھانے والے بھی بھیج دیئے اس کی حکمت عملی پر اعتراض تو تب ہوتا کہ اس نے اپنے خطابات کی توضیح و تشریح کرنے والا کوئی نہ بھیجا ہوتا جب اس نے اپنی پاک کلام کے مدرس خود منتخب فرما کر بھیج دیئے تو ہم کیوں نہ مطالب قرآنیہ کا استفادہ ان سے کریں؟ اگر ہم میں سے اس کے خطابات سے صحیح استفادہ کرنے کی صلاحیت تھی تو جناب رسالت کو خصوصی عہدہ نبوت دے کر خدا کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر تو ہم بھی ان جیسے ہوتے اور یکساں طور پر قرآن کی فرمائشات کو سمجھ کر عمل کرتے۔ مثال کے طور پر ظاہری حکومتوں کے ضوابط و قوانین کی طرف نگاہ کیجئے۔ صدر مملکت یا بادشاہ کی طرف سے نافذ شدہ احکام و ضوابط تمام رعایا کے لئے یکساں طور پر ہوا کرتے ہیں۔ لیکن ضلع دار یا صوبہ دار عہدہ داران حکومت کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور وہ عہدہ دار اپنے ماتحت عمالہ ملازمین کے ذریعے سے تمام افراد رعایا تک پہنچا دیا کرتے ہیں۔ اگرچہ قوانین و ضوابط شائع کر دیئے جاتے ہیں۔ کتابوں میں چھپ کر عام ہو جاتے ہیں ہر شخص خرید کر مطالعہ بھی کر سکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ رعایا کا ہر فرد ہر قانونی نکتہ کو سمجھ سکے یا اس کے ہر ضابطہ کی اصطلاح کو جان سکے۔ بہر کیف اس کی مخصوص اصطلاحات اور مفہم نکات کے سمجھنے اور جاننے کے لئے حکومت کے مقرر کردہ خصوصی ذمہ دار یا حکومتی قانونی مدارس کے سند یافتہ اشخاص کے دروازہ پر دستک

دیجی پڑے گی۔ ورنہ صرف قانونی کتاب کا اٹھا کر بغل میں دبا لینا کافی نہیں اور جو لوگ یہ کہیں کہ ہمیں صرف کتاب کافی ہے انہیں دنیا واسے بیوقوف سمجھتے ہیں۔ جب انسانوں کی تکھی ہوئی اور انسانوں کی بنی ہوئی کتاب بغیر سرکاری کتاب دان کے ہمارے لئے سود مند نہیں تو خدا کا کلام بغیر خدائی کالج کے سند یافتہ افراد کے یا بغیر عہدہ داران حکومت الہیہ کے ہمارے لئے کیونکر کافی ہو سکتا ہے؟ نیز حکومت ظاہر یہ میں قانون دان اور کتاب قانون کا عالم وہ نہیں ہوا کرتا جس پر رعایا کے چند افراد مل کر قانون یا عالم کتاب کا اطلاق کرنے لگ جائیں یا اس کو کسی سرکاری عہدہ سے پکارتے لگ جائیں اور ایسا کرنے والے سب مجرم قرار دئیے جاتے ہیں بلکہ قانون دان وہ ہے جس کو حکومت کی طرف سے یہ اعزاز حاصل ہوا اور عہدہ دار بھی وہ ہے جس پر حکومت کی طرف سے نص ہو۔ پس خدا کی کتاب کا عالم اور اس کی جانب سے مبلغ کتاب وہی ہوگا۔ جس کو وہ خود انتخاب فرمائے۔

قرآن مجید میں خداوند کریم نے جو صریح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ اس میں حکمت بھی ہیں اور تشابہات بھی ہیں لیکن دل جن لوگوں کے کج ہیں وہ فتنہ کی غرض اور تادیل کی خواہش سے تشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں حالانکہ ان کی تادیل کو سوائے اللہ کے اور راسخین فی العلم کے کوئی جانتا ہی نہیں اور صاف ارشاد فرمایا۔ **فَاسْتَشِوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** جو تم خود نہیں جانتے اہل ذکر سے دریافت کر لیا کرو (عبدالرحمن بن کثیر سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین اور علیہم السلام ہی راسخین فی العلم ہیں۔

ابو الصباح کتانی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہم ہی راسخون فی العلم ہیں

ابو بصیر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ہم راسخون فی العلم ہیں۔ پس ہم ہی اس کی تادیل کو جانتے ہیں۔

ان کے علاوہ اہل محمد کے علم کے متعلق پہلے عنوانات میں کافی احادیث نقل کی جا چکی ہیں اور آئندہ عنوانات کے تحت بھی بہت کچھ ذکر ہوں گی پس تادیل قرآن میں اہل محمد کی رہبری کے بغیر چلنا قرآن کی حقیقت سے دُوری کا موجب ہے۔ اور خدا اور رسول کی ناراضگی کا پیش نیچہ ہے۔

ہمارے مجالس خوان بعض حضرات اس معاملہ میں نہایت لاپرواہی سے کام لیتے ہیں بلکہ دنیاوی چند روزہ عارضی نفع کی خاطر بعض لوگ تو اس امر کے انتہائی طور پر دلدادہ ہیں کہ انہیں عالم قرآن کہا جائے۔ چنانچہ ہر دور میں ایسے افراد کی بہتات رہی ہے بلکہ قرآن مجید کے دعویٰ کا دُطلب و لا ینس الا فی کتابِ مُبین کو دیکھ کر تو ہر کہ دماغ میں یہی جنون سما یا ہے کہ ہر ممتاز عارفیہ امر کو قرآن ہی سے حل کیا جائے اور جو بلا ناما شخص ان کے سامنے اپنی طرف سے ادھر ادھر کی رطب و یابس بلا کر تادیل قرآن ان کے مطلب کے موافق کر دے تو داد و تحسین اور واہ وا کے شور سے فضا گونج اٹھتی ہے اور ایسا شخص واقعی عالم قرآن سمجھا جاتا ہے اور کبھی عوام کے سامنے یہ بات کہنے کی جرأت نہیں کرتا کہ میں فلاں بات نہیں جانتا کیونکہ وہ اس بات میں اپنی توہین سمجھتا ہے۔ اپنی بے علمی سے قرآن کی توہین کرتا ہے تو پرواہ نہیں لیکن بے علم کہلانے میں اپنی توہین ملحوظ ہوتی ہے جو قابل برداشت نہیں ہوتی اور یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اگر ایک عالم بعض مطالب قرآنیہ میں صحیح نظر ہے

فضلا سے وہی نسبت حاصل تھی۔

علامہ امینی نے اس سلسلہ میں کتب مخالفین سے بہت کافی آثار نقل کئے ہیں جناب رسالتناہ کا ارشاد ہے۔

میرے بعد میری امت کا بڑا عالم علی بن ابی طالب ہے۔

علی میرے علم کا ظرف اور میرا وصی اور میرے پاس پہنچنے کا دروازہ ہے

علی میرے علم کا دروازہ اور میری امت کے لئے ان چیزوں کے بیان

کرنے والا ہے جن کے لئے میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

علی میرے علم کا خازن ہے۔

ان کے علاوہ بہت سی روایات بالفاظ مختلفہ متعدد کتابوں سے انہوں نے نقل فرمائی ہیں جو حد تو اترا تک پہنچتی ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ اکابر صحابہ مسائل مشککہ میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے دروازہ پر جبہ سائی کا شرف حاصل کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے تھے اور حل مسائل کے بعد آنحضرت کی علمی سبقت اور اپنی بے مانگی کا کھلے لفظوں میں اعتراف کر لیا کرتے تھے چنانچہ علامہ موصوف نے حضرت عمر کا اعتراف مختلف تعبیرات کے ساتھ متعدد کتب مخالفین سے نقل فرمایا ہے۔

اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

اے اللہ مجھے ایسے مشکل مسئلہ کے لئے زندہ نہ رکھ جس کے حل کرنے

کے لئے علی موجود نہ ہوں۔

ہم میں بڑا قاضی علی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد جہات میں ہیں جو اندیز کے مطالعہ سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

دیگر صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عباس (احب الامت) کا قول ہے۔

میرا اور جناب رسالتناہ کے تمام صحابہ کرام کا علم علی کے علم کے مقابل میں ایسا ہے جیسا کہ ایک قطرہ آب سات سمندروں کے سامنے۔

مَا عَلِيٌّ وَعِلْمُهُ أَصْحَابِ مُصَدِّقِي عِلْمِ

عَلِيٍّ إِلَّا كَقَطْرَةٍ فِي سَبْعَةِ أْبْحُرٍ

نیز عبداللہ بن سعود کا قول ہے۔

إِنَّ الْقُرْآنَ أُنزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ مِمَّا مِنْهَا

حَرْفٌ إِلَّا وَلَهُ فَهَمْزٌ وَبَطْنٌ وَإِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ

عِنْدَهُ مِثْلُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ -

تحقیق قرآن مجید سات حرفوں پر نازل ہوا ہے اور ان میں سے ہر حرف کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور حضرت علی بن ابی طالب کے پاس

ان کے ظاہر و باطن کا علم ہے

۱۔ مناقب خوارزمی و کنز العمال ج ۶ ص ۷ شمس الاخبار ص ۶ کنز العمال ج ۶ ص ۷ شرح ابن ابی الحدید ص مناقب خوارزمی الرياض النضرة مطالب السؤل وغیرہ

۲۔ مناقب خوارزمی وغیرہ استنباط تاریخ ابن عساکر مفتاح السعادة ص ۷

یہ روایت سات قرأتوں کے عنوان کے ذیل میں بیان کی جا چکی ہے۔

ان کے علاوہ اور کئی اکابر صحابہ کا انہوں نے ذکر کیا جنہوں نے حضرت علیؑ کی اعلیت کا اعتراف کیا ہے۔ اسی طرح بہت بڑی تعداد ہے ان صحابہ کرام کی جنہوں نے جناب رسالتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے اور گھروں میں دروازوں سے ہی آیا جاتا ہے اور بعض روایات میں یہ لفظ ہیں۔

جو شہر میں آنا چاہے اس کو دروازہ سے آنا چاہیے۔

جو دروازہ کے سوا شہر میں داخل ہونے کا وہم و گمان کرنے۔ وہ

جھوٹا ہے۔ دروازہ کے بغیر شہر میں داخل ہونے کی صورت

ہی نہیں۔

جو علم کا خواہش مند ہو پس وہ دروازہ سے ہی آئے۔

اسی طرح روایات میں مدینۃ العلم، دار الحکمتہ، دار العلم اور مدینۃ الفقہ کے الفاظ کا اختلاف بھی ہے۔ علامہ امینی نے ایک سورتائیس^{۱۲} علمائے اہلسنت کی فہرست لکھی ہے جنہوں نے باسناد صحیحہ یہ حدیث نقل کی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا ایک فرمان بھی

میں اصبح بن نباتہ سے مروی ہے کہ جب حضرت علیؑ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور لوگ بیعت کر چکے تو آپ جناب رسالتؐ

کا علم سر پر اور آنحضرت کی چادر دوش اطہر پر اور نعلین رسول الثقلین زریب پا اور تلوار سرکار رسالتؐ کر سے آراستہ کر کے

مسجد نبوی میں تشریف لائے آتے ہی منبر رسالت پر جلوہ افروز ہوئے اور اطہیان سے بیٹھ کر ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ

کی انگلیوں میں ڈال کر دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھ لئے اور فرمایا۔

اے لوگو مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ یہ علم کا جوہر ہے

یہ رسول اللہ کا لعاب ہے۔ یہ علم مجھے رسالتؐ نے اس طرح سکھایا

ہے۔ جس طرح پرندہ اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے۔ تحقیق میرے

پاس اولین و آخرین کا علم ہے آگاہ ہو! اگر میرے لئے تکیہ لگا

دیا جائے پس میں اس پر بیٹھ جاؤں تو اہل تورات کو تورات

سے ایسا فترے دوں کہ تورات خود بول اٹھے گی۔ اور

کہے گی کہ سچ فرمایا

يَا مَعْشَرَ النَّاسِ سَلُونِي قَبْلَ أَنْ تَفْقِدُونِي

هَذَا سَقَطَ الْعِلْمُ هَذَا لَعَابُ رَسُولِ اللَّهِ هَذَا

مَا زَقَّقَنِي رَسُولُ اللَّهِ زَقًّا سَلُونِي فَإِنَّ عِنْدِي

عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ أَمَا وَاللَّهِ كَوْنِيَّتِي

لِي الْوَسَادَةُ فَجَلَسْتُ عَلَيْهَا لَأَقْتِي أَهْلَ

التَّوْرَةِ يَوْمَ اتَّهَمْتُ حَتَّى يَنْطِقَ التَّوْرَةُ فَتَقُولَ

صَدَقَ -

عَلَى مَا كَذَبَ لَقَدْ آتَيْنَاكَ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ فِي وَأَنْتَ فِي
 أَهْلِ الْإِنجِيلِ بِالْإِجْمَالِ حَتَّى يَنْطِقَ الْأَنْجِيلُ فَيَقُولَ
 صَدَقَ عَلَى مَا كَذَبَ لَقَدْ آتَيْنَاكَ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ
 فِي وَأَنْتَ فِي أَهْلِ الْقُرْآنِ بِقُرْآنٍ حَتَّى يَنْطِقَ
 الْقُرْآنُ فَيَقُولَ صَدَقَ عَلَى مَا كَذَبَ لَقَدْ آتَيْنَاكَ
 مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ فِي وَأَنْتَ تَشْتَكُونَ الْقُرْآنَ لَيْلًا
 وَنَهَارًا أَفَهَلْ يَكْفُرُ أَحَدٌ بِعِلْمِهِ مَا أَنْزَلَ فِيهِ
 أَنْ قَالَ، فَكُنْ سَلِيمًا فِي قَبْلِ أَنْ تَقْعُدَ وَفِي
 قَوْلِ الَّذِي خَلَقَ الْحَبَّةَ وَنَبَّ النَّسْمَةَ كَوَسَّعَ مُرُوفِي
 عَنْ آيَةِ آيَةٍ فِي لَيْلِي تَرَكَتْ أَوْ فِي نَهَارِي تَرَكَتْ
 مَلِيحًا وَمَدِيحًا وَسُفِيحًا وَحَضِيحًا وَنَارِيحًا
 وَمُسُوخِيحًا وَمُخَلَّوْحًا وَمُنْقَاشِيحًا وَتَاوِيلِيحًا
 وَتَرْوِيلِيحًا الْأَخْبَرُ كَقَوْلِ الْعَرَبِ وَأَنْتَ الْخَوَلِي
 قَالَ سَلِيمًا فِي قَبْلِ أَنْ تَقْعُدَ وَفِي قَائِلِي
 حَوَالِي عَلِيمًا جَلِيلًا

عَلَى مَا كَذَبَ اور جھوٹے نہیں کہا اور تم کو وہ فتویٰ دیا ہے
 جو مجھ میں خدا نے نازل فرمایا ہے اور انجیل والوں کو انجیل سے ایسا
 فتویٰ دوں کہ خود انجیل بکا کر کہے گی کہ علی نے بائبل درست کہا اور
 لفظ نہیں کہا اور تمہیں ایسی چیز کا فتویٰ دیا جو خدا نے مجھ میں نازل فرمائی
 ہے اور قرآن والوں کو قرآن سے اس طرح فتویٰ دوں گا کہ خود قرآن بکا
 کر کہے گا کہ علی نے درست فتویٰ دیا ہے اور جھوٹ نہیں کہا اور تمہیں ایسے امر
 کا فتویٰ دیا ہے جو خدا نے مجھ میں نازل فرمایا ہے۔ حالانکہ تم بھی شب و روز
 قرآن مجید پڑھتے ہو کیا تم میں کوئی بھی ایسا ہے جو قرآن میں نازل شدہ تمام
 امور کو جانتا ہو و سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے، آپ نے قرآن مجید سوالیہ
 اور جوابی سے قبل اس کے کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں مجھے دانہ کو تکانہ اور روح کو
 پیدا کرنے والے کی قسم ہے کہ اگر تم مجھ سے ایک ایک آیت کے متعلق سوال
 کرو و سرت میں اتنی ہی بریادوں میں کہتی ہو یا ذوقی و سفری ہو کہ سفری و اسخ
 ہو یا مسوخ و حکم ہو یا مشابہ اور تاویل یا تنزیل البتہ میں تم کو سب سنا سکتا ہوں
 ایک اور جگہ فرمایا مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ مجھے فریاد تحقیق میری
 پسلیں کے اندر علم کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

حضرت امیر المؤمنین کے دعویٰ معلوم کو سن کر خلیفہ دوروں کے ملاؤں کے منہ میں پانی پھر آیا اور جسے منبر پر دعویٰ کی رٹ
 لگانی دیکھ کر تباہ اندیشی رہی داعی اور کوہ پالمی کہ منظر عام پر آئے کہ نور اللہ ہی اپنے الفاظ دلچسپ نے پر مجبور کر دینے گئے
 پس حد و عناد کی آگ دل میں، تعصب کی پٹی آنکھوں پر، غضب خدا کا وبال سر پر اور رسوائی اور مخالفت کا طوق گردن میں پہن کر
 منبر سے ان کو نیچے اترنا پڑا۔ سبط ابن جوزی کا واقعہ عام مشہور ہے اس کے علاوہ امام غزالی بہت سے لوگوں نے طبع آزمائی کی اور
 رسوائی پائی و الحمد للہ بہر کفایت میرا نسخ ہو گیا کہ علوم قرآنیہ البیت عصمت کے اسی پائے میں درہم ذوالن منہ حاصل کئے بغیر کسی شخص کو
 قرآن مجید کی تاویل یا متعدد احتمالات میں سے بعض کی تزییح میں ذاتی رائے دینے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ انا انہما
 ائمہ ظاہرین کی فرمائشات کے علاوہ شباب رسالتک سے قریب تواتر کے مستوال ہے۔ مکتبہ دارالقرآن بڑا یہ
 فلیکتبوا من بعدہ من الشارح رہے جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ اپنی جگہ بہتر ہیں سمجھے نہ آجنا ونا اللہ وین
 التاریخاً مکملہ و الیہ

حدیث اِنِّی تَارِكٌ فِیْكُمْ الثَّقَلِیْنِ

عن مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ تركت فيكم ما ان تمسكتم بهما كنتم تقبلوا بعدي الثقلين احد هما الكبر من الاخرة كتب الله حبلى ممدودا ومن السماء الى الارض وعترتي اهلبيتي وانهما كن يفترقا حتى يودا على العوضين

عن صحيح المسلم عن زيد بن ارقم في حديث طويل قال قال رسول الله ﷺ ما لفظت ابي تارك فيكم الثقلين اولهما كتاب الله وفيه التوراة فخذوا بكتاب الله واستمسكوا به (الى ان قال) واهلبيتي اولكم الله في اهلبيتي فقال حصين ومن اهلبيتيه؟ فقال ليس ذاك اهلبيتيه ولكن اهلبيتيه من حرمته عليه عهد الصدقة

عن التفسير الثعلبي في تفسير قوله واعتصموا بحبل الله عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ انما من تركت فيكم الثقلين حلیفتی ان احدهما کبر من الاخرة كتب الله حبلى ممدودا ومن السماء الى الارض وعترتي اهلبيتي وانهما كن يفترقا حتى يودا على العوضين

ابن سعید الخدری سے روایت ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ جناب رسالت اکرم نے فرمایا میں نے تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر ان سے تم تک رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ثقلین (قرآن و پیغمبری) ہیں۔ ایک دوسری سے بزرگ تر ہے کتاب اللہ جو آسمان سے زمین تک سہی رہتی ہے اور میری عترت اہلبیت پر دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ عرض کوثر پر دونوں میرے اوپر وارد ہوں گے۔

صحیح مسلم سے روایت زید بن ارقم ایک حدیث طویل میں جناب رسالت اکرم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ پہلی ان دونوں میں سے اللہ کی کتاب جس میں نور اہلبیت ہے پس اللہ کی کتاب لو اور اس سے تم تک پھر لو۔ آپ نے فرمایا اور میرے اہلبیت اور اپنے اہلبیت کے متعلق تم کو اللہ کا واسطہ دینا ہوں (طویل حدیث) حصین (نے زید بن ارقم سے پوچھا کہ اہلبیت رسول کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں اہلبیت نہیں؟ اور زید نے جواب دیا کہ انکی بیویاں اہلبیت نہیں بلکہ ان کے اہل بیت تودہ لوگ ہی جن پر صدقہ حرام ہے۔

تفسیر ثعلبی سے واعتصموا بحبل الله کی تفسیر میں روایت ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ جناب رسالت اکرم نے فرمایا میں نے لوگوں میں سے دو کراؤں باندھنا شروع کی ہیں۔ اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ میرے بعد ان میں کا ایک دوسرے سے بڑا ہے کتاب اللہ جو آسمان سے زمین تک ایک جمل محدود ہے اور میری عترت اہل بیت پر دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ عرض کوثر پر میرے اوپر دونوں وارد ہوں گے۔

ابن مغزیلی سے روایت زید بن ارقم منقول ہے کہ جناب رسالت اکرم نے فرمایا میں تم سے پہلے عرض کوثر پر وارد ہوں گا۔

اور تم سے سوال کروں گا۔ کہ تم نے ثقلین کے ساتھ کیا کیا زید بن ارقم کہتا ہے (کہ ہمیں ثقلین کا مطلب معلوم نہ تھا تو ہماجرین میں سے ایک شخص اٹھا اور کمرے ہو کر عرض کی کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں۔ ثقلین سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا ان میں سے بزرگ تر اللہ کی کتاب ہے جس کا ایک کنارہ اللہ کے پاس ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کے ساتھ تم تک پہنچو اور اس پر اعتراضات نہ کرو اور ان میں سے دوسری جو چھوٹی چیز ہے وہ میری عترت اہل بیت ہے۔ پس جو لوگ میرے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں اور میری باتوں پر ایمان رکھیں۔ ان پر لازم ہے کہ ان کو قتل نہ کریں اور ان پر ظلم بھی نہ کریں یہاں تک کہ ارشاد فرمایا کہ ان کا ناصر میرا ناصر اور ان کا مخالف میرا مخالف اور ان کا دشمن میرا دشمن ہوگا (الحدیث) اقوال۔ حدیث ثقلین کتب فریقین میں تو اتر سے نقل کی گئی ہے۔ تمام آثار جو اس حدیث شریف کے متعلق وارد ہیں۔ کا جمع کرنا مناسب نہیں ہے اور صرف ترجمہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ تاکہ زیادہ طول نہ ہو

(۱) جابر بن زید جعفی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالت نے لوگوں کو مقام منیٰ پر بلایا اور فرمایا۔ ایہا الناس! میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر ان سے تم تک پہنچو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری میری اہلبیت یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے۔ پھر فرمایا اے لوگو! میں تم میں اللہ کی تین برکتیں چھوڑ رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اپنی عترت اہل بیت اور کعبہ بیت الحرام۔ اس کے بعد امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ پس کتاب اللہ کی لوگوں نے تحریف کرنی اور کعبہ کو گرا دیا۔ اور عترت کو قتل کیا۔ گویا اللہ کی تمام امانتوں کو پس پشت ڈال دیا۔ اقوال۔ تحریف سے یہ مراد نہیں کہ قرآن کے الفاظ تبدیل کر دیئے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنی ذاتی رائے سے تاویلات ناسدہ اور استحسانات عقلیہ پر اعتماد کر کے معانی قرآن کو بدل ڈالا اور ان میں اپنی من مانی کر لی۔ اگر اہلبیت کے دواڑہ پر آتے اور ان سے قرآن کو سیکھتے تو یہ خرابیاں نہ ہوتیں)

(۲) ابن بابویہ سے کتاب النصوص علی الامۃ میں عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسالت کو فرماتے سنا۔ ایہا الناس! حوض کوثر کے کنارے تم میرے پاس پہنچو گے (جس کی وسعت صنعا سے بصرہ تک کے برابر ہے) وہاں چاندی کے پیالے ستاروں کی تعداد کی مثل ہوں گے۔ جب تم میرے پاس پہنچو گے۔ تو میں تم سے ثقلین کے بارے میں سوال کروں گا۔ دیکھنا ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہو۔ سبب اکبر اللہ کی کتاب ہے جس کا ایک کنارہ اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کے ساتھ تم تک پہنچو اور اس کو تبدیل نہ کرو اور دوسری میری عترت اہلبیت ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے (راوی کہتا ہے) میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کی

لے البران علیہ یہ روایت کو بطریق اہل بیت منقول نہیں۔ لیکن چونکہ کتب امامیہ سے منقول ہے۔ اس لئے اس کو ان احادیث کے ضمن میں نقل کیا گیا ہے۔ (حسین بخش عفی عنہ)

عترت کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ میرے اہلبیت جو علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد سے ہیں اور نو شہزادے جو حسینؑ کی پشت سے ہوں گے۔ یہ آئمہ ابرار ہیں اور یہی میری عترت ہیں۔ میرے گوشت اور خون سے ہیں۔

(۳) نیز اسی کتاب میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؑ سلام سے دریافت کیا گیا کہ حدیث ثقلین میں عترت سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا میں حسنؑ حسینؑ اور نو امام حسینؑ کی پشت سے جن کا نواں مہدی قائم ہوگا۔ یہ ہرگز کتاب اللہ سے مبرا نہ ہوں گے اور کتاب اللہ ان سے مجزا نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر جناب رسالتاؑ کے پاس پہنچیں گے۔

(۴) اسی کتاب میں حذیفہ سے روایت ہے (بعضوں سابق) یہاں تک کہ فرمایا رسالتاؑ نے کہ حوض کوثر پر جب تم میرے پاس پہنچو گے۔ تو بعض لوگ پیچھے ہٹ جائیں گے۔ میں کہوں گا۔ اے اللہ! یہ لوگ میری امت سے ہیں۔ تو جواب ملے گا۔ اے محمدؐ! کیا تجھے معلوم ہے جو کچھ انہوں نے کیا؟ یہ لوگ تیرے بعد اپنے پچھلے نقش قدم پر پلٹ گئے۔ پھر نین بار ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اپنی عترت کے متعلق نبیؐ کی وصیت کرتا ہوں۔ پس حضرت سلمان نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے بعد کے آئمہ کا پتہ دیجئے۔ جو آپ کی عترت سے ہوں گے تو فرمایا۔ ہاں! میرے بعد آئمہ جو میری عترت سے ہوں گے۔

وہ نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے برابر ہوں گے۔ جن میں نو حضرت امام حسینؑ کی پشت سے ہوں گے۔ ان کو خداوند کریم نے میرا علم و فہم عطا فرمایا ہے تم ان کو نہ سکھانا۔ کیونکہ وہ تم سے اعلم ہیں۔ اور ان کے پیچھے چلنا۔ کیونکہ وہ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے۔

(۵) ابن بابویہ سے کتاب الغیبت میں زید بن ارقم سے روایت ہے کہ جناب رسالتاؑ جنتہ الوداع سے واپس آکر غدیر خم پر اترے۔ اور چند درختوں کے نیچے بھاڑ دینے کا حکم صادر فرمایا۔ پس درختوں کے نیچے بھاڑ دیا گیا۔ (پس اپنے لوگوں کو بلایا۔ اور

ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ کی طرف سے گویا دعوت وصال پہنچ چکی ہے اور میں جانے والا ہوں۔ میں نے تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑی ہیں۔ ایک بڑی ہے دوسری سے۔ یعنی کتاب اللہ اور عترت اہل بیت۔ دیکھو ان کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کرتے ہو۔ وہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے مجزا نہ ہوں گے۔ حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے۔ اس کے بعد فرمایا۔ تحقیق اللہ

میرا مولا ہے اور ہر مومن اور مومنہ کا میں مولا ہوں۔ پھر علیؑ بن ابی طالب کے ہاتھ سے پکڑا اور فرمایا جس کا میں دلی ہوں اس کا علیؑ دلی ہے (پھر دعا مانگی) اے اللہ جو علیؑ کے ساتھ مولات رکھتے تو اس کو دوست رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھتے تو اُسے دشمن رکھ (عامر بن واثمہ راوی حدیث) کہتا ہے کہ میں نے زید بن ارقم سے دریافت کیا کہ کیا تو نے جناب رسالتاؑ سے خود سنا تھا؟ تو اس نے جواب دیا کہ اُن تمام درختوں کے نیچے کوئی مرد ایسا نہ تھا۔ جس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہ ہو اور کانوں سے سنا نہ ہو۔

(۶) عیسیٰ بن معمر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو کعبہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص مجھے پہچانتا ہے۔ وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو مجھے نہیں پہچانتا تو وہ اب سے جان لے کہ میں ابوذر جنڈب بن السکن ہوں میں نے اپنے کانوں) جناب رسالتاؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کتاب اللہ اور

تعداد آئمہ

تعداد آئمہ

تعداد آئمہ

عشرت اہلبیت - یہ مرکز جہاں سے جہاں نہ ہوں گے - یہاں تک کہ جو من کو تڑپا دے اور ان دونوں کی مثال کشتی نوح جیسی ہے جو سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ فرق ہو گیا۔

(۷) بروایت سلیمان بن قیس ہلالی حضرت امیر المؤمنین سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا - خدا نے ہمیں پاک معصوم - شہید علی الخلق اور اپنی طرف سے حجت بنایا اور ہمیں قرآن کے ساتھ اور قرآن کو ہمارے ساتھ قرار دیا۔ ہم قرآن سے جدا نہ ہوں گے اور قرآن ہم سے جدا نہ ہوگا یہ روایت اصل عبارت کے ساتھ معجز نما کی بمنزرت) کے عنوان سے گذر چکی ہے۔

(۸) بروایت ذیل زید بن ثابت سے مروی ہے کہ جناب رسالتا کی نے فرمایا میں دو گرانقدر چیزیں تم میں جوڑنے والا ہوں۔ کتاب اللہ اور علی بن ابی طالب اور علی تمہارے لئے کتاب اللہ سے افضل ہے کیونکہ یہ کتاب اللہ کا ترجمان ہے بلکہ یہی ہے (۹) کتاب روشتہ الاعظمیٰ سے بروایت امام محمد باقر علیہ السلام منقول ہے کہ جناب رسالتا کی نے ایک خطبہ کے دوران میں

جو مسجد کوفہ میں ارشاد فرمایا تھا جس میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی خلافت پر نص فرمائی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ تحقیق علی اور اس کی طیب اولاد نقل اصغر ہیں اور قرآن نقل اکبر ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ترجمان اور مہین ہے۔ یہ دونوں ایک

دوسرے سے مرکز جہاں نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ جو من کو تڑپا دے خدا کے امر و حکم، جو زمین سے متعلق ہیں، کے ساتھ وارد ہوں گے تحقیق اللہ نے فرمایا اور میں نے اس کی طرف سے پہنچایا۔ آگاہ ہو تحقیق میں ادا کر چکا۔ آگاہ رہو میں پہنچا چکا۔ آگاہ ہو تحقیق میں پہنچا چکا۔

آگاہ ہو تحقیق میں واضح کر چکا۔ آگاہ ہو تحقیق امیر المؤمنین سوائے میرے اس بجائی کے اور کوئی نہیں اور اس کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں کہ امیر المؤمنین کہلائے۔ پھر اپنا ہاتھ مبارک حضرت علی کے بازو میں ڈال کر ان کو بلند فرمایا۔ پس حضرت امیر المؤمنین

علیہ السلام ہی پہلے وہ شخص ہیں جن کو رسالتا کی نے بلند فرمایا اور اس قدر بلند کیا کہ حضرت علی کے پاؤں مبارک حضرت رسالتا کی کے گھٹنوں کے برابر ہو گئے تفسیر برہان میں پچاس سے زائد حدیثیں اسی مضمون کی نقل کی گئی ہیں۔ بعض احادیث میں نقلیں کی

وجہ تسمیہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ تسک پڑنا چونکہ تعقیل ہے اس لئے ان کو نقلین کہا گیا ہے۔ یہ واضح ہے کہ قرآن مجید کو نقل اکبر اور اہلبیت کو نقل اصغر کی لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن مقام اطاعت میں حضرت

علی اور اس کی اولاد طاہرین افضل ہیں۔ کیونکہ یہ ناطق ہیں اور وہ صامت ہے۔ قرآن مجید پر ان سے دریافت کر کے عمل کرنا ہے پس ان کی اطاعت ہی قرآن کی اطاعت ہے اور اسی مطلب کی تائید دینی کی گذشتہ روایت سے ہوتی ہے۔

بالجملہ - قرآن اور اہلبیت میں لازم و ملزوم کی حیثیت ہے اور ہمیں ان ہر دو کے ساتھ یکسانیت سے تسک پڑنے کا حکم ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کا انکار کفر ہے اور بغیر ان دونوں کی اطاعت کے خدا و رسول کی رضا کا حاصل کرنا قطعی ناممکن ہے۔

بلکہ ان دونوں میں سے ایک سے کنارہ کش ہو کر دوسرے کا دعویٰ کرنا فضول محض اور فلتان سانی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ مزید توضیح چونکہ مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے ناقابل تبیخ دستور العمل ہے اس کے

فیصلہ مات آخری اور قطعی ہیں۔ جن میں ترسیم تک کی کسی کو مجال نہیں۔ اب عقل سلیم خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ جب کوئی بھی

دستور بغیر دستور چلانے والے کے مفید و کار آمد نہیں ہوتا تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ دستور خداوندی تنہا کافی قرار پائے۔ اگر یہ تنہا کفایت کر سکتا تو ابتداء سے کسی لانے والے کی کیا ضرورت تھی؟ خداوند کریم کے لئے ممکن تھا کہ وہ براہ راست کسی طریقہ سے ہر انسان کے پاس اپنا قانونی ضابطہ بھیج دیتا اور ہر انسان اسی ضابطہ پر عمل کر کے راہ نجات حاصل کر لیتا۔ پھر ایک لاکھ پوبیس ہزار نبی و رسول بھیجنے کا لبا چوڑا انتظام کرنے کی اس کو کیا ضرورت تھی؟ صرف صحف سادہ اور کتب الہیہ سے کام نکل سکتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں اور انسانی فطرت سے بہت بعید ہے کہ وہ صرف کتاب ہی پر عمل کر کے راہ نجات پر بغیر کتاب والے کے گامزن ہو جائے۔ اسی بنا پر خالق فطرت نے ضروری قرار دیا کہ کتاب کے ساتھ کتاب والا ہو۔ قانون کے ساتھ قانون دان ہو۔ جو لوگوں کو ایک طرف دعوتِ عمل دے اور دوسری طرف خلاف ورزی کرنے والے کو قانونی سزا دے۔ پس جس طرح قانون الہی کی وضع انسان کے بس سے باہر ہے بلکہ خود خدا ہی بنا کر بھیجتا ہے۔ اسی طرح اس کے مبلغ کا انتخاب بھی اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔ عام سکولوں میں جس طرح نصاب درسیہ اور کتب متعلقہ کا انتخاب افسر اعلیٰ کے اختیار میں ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح درجہ وار مدرسین کا انتخاب بھی اسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کسی کلاس کے لڑکے اپنی صف میں سے کسی ایک کا انتخاب نہیں کر سکتے زور نہ نتیجہ نہایت افسوس ناک ہوگا۔

حکومت رعایا کے لئے جو قوانین ان کے نظم و نسق اور فلاح و بہبود کے لئے وضع کرتی ہے۔ ان کی محافظت اور نگہداشت کے لئے متعلقہ افسر بھی خود ہی متعین کرتی ہے۔

اسی طرح اس مقام پر انتہائی بے راہ روی اور نا انصافی ہوگی۔ اگر کہا جائے کہ قوانین کی کتاب خدا کی طرف سے ہو۔ اور مبلغ کا انتخاب ہماری مرضی سے ہو۔ اگر سابق طریق انتخابات کو حیدر پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح انبیاء کا انتخاب لایا۔ خود اللہ نے ہی فرمایا تھا۔ اسی طرح ان انبیاء کے قائم مقام اوصیاء کا انتخاب بھی اسی نے ہی فرمایا۔ چونکہ گذشتہ انبیاء سب کے سب صاحبِ شریعت و حامل کتاب نہیں تھے۔ لہذا جن جن انبیاء کو کتاب و شریعت عطا فرمائی گئی۔ اس کے بعد دوسرے صاحب کتاب و شریعت آنے والے نبی کی آمد تک درمیان میں جس قدر نبی ہوا کرتے تھے گویا وہ عہدہ دار نبوت بھی تھے اور گذشتہ نبی کی شریعت کے منہاجب اللہ محافظ و نگہبان و مبلغ بھی تھے۔ ان کا انتخاب گذشتہ نبی کے لئے صاحبِ شریعت نبی کے اختیار میں نہیں ہوا کرتا تھا۔ بلکہ ان کو بھی خود خداوند کریم ہی اس عہدہ کے لئے نامزد فرماتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ جناب رسالت تک نہ ہی ہوا۔ اب حضور نے (نبی بعدی) بارشاد قدرت) فرما کر دروازہ نبوت کے قطعی طور پر بند ہو جانے کا اعلان فرمادیا۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا ہوتا تو آپ کے سکوت سے ناجائز فائدہ اٹھائے جانے کا کافی احتمال تھا۔ کیوں کہ قرآن مجید کے فرمان خاتم النبیین کی من مانی تائیدیں کرنا مدعیان نبوت کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا بلکہ جب لائبرٹی بعدی کی استغراقی اور عمومی نفی کی مضبوطی حاصل ہو چکی تھی تو ان کے متوالے اپنے تئیں غلطی و برداری یا امتی نبی کہہ لو گے ہی رہے تو خدا معلوم اس حصار کی عدم موجودگی میں تو نبوتوں کا بے پناہ سیلاب امت اسلامیہ کو کہیں سے

کہیں بہا کرے جاتا۔ بلکہ بہت ہی ممکن تھا کہ ہر طرح کا تعلیم یافتہ انسان بلکہ ہر با۔ راسخ آدمی اپنے آپ کو عہدہ نبوت پر فائز قرار دے کر ایک جماعت بنا لیتا۔

مہر کیف باتفاق امت اسلامیہ جناب رسالتاً پر سلسلہ نبوت کا خاتمہ ہوا۔ اور آپ کی شریعت اور کتاب کی صدقیامت قرار پائی۔ تو کس قدر تعجب نہیں بلکہ ایک ناممکن سا تصور ہے۔ کہ سابقہ قابل نسخ اور محدود شریعتوں کی تبلیغ اور ترویج کے لئے تو اللہ کی جانب سے عہدہ دار متعین ہوں اور ناقابل نسخ شریعت اور غیر محدود دین کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی انتظام نہ ہو۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ بات سنانی عدل و حکمت ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ جس طرح قرون سابقہ اور اہم سالہ میں صاحبان شریعت انبیاء کے قائم مقام نبی ان کی شریعت کے محافظ اور ان کے دین کے مبلغ ہوا کرتے تھے۔ اور وہ عالم شریعت و کتاب ہونے کے علاوہ پاک و معصوم بھی ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح آخری نبی سید الانبیاء کی قائم مقامی کا شرف جن کو ملے گا۔

وہ گونبی تو نہ ہوں گے (کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے) لیکن عالم کتاب و شریعت اور معصوم ضرور ہوں گے اور جس طرح ان قائم مقام انبیاء کا انتخاب و تقرر بید قدرت میں تھا۔ اسی طرح ان اوصیائے معصومین کا انتخاب اور تقرر بھی بید قدرت میں ہی ہے۔

جس طرح جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام صاحبان شریعت انبیاء سابقین سے افضل ہیں۔ اسی طرح ان کے اوصیائے معصومین کا انتخاب و تقرر بید قدرت میں ہی ہے۔

اوصیائے پیغمبر

ظاہرین جو درج شریعت اور مبلغین احکام قرآن ہیں۔ انبیاء کے قائم مقام اوصیاء سے افضل ہونگے اور جس طرح یہ قرآن کتب سابقہ اور صحف گزشتہ پر حاکم ہے۔ اسی طرح اس کے مبلغین اوصیائے رسالت ان کتابوں اور صحیفوں کے مبلغین پر حاکم ہوں گے۔ بلکہ اس قاعدہ سے اوصیائے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزشتہ صاحبان شریعت انبیاء سے بھی افضل ہوں گے۔ کیونکہ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک تمام انبیاء حضرت رسالتاً کے سامنے رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں تو ان کے اوصیائے ظاہرین کے سامنے بھی وہ بحیثیت رعایا کے ہوں گے۔

مثال کے طور پر۔ ایک ایک ملک میں ہر ہر ضلع و ریاست کا حکمران جس طرح پورے ملک کے بادشاہ کی رعایا میں شمار ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح ملک کے بادشاہ کے وزراء کا بھی وہ محکوم اور فرد رعیت شمار ہوتا ہے۔ ہر ضلع یا صوبہ و ریاست کا حاکم اپنے ماتحت پر حاکم ضرور ہے لیکن اپنے ملکی بادشاہ یا اس کے وزراء کا ماتحت ہونا بھی اس کی کسر شان نہیں بلکہ اس کے لئے مقام فخر ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ اپنے اپنے حدود و شرع کے اندر ہر نبی اپنی امت کا حاکم اور بادشاہ ہے لیکن جناب محمد مصطفیٰ کی عالمی نبوت کے مقابلہ میں چونکہ وہ بحیثیت امت اور رعایا کے ہے۔ لہذا آنحضرت کے اوصیاء و خلفائے ظاہرین علیہم السلام بھی ان کے سردار اور حاکم ہیں۔

بلکہ جہاں تک جناب رسالتاً کا دائرہ نبوت ہے وہاں تک ان کا دائرہ خلافت ہے اگر وہ عالمین کے لئے بشیر و نذیر ہیں تو یہی عالمین کے امام و امیر ہیں۔ لہذا تحت الشریعہ سے لے کر عرشِ علاتک اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت ہے تو اسی ساری کائنات میں آنحضرت کے اوصیائے ظاہرین کی خلافت و ولایت ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ رسالتِ نبوی کے بعد ظاہری مسندِ اقتدار خواہ کوئی سنبھال لے۔ حقیقت میں مسندِ رسالت کا اہل اور ملکِ خلافت کا تاجدار وہی ہوگا جس کا اقتدار عرش سے لے کر فرش تک مستم ہو اور جس کی غلامی میں انبیاء و معصومین اور ملائکہ مقربین سب داخل ہیں اور اس عہدہ جلیلہ کا اہل غیر معصوم تو یقیناً نہیں ہو سکتا۔ پس آلِ محمد ہی اس عہدہ پر فائز ہو سکتے ہیں اور چونکہ جناب رسالتِ نبوی کی شریعت کی حدود قیامت سے جا ملتی ہیں تو ان کے ادھیائے ظاہری کا سلسلہ بھی قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے اور وہ سب کے سب آلِ محمد ہی سے ہیں اس وقت سرکارِ رسالت کا آخری جانشینِ خلافتِ الہیہ کا آخری تاجدار اور سلکِ امامت کا بار ہواں در شہوار حضرت حجۃ العصر صاحب الامر امام زمان مہدی و ہادی علیہ وعلیٰ آباءہ السلام علیہ موجود ہیں۔ جو قرآن و شریعت کے حقیقی محافظ و نگہبان ہیں اور انہی کے وجود و مسعود کی برکات سے وجود کائنات باقی ہے۔ ایک وقت مقرر تک اللہ کی حکمت و مصلحت سے غائب ہیں۔ جب پردہ غیبت اٹھے گا۔ عالم ظاہر میں تشریف فرما ہوگا عالمی مسندِ اقتدار پر متمکن ہوں گے اور قرآن و شریعت کو نئی زندگی بخش کر پورے روئے زمین کو عدل و انصاف سے مہر دیں گے۔ جس طرح کہ ظلم و جور سے مہر چکی ہے اور ان کے وجود غائب سے دنیا اس طرح استفادہ کر رہی ہے جس طرح بادلوں میں چھپ جانے کے بعد سورج سے کیا جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ خدا کی طرف سے قرآن کا آجانا کافی ہے اور اس کے سمجھانے کے لئے صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی ہیں اور ان کے گذر جانے کے بعد ان کے جانشین کے تقرر کا اختیار تمام امتِ اسلامیہ کو حاصل ہے وہ جسے منتخب کر دے بس درست ہے کیونکہ سب امت باطل پر جمع نہیں ہو سکتی تو اس صورت میں وسعت نظری اور بلند حوصلگی سے یہ خیال کرنا ہوگا کہ کیا حضور رسالتِ نبوی کی حدود رسالت صرف مدینہ یا مکہ یا اطرافِ حجاز و عرب تک محدود ہیں اگر جواب نفی میں ہے تو پھر دامنِ انتخاب کو بھی حدودِ مملکتِ نبوت کی وسعتوں تک پھیلا نا پڑ جائے گا۔ کیونکہ حدودِ علاقہ اور حدودِ اقوام تک اگر ان کی نبوت محدود ہوتی تو انتخابات کو بھی اسی قدر محدود ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اگر حدودِ مملکتِ نبوت عرش سے فرش تک اور ناسوت سے لے کر ملکوت تک پھیلی ہوئی ہوں تو انتخابات کو صرف مدینہ تک بلکہ وہاں کے بھی گئے چنے چند افراد تک محدود کیوں کر دیا جائے؟

تاریخ بتلاتی ہے کہ مہبت سے صحابہ کرام اس انتخاب پر راضی نہیں تھے۔ جنہوں نے پُر زور احتجاجات بھی کئے اور ابھی اٹھائی لیکن و ہادی گئی۔ چنانچہ انصار نے سقیفائی اجتماع میں کھلا نعرہ لگایا تھا۔ لَا نُبَايِعُ إِلَّا عِدِيًّا یعنی ہم علی کے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت نہ کریں گے۔ (تاریخ طبری)۔ اب کسی کا برسرِ اقتدار آجانا اور اس کی حکومت کا مضبوط ہو جانا اور مخالف آواز کا مروج ہو کر دب جانا اور یہ ہے اور اس کو صحیح اور قانونی طور پر منتخب ماننا اور شے ہے۔ اربابِ تاریخ و سیر نے مسئلہ انعقادِ اجماع اور کیفیتِ خلیفہ سازی کو کافی بسط و تفصیل کے ساتھ معتبر ذرائع سے اپنی تصانیف میں مبرہن اور مدلل طور پر مرقعانہ انداز کے ساتھ ایسا واضح و عیان کیا ہے کہ منصف طبائع کو تلاشِ حق میں ذرہ بھر دقت نہیں رہتی چنانچہ

آغا سلطان مرزا کی کتاب "البلاغ المبین" جو بلند پایہ مصنف کی ایک قابل قدر تصنیف ہے۔ اس موضوع پر ہر پہلو سے تحقیقی بحث کرنے میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اور مصنف کے تاریخی معلومات میں یدِ طولیٰ کا پتہ دیتی ہے۔ اور اگر بنا پر تسلیم اس انتخاب کو درست مان لیا جائے تو پھر سوال پیدا ہو گا کہ دوسری خلافت کے تعین کے لئے اس طرز عمل کو کیوں ترک کر دیا گیا اور بطور نامزدگی کے تقرری عمل میں کیوں آئی۔

اگر پہلا طریق تعین (انتخابات) درست تھا تو اس کو ترک کرنا ناجائز تھا۔ پس دوسری خلافت غیر قانونی ہوگی اور اگر دوسرا طریقہ درست تھا یعنی نامزدگی (تو دونوں خلافتیں غلط ٹھہریں۔ پہلی اس لئے کہ وہ نامزد نہیں تھے اور دوسری اس لئے کہ جس نے نامزد کیا وہ خود غلط جانشین تھا لہذا (اس کو نامزدگی کا حق ہی حاصل نہیں تھا)

لطف یہ کہ تیسرے دور خلافت میں نامزدگی بھی نہ رہی بلکہ ایک شورائی کمیٹی بنا کر تقررِ غلیفہ کا حق ان کو دے دیا گیا اب اگر اس کو درست کہا جائے تو پہلے ہر دو طریق غلط تھے اور اگر پہلے غلط تھے تو یہ خود بخود غلط تھا کیونکہ انہی کا ایجاد کردہ تھا اب کوئی خاک سمجھے کہ نبی کی خلافت کا تعین کیسے ہونا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خلافت نبویہ با اقتدار طبقہ کے ذاتی رجحانات کے ماتحت نئے نئے طریق بدل کر تھے روپ میں نئے جنم لیا کرتی ہے اس کا نہ کوئی قاعدہ ہے اور نہ قانون بلکہ جو جس طریق سے اور جس طرز عمل سے مسند نشین ہو جائے درست ہے۔ اس بحث کو ہماری کتاب امامت و ملوکیت میں مفصل ملاحظہ فرمائیے۔

بالفرض اگر یہ کہا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر وہ سب طریق درست تھے اور سب پر اجماع امت کا اطلاق ہو گیا تو سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ کو نبی علیہ السلام کے بعد تھوڑے عرصہ تک محدود کیوں کر دیا گیا۔ جب نبوت کی حد قیامت ہے تو تقررِ خلافت بھی قیامت تک ہے۔ لہذا اس طرز عمل کو قیامت تک جاری رکھنا چاہیے۔ اگر عذر پیش کیا جائے کہ خلافت بعد میں اقتدار کا تختہ مشق بن گئی اور اقتداری رکاوٹیں انتخابات صحیح کی راہ میں حائل ہو گئیں تو ہم پوچھیں گے کہ یہ اقتدار جو عام انتخابات کی راہ میں روڑا بن گیا کیوں ناجائز ہے۔ اور وہ اقتدار جو عام انتخاب نہ ہونے کے باوجود اجماع کا ڈھنڈو لپٹا رہا کیوں جائز ہے یا ان دونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے؟

بہر حال یہ سوال اپنے مقام پر باقی ہے کہ دورِ اول کے اقتدار نے حدیثِ غدیر من کُنْتُ مَوْلَاكَ فَعَلَيْكُمْ مَوْلَاكَ کے سننے کے بعد نیز علیؑ کو رسالت کا اپنا حاکم (صحابہ) بطور رسم تاج پوشی بندھانے اور صحابہ کے رسوم مبارک باد ادا کرنے کے بعد عہد رسالت کو کیوں چھوڑا اور ولایت علیؑ سے منہ کیوں موڑا؟

اگر بنفس نفیس خود حضرت رسالتؐ اپنے ولی عہد کو لاکھوں کے مجمع میں نامزد فرمادیں تو خلافت کے انعقاد کے لئے ناکافی ہے اور امامت بعد میں انتخاب سے تقرر کرے (اور وہ بھی چند آدمیوں کا) یا نامزدگی کو طریق تقررِ خلافت قرار دے یا شورائی کمیٹیاں تشکیل دے کر کام نکال لے تو یہ سب کچھ درست اور کافی ہے (عجب ہے معیارِ خلافت) اگر جناب رسالتؐ

کی طرف یہ نسبت دی جائے کہ انہوں نے فرمایا تھا میرے صحابہ کا اجماع یا میری امت کا اجماع حق ہے یا یہ کہ میری امت باطل پر کبھی جمع نہ ہوگی یا یہ کہ میرے صحابہ واجب الاتباع ہیں۔ دالی غیر ذالک۔ تو ہمیں دریافت کرنے کا حق حاصل ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بعض صحابہ کا اجتماع یا بنا بر تسلیم تمام اہل مدینہ کا اجماع دگر حضرت علیؑ اور بعض دیگر اکابر صحابہ شریک نہ ہوئے تھے (اگر حق اور واجب الاتباع ہے تو میدان غدیر میں ایک لاکھ سے زائد لوگوں کا اجماع جن میں کئی۔ مدنی طائفی۔ یمنی۔ مصری۔ بصری کوفی دشامی وغیرہ اطراف مملکت اسلامیہ کے افراد موجود تھے اور خود بنفس نفیس حضرت رسالتؐ بھی تشریف فرمائے اور شریک اجماع بلکہ محرک اجماع تھے اور تحریک اجماع بحکم آیت **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ** واقع ہوئی اور جناب رسالتؐ نے اپنی زبان وحی تر جان سے اس کی ابتداء فرمائی اور تمام صحابہ نے برضائے تام بلا پس و پیش فر ارض بیعت و مبارکباد ادا کئے۔ رسم تاجپوشی بھی ادا ہوئی تو بتائیے آنا زبردست اجماع کیوں ٹھکرا دیا گیا؟

سب کچھ سہی لیکن اب جبکہ ممالک اسلامیہ دینی مقاصد سے دُور جا رہے ہیں۔ قرآن کا پُرساں حال کوئی نہیں اسلام پر مخالفین اسلام آوازیں کس رہے ہیں۔ تمام عالم اسلامی نہایت بے چینی سے وجود حضرت قائم آل محمد صاحب الزمان امام العصر مہدی و ہادی علیہ السلام **عَجَلُ اللَّهِ مَفْجَعًا** کی انتظار میں ہے۔ ذرائع نقل و حرکت، آمد و رفت نہایت آسان ہیں اور اجماع کی حجیت بھی قیامت تک کے لئے ہے تو دریں صورت تمام عالم اسلامی کو بجائے انتظار کے ایک عالمی مجلس مشاورت قائم کر کے کسی ایک کو عہدہ مہدویت سپرد کرنا چاہیے جو کفیل نظام اسلامی ہو اور متردہ امن ہو کہ فسق و فجور اور ظلم و جور کا قلع قمع کر دے۔ پس وہ مہدی ہوگا اور اس صورت میں تمام عالم مزید خطرات سے دُور رہے گا۔ دنیا آرام و اطمینان کا سانس لے گی۔ جب اپنے بس کی بات ہے تو خدا سے مزید دُعا مانگنے کی اور انتظار کی صعوبتیں برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہی جواب ہوگا کہ دُور حاضر میں تمام ممالک اسلامیہ کے ارباب بست و کشاد جمع ہو کر اگر کوشش کریں بھی تو حضرت مہدی نہیں بنا سکتے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ دُور حاضر کے اعلیٰ دماغ مفکرین تمام اطراف عالم اسلامی سے جمع ہو کر مہدی امت نہیں بنا سکتے۔ یعنی جناب رسالتؐ کا آخری جانشین معین نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض جرات کریں بھی تو وہ اُن کا بنایا ہوا ہوگا۔ خدائی مہدی نہ ہوگا تو ایک محدود خطہ زمین کے چند عمر رسیدہ مل کر پہلا جانشین بنا لینے میں کیونکر کامیاب ہو گئے تو اب سمجھ لیجئے کہ جس کو انہوں نے بنایا تھا وہ ان کا تھا لیکن خدائی عہدہ دار خلافت نہ تھا۔ کہنے کو دنیا کہہ دے گی کہ دُور حاضر میں ہمارا انتخاب ناقص ہے اور عقلاً زمانہ بارہا تجربہ کر چکے ہیں کہ ہمارا منتخب شدہ لیڈر چند روز بعد ناقابل انتخاب قرار پاتا ہے اور قہراً اسے مسند اقتدار سے اتارنا پڑ جاتا ہے۔ جب ہمارے انتخاب کی یہ حالت ہے تو انتخاب مہدی ہم سے کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اللہ ہی کا منتخب کردہ ہونا چاہیے۔

اب انصاف طلب بات ہے کہ جب عقلاً عالم کا انتخاب نا تسلی بخش ہے اور وہ بھی دُور حاضر میں جب کہ انسان

ذہنی اور دماغی صلاحیتوں میں ترقی کے بلند ترین زمین پر پہنچ چکا ہے تو بھلا آج سے چودہ سو برس پہلے کے انسانوں کا انتخاب اور وہ بھی تمام ممالک کا نہیں ایک پورے ملک کا نہیں بلکہ ایک صوبہ یا ایک ضلع کا بھی نہیں اور حد یہ کہ ایک پورے شہر کا بھی نہیں (صرف چند آدمیوں کا) کیسے خالی از خطرہ قرار دیا جاسکتا ہے اور ایسے منتخب لیڈر کو کس طرح ایک ناقابل تفسیح پوری ملت کا مذہبی و دینی پیشوا یا خدائی فرمانروا مانا جاسکتا ہے؟

اس مقام پر تین باتیں سامنے آتی ہیں۔

- ۱۔ یہ کہ جانشین رسالت کا انتخاب ہمیشہ امت کے ہاتھ میں ہے۔
- ۲۔ یہ کہ جانشین رسالت کے انتخاب کا امت کو کوئی حق نہیں بلکہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔
- ۳۔ یہ کہ دور اول میں جانشین رسول کے انتخاب کا حق امت کو تھا اور بس۔

پہلی صورت میں اگر پہلے زمانہ کی امت پہلے زمانہ کے خلفاء کا انتخاب کرنے میں کامیاب تھی تو اب بھی اسی اصول کے ماتحت رسول کے آخری جانشین بنانے میں کامیاب انتخاب ہو جانا چاہیے ورنہ ماننا پڑے گا کہ یہ طرہ کی کار اللہ کی طرف سے نہیں ورنہ ناکام نہ ہوتا۔ تیسری صورت میں اگر کہا جائے کہ پہلے لوگوں کو حق انتخاب حاصل تھا کیونکہ وہ نیک تھے اور اب چونکہ باطل پرستی کا دور دورہ ہے۔ لہذا اختیار امت سے سلب کر کے خدا نے اپنے لئے مخصوص فرمایا تو ہم کہیں گے کہ حکیم مطلق نے ایک پائیدار ملت کے لئے شروع سے ایک ناپائیدار قانون کیوں وضع فرمایا جب اس کو معلوم تھا کہ انتخابی طرز عمل ایک وقت کے بعد بے کار ہو جائے گا۔ تو ایسے چند روزہ کے طرز عمل کو ایک قیامت تک باقی رکھنے والی ملت کا اصل و اساس کیوں قرار دیا؟ اور نیز اسلامی احکام میں مسادات اور یکسانیت کہاں گئی؟ خدا نے جنبہ داری رو کیوں رکھی؟ پس وہ درمیانی صورت ہی بالکل درست و قرین عقل ہے۔ یعنی جانشین رسول کے انتخاب کا حق پہلے بھی اور اب بھی رسول نے خدا کے اور کسی کو حاصل نہیں نہ اب کا انتخاب بارہواں اور آخری جانشین بنا سکتا ہے۔ اور نہ پہلے کا انتخاب پہلا جانشین رسول اور امام اول بنا سکتا ہے اگر امت جرات کرے بھی تو وہ امت کے بنائے ہوئے ہوں گے۔ خدائی عہدہ دار خلافت نہ ہوں گے۔ پس ثابت ہوا کہ جس طرح قرآن مجید اللہ کی جانب سے ہمارے اعمال و افعال کے لئے ایک مستقل اور ناقابل تردید ضابطہ ہے اسی طرح اس کا مدرس و مبلغ بھی ہر دور میں اللہ کی جانب سے ہی ہوا کرتا ہے۔

جس طرح ہمیں کتاب کے بنانے کا حق نہیں اسی طرح ہمیں اس کے مدرس و مبلغ کے انتخاب کا بھی کوئی حق حاصل نہیں ہے جس طرح دور اول میں نبص رسول قرآن کا معلم حضرت علیؑ تھا۔ اسی طرح ہر زمانہ میں یکے بعد دیگرے ائمہ طاہرین نبص رسول چلے آئے اور دور حاضر میں حضرت حجت علیہ السلام حضرت محمدؑ ہی بفرمان رسالت مبلغ قرآن ہیں۔

نہ اب ہمارے بنانے سے بن سکتا ہے اور نہ اس دور میں لوگوں کے بنانے سے بن سکتا تھا۔

جس طرح آج کا انتخاب غلط اور خلافت حکم خدا ہے اسی طرح اس زمانہ کا انتخاب بھی غلط اور خلافت حکم خدا تھا۔

نہ آج کا بنایا ہوا خدائی فرمانروا بن سکتا ہے اور نہ اس دور کا لوگوں کا بنایا ہوا خدائی خلیفہ و جانشین رسول بن سکتا ہے پس وہ رسول جو مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا) اِنِّ هُوَ الْوَحْيُ يُوحَىٰ (ان کا کلام تو وحی خدا سے ہی ہوا کرتا ہے) اپنی امت کو کسی سرپرست کے بغیر قطعاً چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمام احکام قرآنیہ بیان کر کے جائیں اور اتنا بڑا مسئلہ جس پر بعد میں قیامت تک کے لئے پوری امت کے دینی مسائل کے حل کا وارد مدار ہے اس کو بغیر بیان کے چھوڑ جائیں؟

انہوں نے کھلے الفاظ میں صریح اور غیر مبہم بیان میں صاف طور پر ثقلین کے ساتھ تک کا حکم فرمادیا۔ زبان سے بھی سنایا اور ہاتھوں پر بلند کر کے دکھایا بھی اور سنایا بھی اور عملی طور پر تاج پوشی کر کے بھی آنے والے خطرات کا سدباب کیا اور یہ سب کچھ اللہ ہی کی جانب سے تھا انہوں نے صرف پہنچا دیا۔

اگرچہ قوم طاقت نے طاقت کے منتخب من اللہ ہونے پر اس کی مالی کمزوری کا اعتراض کیا تھا لیکن خدا کے نزدیک چونکہ معیار انتخاب پر پورا اترنے والا صرف وہی تھا۔ اس لئے وہی منتخب ہوا اور وہی خدائی عہدہ دار رہا۔ خواہ کسی نے مانا یا نہ مانا۔ خدائی عہدہ جس کے پاس ہو کسی کے تسلیم نہ کرنے سے چھین نہیں سکتا۔ جس طرح خدا کو نہ ماننے والے اس کی خدائی میں موجب نقصان نہیں ہو سکتے۔ رسول کو رسول نہ تسلیم کرنے والے آنحضرت کی رسالت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اسی طرح علی اور اولاد علی سے منہ موڑنے والے ان سے نہ عہدہ ولایت و امامت چھین سکتے ہیں اور نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں وہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہے وہ نہ قرآن سے جدا ہیں اور نہ قرآن سے جدا ہے خواہ کوئی تسلیم کر لے یا نہ کرے

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمَتَسَكِينِ بِالثَّقَلَيْنِ كِتَابِكَ وَعَنْوَةَ نَبِيِّكَ الطَّاهِرِينَ

قرآن اور ختم نبوت

کتب سماویہ میں سے قرآن مجید کا آخری کتاب ہونا مسلماتِ اسلامیہ میں سے ہے لیکن یہ کیوں؟ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ہر فرد انسانی کا تدریجی ارتقاء اور ہر مرتبہ میں اس کی دماغی و ذہنی صلاحیتوں کا استعداد تفاوت اس امر کا مقتضی ہے کہ اسے ہر مرتبہ میں اسی ہی مرتبہ کی مناسبت سے تعلیم و فرائض و احکام کا حامل قرار دیا جائے کیونکہ وہ اسی کا ہی اہل ہے۔

جس طرح ترقی کے تدریجی مدارج میں بچپن اور جوانی و بڑھاپے کا فرق ہے کہ بچپن کے انتہائی دانشمندانہ افعال دور جوانی میں طفلانہ حرکات شمار کئے جاتے ہیں گو بچے کے لئے اس دور میں وہی زیبا اور اس کی کامیابی و کامرانی و بہر و لغزنی کی وہی معیار ہوتے ہیں۔ بچے کے لئے ابتدائی درجہ میں حروف تہجی کا سمجھ لینا اور یاد کرنا ویسا ہی مشکل ہوتا ہے جیسا کہ منہتی

طلبہ کے لئے اپنا کورس۔ تاہم کامیابی ہر دور میں اپنے مناسب نصاب و معیار کے ماتحت ہوا کرتی ہے لیکن دل و دماغ پر نتائج کے اثرات یکسانیت سے ہوتے ہیں۔ کامیابی کی خوشی جس طرح منہی کو ہوتی ہے۔ اسی طرح مبتدی کو بھی ہوتی ہے۔ اور ایسا ہی ناکامی کا درد و افسوس بھی دونوں کو ہوتا ہے۔ لیکن خوشی و غمی کی مقدار میں مراتب ذہن کے تفاوت کے لحاظ سے اختلاف ضرور ہوا کرتا ہے۔

پس مدارج و مراتب کا اختلاف جب روزِ روشن کی طرح واضح ہے تو قطعاً معقول نہیں کہ ہر مرتبہ کا مدرس ایک ہی قابلیت و اہلیت کا حامل ہو۔ بلکہ ہر مرتبہ میں اسی مرتبہ کے نصاب کے پیش نظر اسی معیار کے معلم کا انتخاب عینِ دانائی ہے اور اس کے خلاف کرنا عقلی طور پر قطعاً غلط اور ناجائز ہے۔

یہ اختلاف انسانوں کی صرف شخصی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اقوام کی اجتماعی زندگیاں بھی اسی طرح کے تشبیہ و نفاذ سے دوچار ہیں۔ تاریخی مطالعہ سے اس نتیجہ پر بخوبی پہنچا جاسکتا ہے کہ اقوام کی ابتدا و وسط و انتہا میں واضح طور پر بچپنے جوانی اور بڑھاپے کا سافرق رونما ہوتا ہے۔

بلکہ پوری نوع انسانی کے تدریجی ارتقاء کا بعینہ یہی حال ہے انسان کا ابتدائی دور نوع انسانی کے بچپنے کا دور تھا۔ رفتہ رفتہ ترقی کی منازل عبور کرنے کے بعد اس منزل کی نوبت آپہنچی۔ جسے نوع انسانی کی جوانی کا آغاز کہا جاسکتا ہے تو چونکہ ہر مرتبہ انسان اسی ہی مرتبہ کی تعلیم و تربیت کا اہل اور اسی موزونیت سے فرائض و احکام کا حامل ہوا کرتا ہے۔ لہذا اسی ہی مرتبہ کا معلم خدا کی طرف سے منتخب کیا جانا ضروری تھا۔ پس خالقِ علیم و حکیم نے اسی ترتیب سے انتخاب فرمایا۔

صوف آدم جس درجہ کا نصاب تھے حضرت آدمؑ اسی درجہ کے معلم تھے اسی طرح صوف نوحؑ صوف ابراہیمؑ و نوحؑ موسیٰؑ زبور داؤد اور انجیل عیسیٰؑ جن جن انسانی مدارج کا نصاب تھیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام انہی درجات کے لئے بااختلاف مدارج معلم و مبلغ بن کر تشریف لاتے رہے۔

اب نوع انسانی میں پوری صلاحیتیں موجود ہو گئیں تھیں اور اس کا دور شباب سے ہم آغوش ہو گیا تھا۔ تو حکیم مطلق نے اس کی فلاح و بہبود اور عمل و کردار کے لئے وہ آخری نصاب تجویز فرمایا جو نوع انسانی کی آخری سانس تک اس کے لئے مشعلِ راہ بن سکے اور قطعاً کسی وقت تبدیل نہ کیا جائے اور فرمایا۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ یَهْدِیْ لِتِیْهِ اَقْوَمُ (تحقیق یہ قرآن انتہائی سیدھے اور مضبوط رستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے) ملاحظہ فرمائیے جس کو خود علیم و حکیم (اقوام) انتہائی سیدھا و مضبوط کی لفظ سے تعبیر فرمائے تو اس میں تغیر و تبدل کا امکان ہی کیا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس کے علاوہ جو بھی ہو گا۔ اس سے کم ہو گا کیونکہ اس کے برابر اگر ہو تو اس کو یَهْدِیْ لِتِیْهِ اَقْوَمُ نہیں کہا جاسکتا۔

پس جب قرآن مجید تکمیلِ تعلیمِ نفوس انسانیہ کا آخری کورس ہوا تو اس کا لائے والا نبی کمالات انسانیہ میں آخری حد امکان پر فائز ہو کر نوع انسانی کی آخری صفت تک باوجود تفاوت و استعدادات و اختلافات اذنان کے قابل پذیرائی ہو ورنہ

و امین انتخابِ عظیم و قدیر پر جہل یا عجز کا بد نما داغ لگ جائے گا جو شانِ اقدس الہیہ کے سر اسرِ خلاف ہے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے جو دارائے بہرہ صفات کمالات ہے جس کو اِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقِي عَظِيمٍ اور وَمَا اَمْرُ سَلْمَانَكَ اِلَّا رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ اور خَاتَمَ النَّبِيَّيْنِ کے مقدس القاب سے سرفراز فرما کر اللہ نے مشورہ فرمایا پس معلوم ہوا کہ اس نبی کی نبوت وجود عالم امکان کی آخری حد تک ہے جس کے بعد قیامت ہے۔ لہذا اس نبی کے بعد کسی نبی کی آمد کا امکان ہی نہیں کیونکہ نہ نوع انسانی میں مزید ایسی صلاحیتیں پیدا ہو سکتی ہیں جو معیارِ قرآن سے بالاتر ہوں اور نہ تعلیماتِ قرآنیہ میں رد و بدل یا نسخ کا کوئی امکان باقی ہے ورنہ یہ قیدی لَئِيْحِ اَقْوَامِ کے منافی ہوگا۔ اور نہ مراتب کمالات انسانیہ میں کوئی ایسا گوشہ خالی ہے جس تک جناب رسالتا کے کی رسائی نہ ہوئی ہو۔

لہذا جناب رسالتا کے نوع انسانی کے آخری نصاب کے آخری مدرس ہیں۔ ان کے بعد نہ کسی کی گنجائش ہے اور نہ کوئی آسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مستقل نبی گو نہیں آسکتا۔ لیکن آنحضرت کے بعد کسی نقلی بردوزی یا امتی نبی کے آجانے میں کیا حرج ہے کیونکہ یہ نئی شریعت نہیں لاتے بلکہ ان کا کام اسی نبی کی تعلیمات کی توضیح و ترویج ہی ہوتا ہے اور بس تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کی شریعت کی توضیح و ترویج یا تشریح و تبلیغ کا فریضہ اس کے اوصیاء و خلفائے طاہرین کے بعد تمام علماء پر عائد ہوتا ہے تاہم وہ نبوت کے مقدس اور خصوصی لقب سے ملقب نہیں کئے جا سکتے۔ علاوہ ازیں جناب رسالتا کے ارشاد گرامی لَا نَبِيَّ بَعْدِي اور اس کا ناقابلِ تخصیص عموم کسی مدعی نبوت کو (خواہ امتی یا جزوی یا نقلی بردوزی نبی کہلانے کے ہزاروں بہانے بنانا پھرے) صحتِ انبیاء میں قدم دھرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

نیز کسی بردوزی نبی کی بعثت نوع انسانی کی تدریجی طرزِ تعلیم کے بھی منافی ہے جسے کوئی صاحبِ ہوش و ذہنی شعور قبول نہیں کر سکتا۔ مثلاً کسی کالج کے پرنسپل کے چلے جانے کے بعد کسی طالب علم کو دو گورنرے کالج میں ممتاز ہی کیوں نہ ہو کالج کا پرنسپل نہیں بنایا جا سکتا۔ خواہ اس کی کارکردگی کالج بھر میں افادہ حیثیت کی حامل بھی ہو ویسے وہ اپنی بلند استعداد اور افادیت کے پیش نظر انعام و اکرام کا مستحق بھی ضرور ہوگا۔ لیکن اگر اُس نے اس خطابِ مخصوص کو چرانے کی کوشش کی تو اس کی محنت اکارت جائے گی اور اس کی سب حسن کارکردگی افسرانِ بالا کی نگاہوں میں محض بدینتی پر محمول ہوگی اور کالج سے نکال دینے کے علاوہ اس کو عبرتناک سزا دینا بھی عین انصاف ہوگا۔ بلکہ طالب علم تو درکنار کالج کا ممتاز ترین پروفیسر بھی اس خطاب کا اہل نہیں ہوا کرتا اگر وہ بھی ایسا کرے تو ویسی ہی سزا بلکہ اس سے بھی زیادہ سزا کا مستحق قرار دیا جائے گا۔ پس اس مقام پر کسی بھی شخص کا ادعا ہے نبوت نوع انسانی کو دھوکا دینے اور سادہ لوح انسانوں کی آنکھوں میں دھول بھرنے کے مترادف ہے۔ پھر اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری پھر کیسے ہوگی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ فرانسِ نبوت کی انجام دہی کے لئے تشریف نہ لائیں گے بلکہ حضرت رسالتا کے آخری نام مقام حضرت مہدی امام آخر الزمان علیہ السلام عجل اللہ فرجہ کے مقتدی اور موید بن کر آئیں گے تاکہ اطراف عالم میں

پہلی قوم نصاریٰ کے دل و دماغ میں جناب رسالتؐ کی عظمت اور ان کے دین کا سکھ بیٹھ جائے۔ اور ان کے لئے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا راستہ ہموار ہو جائے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس جرم کی پاداش میں ان سے عہدہ نبوت سلب کیا جائے گا اگر ان کا جرم ثابت ہو تو ان کی نبوت ہی ساقط ہے اور اگر ان کا کوئی جرم نہیں تو پھر بلا وجہ ان سے عہدہ نبوت چھین کر صغیر امت میں کھڑا کر کے دوسرے کا مقتدی بنانا عدل خداوندی سے دُور بلکہ منافی عدل ہے۔

(۱) اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا حضرت مہدیؑ کی علیتِ سلام کی اقتدا میں ہونا نہ ان کی توہین ہے اور نہ منافی نبوت ہے تاکہ منافی عدل خداوندی ہو۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کا خضرؑ کی شاگردی میں داخل ہونا نہ ان کی توہین تھا۔ اور نہ منافی نبوت۔ چھوٹے مدرسے کا مدرس اعلیٰ اگر کسی کالج کے پرنسپل یا اس کے قائم مقام یا ماتحت پروفیسر کے شاگردوں کی صف میں داخل ہو کر کچھ استفادہ کرے تو یہ چیز نہ اس کی منقصت و توہین کی موجب ہے اور نہ اس کی ملازمت کے منافی ہے بلکہ وہ اپنے سکول میں ویسے کا ویسا معلم و استاد ہے لیکن کالج کے پرنسپل کے سامنے یا اس کے قائم مقام یا ماتحت پروفیسر کے سامنے شاگرد کی حیثیت سے ہے اس کے چھوٹے سکول کے مدرس ہونے کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہوا کہ وہ کالج میں بھی اسی مدرسے کی حیثیت سے جائے۔ ورنہ اس کی توہین ہوگی اور اس کی معافی کے منافی ہوگی۔ بلکہ کالج کے پرنسپل سے کچھ استفادہ کر لینے کے بعد وہ اپنی پہلی ڈگری سے ترقی کر کے بلند درجہ کی تدریس کے قابل ہو جائیگا

(۲) نیز یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ جب وہ تشریف لائیں گے تو وہ عالمین کے نبی تو تھے نہیں۔ لہذا عالمین کے ہادی کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنی قوم نصاریٰ کو پیغامِ خدا سنائیں گے اور جناب رسالتؐ کے دین پر آنے کی دعوت دیں گے اور عمل سے حضرت حجت علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھ کر اپنی قوم کے سامنے ان کا واجب الاتباع اور امام برحق ہونا ثابت کریں گے لہذا ان کا عہدہ ان سے چھینا نہیں جائے گا۔ بلکہ وہ اپنے عہدہ نبوت کے ماتحت اپنا تبلیغی فریضہ ادا کریں گے۔

(۳) نیز یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہا، حضرت مہدیؑ کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کے عقائدِ فاسدہ کو عملی طور پر باطل کریں گے کہ اگر خدا یا خدا کا بیٹا ہوتا تو کسی مخلوق کی اقتدار میں کیوں ہوتا؟ اور یہ بات ان کے عہدہ نبوت سے کیا منافات رکھتی ہے؟ بلکہ بطابق عہدہ فریضہ تبلیغ کی ادائیگی ہے اور اس سے پہلی فصل میں ثابت ہو چکا ہے کہ گذشتہ انبیاء اپنی امتوں کے نبی اور سردار تھے۔ لیکن حضرت محمد مصطفیٰؐ کی عالمی نبوت کے مقابلہ میں وہ بحیثیت رعایا اور امت کے تھے اور اسی طرح حضرت کے برحق جانشینوں کے سامنے بھی وہ رعایا کی حیثیت سے ہیں۔ پس حضرت عیسیٰؑ اپنی امت کے لئے فرائض نبوت کی ادائیگی کریں گے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کے آخری جانشین کی اقتدا میں کھڑے ہو کر دنیا سے اسلام کے

لے ان کا اس فریضہ تبلیغ کا ادا کرنا بحیثیت نبی کے نہیں ہوگا۔ بلکہ حضرت مہدیؑ کے ایک مقتدی و سپاہی کی حیثیت سے ہوگا۔ لہذا اس کی نعم نبوت سے کوئی منافات نہیں۔ گویا حضرت عیسیٰؑ دین اسلام کے مبلغ ہوں گے اور حضرت مہدیؑ کے ماتحت کام کریں گے (منہ)

سامنے ایک عملی وعظ و نصیحت بھی فرمائیں گے اور وہ یہ کہ۔ اے انتخاب سے محمد مصطفیٰ کے جانشینوں کا تعین کرنے والو۔ دیکھ لو محمد مصطفیٰ کا جانشین وہ ہو سکتا ہے جو گذشتہ تمام نبیوں پر حکومت کر سکتا ہو اور انبیاء چونکہ معصوم ہوا کرتے ہیں۔ لہذا اس کو معصوم ہونا چاہیے۔ پس غیر معصوم قطعاً حضرت محمد مصطفیٰ کا جانشین نہیں ہو سکتا۔

میرے اس پورے بیان کا حاصل یہ ہے۔

چونکہ قرآن مجید تکمیلِ نفوسِ انسانیہ کا آخری کورس ہے۔ لہذا اس کا معلم و مدرس نبی بھی آخری نبی ہے۔
چونکہ قرآن مجید شریعت کی آخری کتاب ہے۔ لہذا اس کو لانے والے نبی کی نبوت بھی آخری نبوت ہے۔
قرآن آخری کتاب اور شریعت آخری شریعت ہے پس محمد مصطفیٰ آخری نبی اور اسلام آخری دین ہے۔
قرآن کے بعد کسی دوسری کتاب کے نازل ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے اور وہ کتاب بھی جھوٹی ہوگی اور اس کتاب والا بھی جھوٹا ہوگا۔ اسی طرح دینِ اسلام کے بعد کسی اور دین کے پیش کرنے والا بھی جھوٹا اور اس کا دین بھی جھوٹا ہوگا۔
پس محمد مصطفیٰ کے بعد اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو اس کی نبوت جھوٹی اور وہ بھی جھوٹا ہوگا۔

والحمد لله رب العلمین

قرآن اور موجودہ مہدی

گذشتہ بیان میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآن آخری کتاب اور اس کے لانے والا رسولِ آخری رسول ہے۔
حدیث قدسی مشہور کَوْلَاك لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكُ كَمَا مَطْلَبِ یہ ہے کہ حضور رسالت ہی مقصد تخلیقِ عالم تھے تو جب آپ اس دار فانی سے عالمِ بادی کی طرف تشریف لے گئے تو کائنات کے وجود کو بھی تو ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ جس کی خاطر یہ سب کچھ بنایا۔ جب وہ نہ رہا۔ تو اس سب کچھ کے باقی رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ جس معزز جہان کی آمد کے لئے پتنگ بسترہ لگایا جائے۔ دسترخوان بچھایا جائے۔ فانوس جگایا جائے تو اس کے رخصت ہو جانے کے بعد سب سامان سمیٹ دیا جاتا ہے۔ پس اسی طرح جب مقصد خلقت کائنات و آسمانی آخری کتاب (قرآن مجید) کا آخری مبلغ موبوٹ نہیں تو یہ کتاب کس لئے ہے اور دیگر تکالیف شرعیہ کیوں باقی ہیں؟

تو اس کا جواب بلکہ واحد حل یہی ہے کہ ابھی کسی آنے والے کا انتظار ہے اور ابھی وجود کائنات کا سہارا اور کتابِ خدا کا مدرس ایک ایسا فرد موجود ہے جو حدیثِ لولاک کے مصداق کا حصہ ہے۔ ورنہ جس طرح حضور تشریف لائے۔ اور چلے گئے اگر ان کے بعد حدیثِ لولاک کے اور مصداق کی آمد نہ ہوتی اور دنیا میں ان کا حقیقی جانشین باقی نہ ہوتا۔

تو نہ کتاب باقی رہتی اور نہ کتب باقی رہتا۔ پس کتاب اور کتب کا وجود مدرس کتاب کے وجود کی دلیل ہے۔
 علاوہ انہیں گذشتہ صفحات ۶۲-۶۱-۹۳-۹۴ میں وجود حضرت ولی العصر مہدیؑ آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق مختصر طور پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اور صاحب انصاف کے لئے وہ کافی ہے۔
 قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں جن کی تادیل حضرت حجت علیہ السلام کے وجود مسعود اور ان کے زمانہ اور زمانہ والوں سے کی گئی ہے۔

۱۱، وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ
 الْأَكْمَرِ صَنِيعَاتِهَا عِبَادِيَ الصَّالِحِينَ
 ۱۲، يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُنِيرٌ
 نُورِهِمْ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ الْآيَةُ
 ۱۳، هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ
 الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الآيَةُ)

ہم نے زبور میں ذکر کے بعد یہ بات لکھ دی ہے کہ میرے صالح بندے ہی میری زمین کے وارث ہونگے (ان سے مراد حضرت حجت اور ان کے اصحاب ہیں) (بجاء الانوار ج ۱ ص ۱۱۳)

لوگ اللہ کے نور کو منہ سے بجھانا چاہتے ہیں اور خدا اپنے نور کو تمام کفر والوں سے ناکہ تمام دینوں پر اس کو غلبہ دے (حضرت قائم کا دور مراد ہے) (بجاء الانوار ج ۱ ص ۱۱۳)

اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غلبہ دے (حضرت قائم کا زمانہ مراد ہے) (بجاء الانوار جلد ۱ ص ۱۱۳)

پہلی آیت میں ہے کہ میری زمین کے وارث صالح بندے ہوں گے اور تیسری آیت بتلاتی ہے کہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دیگا۔ تو جو لوگ اس وقت تک دعوائے مہدویت کر چکے ہیں۔ ان کی تکذیب کے لئے تو ان آیات مجیدہ کے ظاہری الفاظ ہی کافی ہیں کیونکہ حضرت مہدیؑ کی حکومت پوری روئے زمین پر ہوگی اور یہ چیز کسی بھی مدعی مہدویت کو نصیب نہ ہوگی۔ نیز حضرت مہدیؑ کے دور میں خدا کا دین تمام باطل دینوں پر غالب ہو جائے گا۔ حالانکہ ان مدعیان مہدویت کی تحریکات معدودہ افراد تک محدود ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ لوگ ان آیات کے مصداق نہیں تھے بلکہ غلط دعویٰ کرتے اور جھوٹے مدعی مہدویت تھے آیات متذکرہ جس مہدیؑ کی آمد کا پتہ دیتی ہیں وہ ابھی آنے والا ہے اور جب آئے گا تو اس کی حکومت بھی پوری روئے زمین پر ہوگی اور دین خدا غالب بھی ہوگا۔ حتیٰ کہ ادیان باطلہ مٹ جائیں گے۔

نیز ان مدعیان مہدویت کا جب سے سلسلہ شروع ہوا عالم اسلامی تو درکنار پوری زمین سے رفتہ رفتہ امن و آرام چین و اطمینان ختم ہونے لگ گیا اور فسق و فجور کا دور دورہ عام ہونے لگ گیا۔ حتیٰ کہ پوری دنیا سے امن و آرام صرف برائے نام ہی باقی رہ گیا۔ یہ لیکن ان آیات سابقہ کے حقیقی مصداق جب ظہور فرمائیں گے تو پوری دنیا امن و آرام سے اس طرح معمور ہو جائے گی۔ جس طرح اس سے پہلے ظلم و ستم اور فسق و فجور سے بھرپور ہو چکی ہوگی۔

۱۴، وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ حَتَّىٰ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ
 مِن قَبْلِهِمْ وَيُؤْتِيَهُمْ لَكُمْ وَبِهِمُ الْآيَةُ

وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے تم میں سے اور عمل صالح کئے ہیں کہ ضرور غلبہ زمین ان کو بنائے گا۔ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا اور ضرور پوری قدرت دے گا ان کے اس دین کو جو چین

لیا ان کے لئے اور البتہ ضروران کے خوف دہراس کو امن سے تبدیل کر دئے گا۔

ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور قرار دیئے گئے اور ان کو امام بنائیں اور زمین کا وارث مقرر کریں۔

بھار الانوار جلد ۱۳ میں ہے کہ یہ ہر دو آیات حضرت حجتؑ کے متعلق ہیں۔ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن کی تاویل حضرت حجتؑ کے متعلق کی گئی لیکن سب کا ذکر نا اثبات مطلب کے لئے ضروری نہیں۔ لہذا ہم ان ذکر شدہ پنج آیات پر اس مقام میں اکتفا کرتے ہیں البتہ اپنے اپنے مقام پر آیات کی تاویلات جو آئمہ سے منقول ہوتی رہیں گی۔ بیان کروں گا۔

ان دو آیتوں میں پہلی آیت کو بعض ناسمجھ لوگ خلافت اجماعیہ پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے مصداق وہی لوگ تھے۔ جو خلیفہ بن گئے۔ لہذا ان کی خلافت سے ثابت ہوا کہ وہ ایماندار اور صالح بھی تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حسب الشیء لیس و لیستم یعنی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے اگر اس آیت مجیدہ کے صرف تحت اللفظی ترجمہ پر ہی غور کیا جائے تو قطعاً خلافت اجماعیہ کے انعقاد کے بطلان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آیت مجیدہ میں خدا وعدہ فرماتا ہے کہ میں بناؤں گا۔ یعنی میری طرف سے مخصوص ہوگا اور وہ سوائے حضرت علیؑ کے صحابہ میں اور کوئی بھی نہیں۔ جناب رسالتؐ نے مقام غدیر پر اعلان فرمایا اور عملی طور پر اسے بلند کر کے بھی دکھایا تاکہ کوئی شک و شبہ نہ رہ جائے اور حضرت کے سامنے لوگوں نے پنج پنج کی صدائیں بھی بلند کیں۔ اَلرَّیْسَتِ خَلِیْفَتِیْ کا کوئی مصداق صحابہ میں سے ہو سکتا ہے تو وہ صرف حضرت علیؑ ہی کی ذات بابرکات ہے ان کے علاوہ نہ کوئی اور منصوص من اللہ ہے اور نہ اس آیت شریفہ کا مصداق بن سکتا ہے۔

نیز اس امر کی مزید وضاحت کے لئے خدا نے یہ بھی ساتھ ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو خلیفہ اسی طرح بناؤں گا۔ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو میں نے خلیفہ بنایا۔ اب آثار صحیحہ سے صاف معلوم کیا جا سکتا ہے کہ پہلی خلافتیں کیا اجماع سے منعقد ہوئیں تھیں یا خدا کی طرف سے منصوص تھیں؟ پس جس طرح خدا نے ان گزشتہ لوگوں کو خود خلافت کے لئے منتخب فرمایا اور لوگوں کو حق انتخاب سے محروم رکھا۔ اسی طرح یہاں بھی فرماتا ہے کہ میں اسی طریق سے خلافت دوں گا جس طرح گزشتہ لوگوں کو خلافتیں دیں۔

اور اگر بالفرض یہ آیت استخلاف ان لوگوں کی خلافت پر نص ہے جن کو خلیفہ بنا لیا گیا۔ تو کم از کم ان خلیفہ بننے والوں کو تو یہ علم ہونا چاہیے تھا۔ کہ یہ آیت ہماری خلافت پر نص ہے اور سقیفائی لمبے چوڑے نزاع میں انصار و مہاجرین کی خلافت کی رسہ کشی کے موقع پر اس آیت مجیدہ سے استشہاد کر لینا ضروری تھا تاکہ جھگڑا طول نہ کھینچتا اور عجیب معتمہ ہے کہ محبت کرنے والے اور عقیدت مند تو کہتے ہیں کہ یہ آیت مجیدہ ان کی خلافت پر دال ہے اور خود ان کو علم ہی نہیں تھا ورنہ ضرور استشہاد

اَسْرَ تَضَى لَهُمْ وَ كَيْبَدًا لَّهُمْ مِنْ بَعْدِ
خَوْفِهِمْ آمَنًا

(۵) وَ نُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعْنَا فِي
الْأَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ الْوَارِثِينَ

کے طور پر پیش کر دی ہوتی۔

ہاں ضرور ان کو یہ علم تھا کہ ہم اس آیت کے مصداق نہیں کیونکہ اگر ہم اس کو اپنے متعلق مخصوص کر دیں یا انحصار کا دعویٰ کریں تو مجمع کا ہر فرد بول اٹھے گا کہ اس صفت میں میں بھی شریک ہوں تو دریں صورت چار دنا چار یا تو حرب و ضرب پر نوبت پہنچ جاتی اور یا آیت مجیدہ کی رہبری کے پیش نظر انتخاب خداوندی کو اپنا لیا جاتا اور عہد غدیری کا اعادہ ہو جاتا لیکن یہ دونوں صورتیں خلافت کی قمیص اوڑھنے والوں پر گراں تھیں۔ لہذا اس آیت کو پیش کرنے کی جرأت ہی پیدا نہ ہوئی۔ اس کی مزید تفسیر و تفصیل جلد ۱ ص ۱۵۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اب رہی آخری آیت۔ وہ صاف بتلاتی ہے کہ وارث زمین اس کو بنایا جائے گا۔ جو پہلے کمزور و ضعیف کر دیا گیا ہو۔ وہ خلیفہ و امام بھی ہوگا اور وارث زمین بھی ہوگا۔ اختلاف والی آیت کے آخری الفاظ ہیں کہ خلیفہ بننے والوں کی خاطر اپنے پسندیدہ دین کو تکمیل تام دپوری طاقت دوں گا اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کر دوں گا۔

آخری آیت میں ہے کہ کمزور کئے جانے کے بعد ان کو خلافت و وراثت زمین عطا ہوگی۔ ان ہر دو آیات کی تطبیق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی مصداق وہ خلافتیں نہیں اور ہرگز نہیں اس لئے کہ

(۱) دین اسلام کو تکمیل تام حاصل نہ ہو سکی۔ ورنہ اطراف عالم میں کوئی بھی غیر مسلم نہ رہتا۔

(۲) جناب رسالت کے دور میں ان کو کون سا خوف تھا۔ جس کو خدانے خلافت کے سایہ میں امن سے تبدیل کیا۔ بلکہ یہاں تو بالکل معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے کیونکہ جناب رسالت کے دور میں اہل اسلام پورے امن میں ہو گئے تھے۔ اغیار پر ان کا اقتدار قائم تھا۔ آپس میں صلح و آشتی تھی۔ خلافت کے انعقاد کے بعد مسلمانوں میں آپس میں قطعاً صلح و آشتی نہ رہی اگر صرف خلافت راشدہ ہی کا دور لیا جائے۔ تو پہلے خلیفہ کے بعد باقی سب خلفاء مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ کیا اسلام کی تکمیل اور خوف کے بعد امن اسی کا نام ہے؟

(۳) کمزور کئے جانے کے بعد ان کو طاقت نہیں ملی۔ بلکہ انہیں اس خلافت کے انعقاد کے بعد تفرق و تشتت کی خلیج کا پاٹ وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کے تلخ اثرات سے خلافت ماب خود بھی نہ بچ سکے۔

(۴) پوری روئے زمین کی وراثت (حکومت و ملکیت حاصل نہ ہو سکی۔

اسلامی تاریخ کی اوراق گردانی اور صحیح مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آیات صرف اہل محمد ہی کی رحمت اور حضرت قائم آل محمد عج کی ہمہ گیر حکومت پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ

(۱) پہلی آیت کی رو سے جس قدر امت نے ان کو خائف و ہراساں کیا ہے۔ اتنا کسی قوم کو کسی دور میں نہیں کیا گیا ان کو گھروں سے نکال دیا گیا۔ قتل کیا گیا۔ قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا گیا۔ حقوق سے محروم کیا گیا۔ زندہ دیواروں میں چٹا دیا گیا

گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ عورتوں کو زلایا گیا اور در بدر پھیرا گیا۔ چھوٹے بچوں پر تشدد کیا گیا۔ غرضیکہ کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ اور حد یہ کہ اپنے مقتولین اور شہداء کی مظلومت کی داستان پڑھنا اور سننا ان کے لئے ممنوع قرار دیا گیا۔ ان پر گریہ کرنا اور آنسو بہانا حرام قرار دیا گیا۔ اگر تاریخ سادات کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بہت سی سادانیاں اپنے بے گناہ مردوں کے شہید کر دیئے جانے کے بعد اپنے یتیم بچوں کو ساتھ لے کر جنگوں میں دیرانوں میں۔ پہاڑوں میں بھوک و پیاس کی شدتیں نبھانے لگیں۔

خوف کا یہ عالم تھا کہ سادانیاں اپنے خور و سال بچوں کو گھر سے باہر قدم رکھنے سے روکتی تھیں اور بالفرض بچہ باہر جانے پر مقرر ہو جاتا۔ تو مائیں بار بار سمجھایا کرتیں کہ دیکھو بیٹا اگر کوئی تم سے اپنا نسب پوچھے تو یہ نہ کہنا کہ میں سید ہوں اور سادات نے ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بہت سے سادات اپنے نسب کو چھپانے میں اس قدر محتاط رویہ اختیار کرتے تھے کہ اپنی بیوی تک کے سامنے اپنا سید ہونا ظاہر نہ کر سکتے تھے جس کی وجہ سے اولاد کو بھی اپنے سید ہونے کا علم نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بن زید لڑکی کی رحلت کے بعد ہی دروے کر دنیا سے گئے کہ انے میری لڑکی کو مرتے دم تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ میں سید زادی ہوں اور علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد سے ہوں۔

آجکل کی حالت بھی دیکھئے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس وقت حکومت وقت اور رعایا مل کر سادات کو پامال کرنے کی کوشش میں تھے اور اب حکومت کا رویہ غیر جانبدارانہ ہے ورنہ اگر آج بھی حکومت کی طرف سے خوف نہ ہوتا تو کیا مجال تھی کہ آل محمدؑ کا اعلانیہ طور پر کوئی نام لیتا یا سادات اپنے بزرگوں کے مصائب کی یاد تازہ کرتے؟

اہل اسلام کے علماء نے فتویٰ دے دیا تھا کہ امام حسین کے مصائب سننے سے چونکہ بعض صحابہ کے متعلق بدظنی پیدا ہونے کا امکان ہے لہذا شریک مجلس ہونا جائز ہے۔ مہر کیفیت خوف و ہراس میں جس قدر آل محمدؑ اور ان کے اتباع کو رکھا گیا ہے اس سے بڑھ کر واقع ہونا تو درکنار تصور کرنا بھی مشکل اور محال ہے۔

(۲) دوسری آیت کی رو سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آل محمدؑ سے بڑھ کر کسی قوم کو کمزور کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

پس ان آیات مجیدہ کی تادیل سوائے قائم آل محمدؑ علیہ السلام اور ان کے انصار کے اور کسی کے متعلق ہرگز نہیں کی جاسکتی وہ منصوص من اللہ ہیں۔ لہذا وہی خلیفۃ اللہ ہیں۔ ان کی آمد کے بعد دین اسلام کی جملہ کمزوریاں ختم ہو جائیں گی اور تمام باقی ادیان پر اس کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ وہ امام برحق اور وارث زمین ہیں ان کی تشریف آوری خوف کے بعد امن اور ضعف کے بعد طاقت کی حقیقی مصداق ہوگی۔

مہر کیفیت قرآن مجید میں بہت کافی آیات موجود ہیں۔ جن کی تادیل زمان مہدیؑ سے کی گئی ہے۔ حدیث ۱۷۱، ۱۷۲ پر ایک

طویل روایت میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے من جملہ اور سوالات کے الإحیاف سے اس آیت مجیدہ کی تادیل

نے امام زین العابدین کے فرزند زید کا رکھا گیا اور امام زین العابدین کا پوتا تھا (مصنف)

بھی پوچھی تھی نَسِيرٌ ذُو فِيهَا لَيَالٍ وَاَيَّامًا اَمْنِيَّةٍ - وہ تو خیر بتا ہی کیا کر سکتا تھا؟ اس کے چلے جانے کے بعد بعض حاضرین نے امام عالی مقام سے تاویل دریافت کی۔ تو فرمایا اس سے مراد زمان قائم آل محمد علیہ السلام ہے بحار الانوار جلد چہارم باب احتجاجات حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام میں ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

كَوْنُ قَدِّ قَامٍ قَائِمًا لَكَ نَزَلَتْ السَّمَاءُ قَطْرَهَا وَكَوْنُ حُرْجَبِ الْوَالِدِ مِنْ نَبَاتِهَا وَكَوْنُ شَعْبِ الشَّعْبِ مِنْ قُلُوبِ الْعِبَادِ وَاصْطَلَحَتِ السَّبَاعُ وَالْبَهَائِمْ حَتَّى تَمْسِيَ الْمَرْأَةُ مَا بَيْنَ الْعِرَاقِ إِلَى الشَّامِ لَا تَضَعُ قَدِّمَيْهَا إِلَّا عَلَى النَّبَاتِ وَعَلَى رَأْسِهَا زَيْنَتُهَا لِأَيُّهَا سَبْعٌ وَلَا تَضَافُ

ہمارے قائم کا دور شروع ہوگا تو آسمان سے باران رحمت برے گی زمین اپنی انگریاں آگائے گی اور لوگوں کے دلوں سے کینے چلے جائیں گے اور عام حیوانات اور درندے آپس میں اتفاق سے رہنے لگیں گے یہاں تک کہ ایک عورت (سہنا) عراق سے شام تک سفر کرے گی۔ تو پوری راہ میں اس کے قدم سبزہ زار پر ہی آئیں گے اور اس پر اسباب زینت بھی موجود ہوں گے لیکن کوئی درندہ اسے دیکھ کر سہیان میں نہ آئے گا اور نہ وہ خوفزدہ ہوگی۔

دُعَا بَرَاءِ ظَهْرِ حَضْرَتِ مُحَمَّدٍ عَجَلِ اللّٰهِ فَرَجَهُ عَلَيْهِ السَّلَامِ

اللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِيِّكَ الْحُجَّةِ بْنِ الْحَسَنِ صَلَواتِكَ عَلَيْكَ وَعَلَى آيَاتِهِ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ وَفِي كُلِّ سَاعَةٍ وَوَلِيِّا وَحَافِظًا وَفَارِجًا وَفَارِجًا وَدَلِيلًا وَعَيْنًا حَتَّى تُسْكِنَهُ أَرْضَكَ طَوْعًا وَتُمَتِّعَهُ فِيهَا طَوِيلًا

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّلْ فَرَجَهُمْ وَسَهِّلْ مَخْرَجَهُمْ وَأَهْلِكَ أَعْدَانَهُمْ أَجْمَعِينَ

قرآن کا ظاہر باطن

کتاب عامہ اور خاصہ میں متواتر یا قریب متواتر احادیث وارد ہیں کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور باطن کا باطن یہاں تک کہ سات باطن موجود ہیں۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں حلیہ الادیب سے بروایت ابن مسعود نقل کیا ہے۔

إِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ مِمَّا حَدَّثَتْهُ الْأَوَّلُ وَالظُّهُورُ وَالْبَطْنُ وَإِنَّ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ عِنْدًا مِنْهُ عِلْمُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ

قرآن سات قراتوں یا سات قسموں میں اتر رہا ہے اور ان میں ہر ایک کیلئے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور تحقیق علی بن ابیطالب کے پاس ہی کے ظاہر و باطن دونوں کا علم ہے

مقدمہ تفسیر مرآة الانوار اور مقدمہ تفسیر برہان میں مستقل ابواب اسی موضوع پر قائم کئے گئے ہیں اور بہت کافی احادیث ان میں اسی موضوع سے متعلق جمع کی گئی ہیں۔

بعض روایات کا مضمون تو یہ ہے کہ جس طرح باطن کا باطن اور اسی طرح سلسلہ سات باطن تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح قرآن کے ظاہر کا ظاہر اور اسی طرح کئی ظاہر در ظاہر چلے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ انسان کے عقل سے کوئی چیز اتنی دور نہیں جتنی کہ تفسیر قرآن یعنی باقی ہر شے کا ادراک عقولِ انسانیہ کے ساتھ اگر کر بھی لیا جائے۔ تاہم تفسیر قرآن تک میر بھی عقل کی رسائی مشکل ہے۔

بعض روایات میں ہے اِنَّ الْقُرْآنَ ذُوُّ وُجُوْہٍ فَاَحْمِلُوْهُ عَلٰی اَحْسَنِ الْوُجُوْہِ یعنی قرآن میں ایک یہ آسانی ہے کہ اس کے معانی میں کئی وجوہ پیدا ہو سکتی ہیں۔ پس اس کو اچھی جگہ پر محمول کر لیا کرو۔ (لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے قیاسات عقلیہ اور استحضانات فکر یہ کے ماتحت جس کو پسند کر دے لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ادلہ شرعیہ جو احادیث نبویہ یا فرمائشات عترتِ طاہرہ سے مستفاد ہوں۔ اگر کوئی معنی ان کے ساتھ موافقت رکھتا ہو تو اسے اختیار کر لیا کرو اور حقیقت میں معنی حسن بھی وہی ہے جو قواعد شرعیہ کی رد۔ سے حسن ہو در نہ اگر قواعد شرعیہ کے خلاف ہو اور تفہیم صاحبِ شریعہ کے موافق نہ ہو تو وہ قطعاً معنی حسن نہیں کہا جاسکتا اور قرآن کے معانی میں کثرتِ احتمالات کا پیدا ہو سکتا اور ایک کا مراد ہونا بھی بتلاتا ہے کہ تنہا قرآن کافی نہیں بلکہ قرآن والا ساتھ ضروری ہونا چاہیے۔ جو اس معنی مقصود کی طرف ہماری رہنمائی کر سکے اور وہ ہیں آلِ محمد جن کو حدیث ثقلین نے غیر مبہم الفاظ میں واضح کیا ہے۔) بروایت عباشی منقول ہے کہ فضیل بن یسار نے حضرت صادق علیہ السلام سے ظاہر و باطن کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ظاہر سے مراد تنزیل اور باطن سے مراد تادیل ہے بعض ان میں سے گذر چکی ہیں اور بعض آنے والی ہیں۔ نیز عباشی نے حضرت امام محمد علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے جو ان کو فرمایا کہ ظاہر قرآن سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے حق میں نازل ہوا ہے اور باطن سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان جیسے اعمال کریں ہیں جو کچھ ان کے متعلق آئے۔ ان میں بھی جاری ہے۔

بروایت غیبت نعمانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ایک حدیث میں جس میں یہ ذکر کیا کہ دو تحقیق جو شخص علی کے حق کا عارف ہو کر مرے (اور باقی آئمہ کو نہ پہچانتا ہو تو وہ گویا کفر کی موت مرے) فرمایا کہ قرآن کی تادیل اس طرح جاری ہے جس طرح دن اور رات جاری ہیں اور جس طرح سورج اور چاند جاری ہیں۔ پس جب تادیل آجاتی ہے تو وہ چیز واقع ہو جاتی ہے پس ان

عن غیبة النعمانی عن الصادق انہ قال فی حدیث لہ ذکر فیہ اِنَّ مَنْ مَاتَ عَارِفًا بِحَقِّ عَلِيِّ دُونَ غَيْرِهِ مِنْ الْاَئِمَّةِ مَاتَ مَيِّتًا جَاهِلِيَّةً اِنَّ الْقُرْآنَ تَادِيْلُهُ يَجْرِيْ كَمَا يَجْرِي الْاَسْبَلُ وَالنَّهَارُ وَكَمَا تَجْرِي السَّمْسُ وَالْقَمَرُ فَالْاَعْبَادُ تَادِيْلٌ مِنْهُ وَقَعَمَ فَمِنْهُ مَا قَدَّ حَبَا عَدُو

لہ گذشتہ صفحات میں اس پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے (مصنف)

مِنْهُ مَا لَمْ يَحْجِیْ

میں سے کچھ اچھکی ہیں اور کچھ باقی ہیں ابھی نہیں آئیں۔

اس مضمون کی روایات اور بھی ہیں۔ جن میں تاویل قرآن کے جاری ہونے کو دن رات اور شمس و قمر کے جاری ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی تاویل صرف ایک جگہ ساکن نہیں۔ اس سے پہلے کی تفسیر عیاشی کی ہر دو روایات بھی ایسی بات کی تصریح کر رہی ہیں۔ یعنی شان نزول ہر آیت کا ایک ہی واقعہ کے متعلق یا ایک یا چند اشخاص کے متعلق ہی ہوا کرتا ہے۔ وہ بے شک اپنے مقام پر ساکن ہے لیکن تاویل آیات تمام ان لوگوں پر حاوی اور شامل ہوتی ہے۔ جن سے ان جیسے افعال صادر ہوں۔ جن سے تنزیل کا تعلق تھا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ کیونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے ہے۔ جس طرح شب و روز اور شمس و قمر کا ایک جگہ قیام نہیں بلکہ قیامت تک جاری ہیں۔

بنا بریں جو آیات ظاہر اور تنزیل کے لحاظ سے جناب محمد مصطفیٰ اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے تعلق رکھتی ہیں وہ باطن اور تاویل کے اعتبار سے ان کے حقیقی جانشین حضرات ائمہ طاہرین عظیم السلام سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ یکے بعد دیگرے قیامت تک ان آیات کے تاویل مصداق ہیں جس طرح کہ وہ تنزیل ان آیات کے مصداق تھے۔ ظاہر ان کے لئے تھا اور باطن ان کے لئے ہے تا قیامت۔

پس جس طرح جناب رسالت کا منکر ظاہر و تنزیل کے اعتبار سے جس حکم میں ہے اسی طرح باطن اور تاویل کے لحاظ سے ان کا منکر اسی حکم میں ہے۔ پس جس طرح ظاہری اور تنزیلی طور پر علی کی امامت و ولایت کا منکر ان آیات قرآنیہ کا منکر ہے جو علی کی امامت پر دلالت کرتی ہیں۔ لہذا اس کی موت کفر و جہالت کی موت ہے اسی طرح باقی ائمہ طاہرین عظیم السلام کی امامت کا منکر تاویل اور باطنی طور پر انہی آیات قرآنیہ کا منکر ہوگا۔ پس اس کی موت بھی موت جہالت و کفر ہوگی۔

بلکہ ظاہر و تنزیل کے لحاظ سے منکرین رسالت کا جو بھی حشر ہوگا ان کے بعد حضرت علی اور پھر یکے بعد دیگرے

تا قیامت ہر امام برحق کی امامت کے منکر کا حشر از روئے تاویل و باطن وہی ہوگا۔

دن رات اور شمس و قمر کے ساتھ تشبیہ دینے کا یہی مطلب ہے کہ جب پہلی مرتبہ دن کو دن کہا گیا اور اس کے اوقات کی تقسیم صبح و پھر ظہر و عصر سے کی گئی یا اس کے دوسرے احکام وضع کئے گئے تو ایک معین دن تھا اور اسی طرح جب رات کو رات کہا گیا اور دیگر اوقات کی تقسیم و احکام کی تعیین کی گئی تو وہ ایک مخصوص رات تھی۔ لیکن وہ نام اور باقی تقیسات و تخصیصات قیامت تک کے لئے تمام شب و روز پر حاوی ہیں۔ پس فرق صرف یہی ہے کہ وہ پہلے شب و روز ظاہری مصداق تھے اور قیامت تک کے شب و روز باطنی مصداق ہیں۔ پس فردا و اول ان احکام کا محل تنزیل تھا اور قیامت تک کے باقی افراد محل تاویل ہیں اور شمس و قمر کی تشبیہ سے بھی بعینہ یہی مراد ہے۔

اب معصوم کے فرمان کی پوری وضاحت ہو گئی کہ قرآن کی تاویل شب و روز اور شمس و قمر کی طرح قیامت تک جاری

ہے تنزلی اور تاویلی مصداق حکم میں بالکل برابر ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح پہلے یں و نہار قیامت تک کے یں و نہار کے ساتھ حکم میں یکساں ہیں۔ سرسرتک فرق نہیں۔

چنانچہ بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ

وَلَا كَانَتْ إِذَا نَزَلَتْ آيَةٌ عَلَى رَجُلٍ ثُمَّ مَاتَ
فَالَّذِي الرَّجُلُ مَاتَ الْآيَةُ بِالْمَاتِ الْكِتَابُ لِلْبَيْتِ
حَتَّى يَجِيءَ فِيهَا بَقِيٌّ كَأَجْرِي فِيهِمْ مَضَى -

اگر ایسا ہوتا کہ جب ایک آیت ایک شخص کے متعلق اتری اور وہ شخص بعد میں مر گیا تو اس کے ساتھ وہ آیت بھی مردہ ہو گئی ہوتی تو اس طریق سے تو پھر سب کتاب مردہ ہو گئی ہوتی حالانکہ وہ زندہ ہے اور آئندہ کیلئے اسی طرح جاری ہے جس طرح گذشتہ لوگوں کے لئے جاری تھی۔

بروایت عبدالرحیم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ تحقیق قرآن زندہ ہے مرنہیں گیا اور وہ اس طرح جاری ہے جس طرح یں و نہار اور شمس و قمر جاری ہیں اور یہ ہمارے آخر پر ویسے جاری ہے۔ جیسے ہمارے اول پر جاری تھا۔

تفسیر نرات بن ابراہیم سے بروایت غیرت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ قرآن تین حصوں پر اترتا ہے ایک حصہ ہمارے اور ہمارے دوستوں کے بارے میں ہے اور ایک حصہ ہمارے دشمنوں اور ہمارے گذشتہ بزرگوں کے دشمنوں کے حق میں ہے اور ایک حصہ سنت اور امثال میں ہے (اگر ایسا ہوتا) کہ جب کوئی آیت کسی قوم کے متعلق نازل ہوتی اور پھر اس قوم کی موت کے بعد وہ آیت بھی مردہ ہو جاتی تو اس وقت تک قرآن باقی نہ رہتا ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں، بلکہ قرآن کا اول آخر پر جاری رہے گا جب تک آسمان و زمین باقی ہیں اور ہر قوم کے لئے آیت موجود ہے کہ وہ اسکی تلافی کرتے ہیں یا وہ اس آیت سے خیر کے مصداق ہیں یا شر کے۔

تفسیر عیاشی سے بروایت عبدالرحیم قصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اپنے اللہ تعالیٰ کے فرمان (وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ) کے متعلق فرمایا کہ علی ہادی ہے اور ہم میں سے ہادی (مردم) ہے میں نے عرض کی میں آپ پر خدا ہواؤں کیا آپ وہی ہادی ہیں؟ تو فرمایا (بالکل) تو نے سچ کہا کیونکہ قرآن زندہ ہے مردہ نہیں اور یہ آیت بھی زندہ ہے مردہ نہیں اور اگر

وعن عبد الجيم قال ابو عبد الله ان القرآن
حتى لم يموت واقه يجري كما يجري الليل
والنهار وكما تجرى الشمس والقمر ويجري
على اخرنا كما يجري على اولنا

عن تفسیر نرات بن ابراہیم عن خيثمة
عن ابى جعفر قال ان القرآن نزل اثلثا
ثلث فينا وفي اعدائنا وثلث في اعدائنا
وعدا ومن كان قبنا وثلث سنة ومثل
ولو ان الآية اذا نزلت في قوم ثم مات
اولئك ماتت الآية كما بقي من القرآن
شيء ولان القرآن يجري اوله على
اخيره ما قامت السموات والارض ولو لم
قوم آية يشكروها هم منها من خير او شر

عن تفسیر العیاشی عن عبد الرحیم القصیر
عن ابی جعفر انه قال في اياته ولي كل قوم
هاد على ان الهادي ومما الهادي فقلت فانت
مبعثت فذاك الهادي؟ قال صدقت ان
القرآن حتى لا يموت والاية حية لا تموت

فَلَوْ كَانَتْ الْآيَةُ إِذَا نَزَلَتْ فِي الْأَقْوَامِ وَمَا
 تَوَلَّوْا مَا تَتَّبَعَتِ الْآيَةَ لَمَاتِ الْقُرْآنَ وَلَكِنْ
 هِيَ جَارِيَةٌ فِي الْبَاقِينَ كَمَا جَرَتْ فِي الْمَاضِي
 ایسا ہوتا کہ ایک آیت جن قوموں کے بارے میں نازل ہوتی اگر ان کے مرتبے
 کے بعد وہ آیت بھی مردہ ہو جاتی تو اس طرح پھر سارا قرآن مردہ ہو جاتا
 لیکن ایسا نہیں بلکہ وہ آئندہ نسلیں میں ویسے جاری ہے جیسے گذشتہ لوگوں میں جاری تھا

پہلی روایات قرآن کے ظاہر و باطن کے متعلق مقام ثبوت و بیان اہمیت پر مشتمل تھیں اور آخری روایات مقام اثبات اور
 بیان کمیت کے لئے ہیں۔ یعنی وہ روایات بطور دعویٰ تھیں اور یہ روایات بطور دلیل ہیں۔

یعنی اگر معانی قرآنیہ کو فقط ظاہری اور تنزیلی مصداق پر بند رکھا جائے اور اس کی تاویل کو جاری نہ سمجھا جائے تو
 اس کا صاف یہ مطلب ہوگا کہ قرآنی ہدایات کے چشمے فقط زمان تنزیل تک ہی تھے گویا جناب رسالت کی رحلت اور اختتام
 وحی کے بعد وہ چشمے بالکل خشک ہو گئے اور قرآن کی معنوی زندگی ختم ہو گئی لیکن چونکہ باتفاق امت اسلامیہ قرآن قیامت
 تک زندہ ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ اس کے مصداق اہل غیر سے ہوں یا اہل شر سے ہوں قیامت تک زندہ ہیں۔ اور
 قرآنی احکامات و خطابات میں گذشتہ لوگوں کے ساتھ برابر شریک ہیں۔

اب قرآن مجید میں عام طور پر تین قسموں کے مضمون وارد ہیں۔

۱۔ ابتدائے تخلیق حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور تک کے انبیاء و
 صالحین اور ان کے اتباع کے تذکرے اور ان کی اوصاف حمیدہ کا ذکر تاکہ قیامت تک آنے والوں کے لئے
 مشعل راہ قرار دیئے جائیں۔

۲۔ دشمنان دین اعدائے انبیاء و صالحین اور ان کے پیروکاروں کے واقعات اور ان کی برائیاں اور ان کے عبرت انگ
 انجام کا ذکر تاکہ قیامت کے لئے باعث نصیحت و عبرت ہوں۔

۳۔ ادا و نواہی و ضرب الامثال و جنت و نار وغیرہ کا ذکر تاکہ نیک لوگوں کے انعامات اور برہوں کی عقوبات سے
 نصیحت و عبرت حاصل کرنے کے بعد خوشنودی خدا کی تحصیل اور غضب خدا سے اجتناب کے لئے قیامت تک کی
 آنے والی نسلیں کو طریق عمل اور صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا پتہ چل سکے اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے جنت
 کی راہ لیں یا دوزخ کا راستہ اختیار کریں۔ *لَا اسْوَءَ مَا فِي السَّيِّئِينَ قَدْ تَبَيَّنَ التَّوَشُّدُ مِنَ الْعَمَى*۔ یعنی دین میں
 کوئی مجبوری اور زبردستی نہیں۔ ہدایت اور گمراہی (دووں کے رستے) واضح ہو چکے ہیں۔

اب تنزیل کے طور پر آیات قرآنیہ کے جو اقسام ہیں۔ تاویل کے اعتبار سے بھی ویسے ہی اقسام ہوں گے۔

پہلے جہاں تنزیل کے آدم سے لے کر خاتم تک تمام خاصان خدا۔ آیات قرآنیہ کے ظاہری مصداق تھے۔ وہاں قیامت
 تک کے لئے حضرت رسالت کی حقیقی جانشین اور ان کے اتباع و انبیاء باطنی طور پر انہی آیات قرآنیہ کے مصداق ہیں۔
 اور جہاں ابتدائے آدم سے لے کر جناب رسالت تک کے سب دشمنان خدا و انبیاء و صالحین۔ جن جن آیات قرآنیہ کے

ظاہری مصداق تھے۔ وہاں تاویل کی صورت پر قیامت تک کے تمام اعدائے دین اور دشمنان اکبر ظاہری باطنی مصداق دیکھو وہ ہیں۔ بنا بریں جن آیات کا تنزیلی مصداق حضرت علیؑ ہے ان کا تاویل و باطنی مصداق ہر زمانہ کا امام ہے اسی لئے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے عبدالرحیم قسیر کے جواب میں فرمایا کہ ہر زمانہ کے امام کو قرار دیا۔ حالانکہ تنزیل کے اعتبار سے اس کے مصداق صرف حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ہی تھے اور آپ نے یہی استدلال فرمایا کہ قیامت تک زندہ ہے لہذا اس کے مصداق بھی قیامت تک زندہ رہیں گے۔

پس بنا بریں انبیاء کی تاویل اکبر ہے اور تمام اعدائے دین کی تاویل ان کے دشمن ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ باقی رہے اس تحقیقی بیان سے یہ بات پختہ ہو کہ پیغمبر گوی کہ آدمؑ کے علم کا جوہر۔ توح کی خشیت کا منکر۔ ابراہیمؑ کی نعت کا لکھنہ یوسف کے جمال کا جلوہ۔ ایوب کا صبر و رضا۔ عیسیٰ کا زہد و تقویٰ۔ موسیٰ کی ہیبت و جلال اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کا حسب و کمال بلکہ تمام انبیاء کی حمیدہ خصال کو اگر دیکھنا چاہو تو علیؑ کے چہرہ کی زیارت کرو۔ (یہ بھی موقع خصال انبیاء)

عن البحار۔ قال رسول الله في حديث طويل
 بيانس۔ من اراد ان ينظر الى آده في علمه و
 الى انباهيه في وقاره و الى سلياته في وقاصيه
 و الى يحيى في زهده و الى ابي ب في صبره و
 الى اسماعيل في صدقه فلينظر الى علي بن ابي طالب
 ابي طالب -

بجاء الانوار سے منقول ہے کہ جناب رسالت اکبرؐ نے ایک حدیث طویل میں فرمایا۔ اے انس۔ جو شخص چاہے کہ میں حضرت آدمؑ کو علم میں ابراہیمؑ کو وقار میں۔ موسیٰ کو اپنے فیصلوں میں۔ یحییٰ کو اپنے زہد میں۔ ایوب کو اپنے صبر میں۔ اور اسماعیل کو اپنے صدق میں دیکھوں تو وہ علی بن ابی طالب کی طرف دیکھے۔

جب احادیث سابقہ سے تنزیل اور تاویل۔ ظاہر اور باطن کے معنی کی وضاحت ہو چکی تو اس حدیث کی تطبیق بالکل آسان ہے کیونکہ جہاں قرآن مجید میں انبیاء سابقین کے جن جن اوصاف حسنہ اور خصال حمیدہ کا تذکرہ ہے تو وہ ظاہر اور تنزیل کے اعتبار سے ان کے مصداق تھے لیکن چونکہ آیات قرآنیہ قیامت تک زندہ ہیں اگر ان کے مصداق ان انبیاء تک ہی محدود کر دیئے جائیں تو وہ آیات قرآنیہ ہمیشگی کی زندگی سے قطعاً محروم ہو جائیں گی تو اس کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ قرآن مجید کل کا کل قیامت تک کے لئے زندہ و باری و حجت نہیں۔ تو ماننا پڑے گا کہ انبیاء سابقین کے اوصاف و کمالات کے حاملین بھی قیامت تک زندہ اور باقی ہیں اور باطنی رنگ میں وہ انہی آیات حمیدہ کے مصداق ہیں۔

اپنے دور میں جناب رسالت اکبرؐ ان تمام خصال حمیدہ کا مجسمہ تھے اور ان کے بعد حضرت امیر المؤمنینؑ کی ذات تمام خصال انبیاء کا خزینہ تھی اور ان ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ ہر زمانہ میں نسلاً بعد نسل ہر زمانہ میں حجت خدا کی خصال انبیاء تھا اور سب کے آخر میں حضرت دلی العصر صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ علیہ و علیٰ آباءہ السلام ان تمام اوصاف و کمالات انبیاء و سابقین کے جامع ہیں اور اسی ہی شان و شوکت سے ظہور جلال فرما کر دنیا کو صلح و آشتی سے پر کریں گے اور فتن و فسادات کا

تعلق قریب کریں گے۔

اس مطلب کی مزید وضاحت حضرت ائمہ طاہرین علیہم السلام کی زبان حق ترجمان سے سنیں۔

۱۱) عن امیر المؤمنین - نَحْنُ أَهْلُ الْبَيْتِ يُقَاسُ
بِنَا أَحَدًا فَيُنَا نَزَلَ الْغُرَاتُ وَفِيْنَا مَعْدَنُ الرَّسَالَةِ
۱۲) روى الكليني باسناده عن ابي بصير قال قال
الصادق عليه السلام يا ابا محمد ما من
آية تقود إلى الجنة ولا يدكر أهلها بخير
إلا وهي فينا وفي شيعتنا وما من آية نزلت
يدكر أهلها بشر ولا تسوق إلى النار إلا
وهي في عدونا من خالفنا -

حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ ہم اہلبیت کے ساتھ کسی کو برابر نہیں کیا
جاسکتا کیونکہ قرآن ہمارے متعلق اترا ہے اور رسالت کی کان ہم میں ہے۔
کلینی نے باسناد خود ابوبصیر سے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق
علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابو محمد۔ جس قدر آیات جنت کی دعوت
دیتی ہیں اور ان کے اہل کا ذکر خیر سے کیا گیا ہے وہ ہمارے اور
ہمارے شیعوں کے حق میں ہیں اور جس قدر آیاتیں ان کے اہل کا
ذکر برائی سے کیا گیا ہے اور وہ جہنم کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وہ
ہمارے دشمنوں اور مخالفوں کے حق میں ہیں

۱۳) عن العياشي عن محمد بن مسلم عن
ابي جعفر قال يا محمد إذا سمعت الله يذکر
قومًا من هذه الأمة بخير - فنحن هم
وإذا سمعت الله ذکر قومًا يسوءهم ما مضى
فهم عدونا -

بروایت تفسیر عیاشی۔ محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ امام محمد باقر
علیہ السلام نے فرمایا، اے محمد! جہاں سنو کہ اللہ نے اس امت میں سے
کسی قوم کا ذکر خیر کیا ہے (پس جان لو) کہ مراد ہم ہیں اور جب سنو کہ
اللہ نے کسی بھی قوم کا ذکر بری سے کیا ہے جو گذر چکی ہیں (تو جان
لو کہ) وہ ہمارے دشمن ہیں۔

۱۴) عن امیر المؤمنین فی حدیث، له طویل
ذکر فیہ صفات الامام ان هذه كلها لآل
محمد لا يشاركهم فيها مشارك إلهتهم معنا
التنزيل ومعنى التاويل - الخبر

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے جس میں
آپ نے صفات امام کا ذکر کیا۔ فرمایا تحقیق یہ سب صفات آل محمد
کی ہیں۔ ان میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ کیونکہ یہ تنزیل کی کان اور
تاویل کا مقصد ہیں۔ الخبر

۱۵) فی مناقب بن شہر آشوب ان معاویة قال
لا بن عباس انا کتبت فی الآفاق نثی عن ذکر
مناقب علی قلت لسانک عنها قال اکتبنا
عن قرآء القرآن قال لا قال اکتبنا عن
ناویله؟ قال نعم - قال اکتبنا ولا
نسئل قال سل عن غیر اهل بیتک

مناقب بن شہر آشوب میں ہے کہ معاویہ نے ابن عباس کو کہا کہ
ہم نے اطراف مملکت میں حکمنا جاری کر دیا ہے کہ علی کے فضائل
کا ذکر نہ کیا جائے۔ پس تم بھی اپنی زبان کو اس سے روک لو، ابن عباس
نے کہا کہ تو ہمیں قرآن پڑھنے سے روکتا ہے؟ کہا نہیں (ابن عباس)
نے کہا۔ کہ کیا تو ہمیں اس کی تاویل سے روکتا ہے؟ کہا ہاں (ابن عباس)
نے کہا کہ کیا ہم قرآن کو پڑھیں اور اس کے متعلق سوال نہ کریں؟ کہا

قَالَ إِنَّكَ مُنْزَلٌ عَلَيْنَا أَنفَسُ عَلٍ
عَيْنِنَا؟ الخبر

۱۶ عن الاحتجاج عن الباقر قال قال النبي
في خطبة يوم الغدير معاشر الناس اهدنا
علي احقلم بئنا وانزلنا اليك - والله وانا
عنه راضيان - وما نزلت آية رضى الا
فيه وما خاطب الذين امنوا الا بسآء به
ولا نزلت آية مدهج في القرآن الا فيه
معاشر الناس ايات فضائل علي عند الله
عز وجل وقد انزلها علي في القرآن
الكثير من ان اخصيها في مكان واحد
فمن نباكم بها وعرفها فصدا لله

۱۷ في توحيد الصدوق وغيره باسانيد قال
الصادق ما من آية في القرآن اولها
يا ايها الذين امنوا الا وعلى بن ابي طالب
اميرها وقائدها وشرقيها واولها

کہ سوال کرو لیکن البیہوش کے غیر سے سوال کرو (ابن عباس) نے
کہا کہ آراہم پر ہے اور پوچھیں غیر سے؟

بروایت احتجاج حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب
رسالتا کی نے خطبہ غدیر میں ارشاد فرمایا اے لوگو! یہ علی تمہاری نسبت
میرے حقوق کا زیادہ حقدار ہے اور میرے زیادہ قریب ہے اللہ اور
میں اس سے دونوں راضی ہیں خوشنودئی خدا کی جو آیت بھی اتری ہے
اسی کے حق میں ہے اور جس مقام پر بھی خدا نے ایمان والوں کا ذکر کیا ہے
اس کا پہلا نمبر ہے قرآن میں کوئی تعریف کی آیت نہیں اتری مگر اسی کے
حق میں۔ اے لوگو! تحقیق علی کے فضائل جو اللہ نے قرآن مجید میں میرے
اوپر نازل کئے ہیں وہ ایک جگہ پر شمار کرنے میں نہیں آتے۔ پس
جو شخص تمہیں ان کی خبر دے اور ان کو پہچانتا ہو پس اس کی
تصدیق کر لو۔

توحید صدوق و دیگر کتب سے باسانید منقول ہے کہ حضرت صادق
علیہ السلام نے فرمایا۔ کوئی آیت ایسی نہیں جس کے اول میں سیا
آیہا الذین امنوا مگر علی بن ابیطالب اس کا امیر و قائد
و شریف و اول ہے۔

ان روایات کے علاوہ اور بھی اسی مضمون کی روایا بکثرت وارد ہیں۔ جن میں سے بعض ضمنی طور پر اپنے مناسب مقامات
پر ان شاء اللہ مذکور ہوں گی۔

بہر کیف قرآن قیامت تک زندہ ہے مردہ نہیں۔ لہذا اس کی آیات کے مصداق بھی خواہ نیکوں سے ہوں یا بُروں
سے ہوں۔ قیامت تک آتے رہیں گے۔

مطلب کی تائید کے لئے دستور قرآنی ملاحظہ فرمائیے۔ خداوند کریم نے جناب رسالتا کی کے زمانہ کے بنی اسرائیل کی
طرف بہت سے کاموں کی نسبت دی حالانکہ وہ کام ان سے سرزد نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً فرمایا۔ قَلِمًا قَتَلْتُمْ أَنبِيَاءَ
اللَّهِ تَمَّ نَسَبُهُمْ قَتَلْتُمْ قُلُوبَهُمْ - تمہارے دل سخت ہو گئے۔ نَجِيثًا كَرِهْتُمْ نَسَبًا تَمَّ نَسَبُهُمْ قَتَلْتُمْ قُلُوبَهُمْ - تم کو نجات دی۔
و علی ہذا القیاس۔ لیکن جن لوگوں نے یہ سب کام کئے تھے حالانکہ ایک ہزار سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ ان کو گزر چکا تھا یہ
لوگ ان کے کاموں کو بُری نگاہ سے نہ دیکھتے تھے بلکہ راضی تھے پس ان کو بھی ان جیسا قرار دیا گیا۔ مَنْ رَضِيَ بِفِعْلِي قَوْمًا

فَمَنْ رَضِيَ بِهِ فَمَنْ رَضِيَ بِهِ وَهُوَ كَمَا أَمَرْنَا مِنْهُ
پس ان آیات کے حقیقی مصداق وہ لوگ تھے جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھے لیکن ان کو انہی جیسا قرار دے کر
مصداق آیات بنا لیا گیا ہے۔

لہذا گذشتہ لوگوں کے اعمال بد پر راضی ہونے والے یا ان کے افعال کو اپنانے والے اگر ان ہی کے درجہ میں شریک اور
ان جیسے ہیں تو گذشتہ لوگوں کے افعال حسنہ اور اعمال صالحہ میں ان کے ساتھ شرکت کرنے والے کیوں نہ ان کے صفات
وخطابات کے مستحق ہوں گے؟

وَالرَّطَّانُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِنَّ فِيكُمْ مَسْئُومًا
يُقَاتِلُ عَلَيَّ تَائِبِينَ الْقُدْرَاتِ كَمَا نَأْتَتْ عَسَلِي
كَأَنَّ بِلَيْهِ وَهُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ
برہان میں ہے کہ جناب رسالتاً نے فرمایا۔ تحقیق تم میں ایک ایسا شخص
موجود ہے جو تائیل قرآن کے ماتحت جہاد کرے گا۔ جیسا کہ میں نے
تمغزلی کے ماتحت کیا ہے اور وہ حضرت علی بن ابی طالب ہے۔
پس اس روایت سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے
مقابلہ میں لڑنے والوں کی تمغزلی قرآن اور ظاہر قرآن کے اعتبار سے جو پوزیشن ہے۔ اسی طرح حضرت امیر المؤمنین اور ان
کے مقابلہ میں آنے والوں کی وہی پوزیشن ہے۔

جن خطابات قرآنیہ کے ظاہر و تمغزلی کے لحاظ سے وہ حق دار تھے۔ بعینہ انہی خطابات کے جہان باطن پر مشتمل ہیں۔
مصداق آیات الہیہ ہونے میں جناب رسالتاً اور حضرت امیر المؤمنین کے درمیان ظاہر و باطن یا تمغزلی و تائیل کا فرق ہے
یعنی آنحضرت ظاہری اور تمغزلی مصداق تھے اور یہ باطنی اور تائیل مصداق ہیں۔ اس طرح ان کے دشمنوں کو خطابات قرآنیہ سے
جو ظاہر اچھٹیت تھی۔ ان کے دشمنوں کو باطناً وہی حیثیت حاصل ہے۔ اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے ائمہ ظاہرین اور ان
کے ہر دور میں دشمنوں کے درمیان خطابات قرآنیہ کی تقسیم بعینہ اسی طرح ہے۔ جیسا کہ اس باب کی گذشتہ احادیث میں بیان
ہو چکا ہے

وَالسَّلَامَةُ عَلَيَّ مِنْ أَتَّبَعِ الْمُنَى

قرآن سے شیعہ کا تمسک

اس عنوان کے تحت میں صرف یہی بیان کرنا ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کا قرآن سے کیا ربط ہے اور ان کا قرآن پر
ایمان کس قدر راسخ ہے اور ان کے خلاف کہنے والے کس قدر ان پر بہتان تراشی کرتے ہیں۔

تصریحات علمائے شیعہ

شیخ ابن بابویہ نے رسالہ اعتقادات میں تحریر فرمایا ہے۔ ہمارا اعتقاد قرآن کے متعلق یہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام اور اس کی معرفت کا ذریعہ اس کی تنزیل ہے۔ اس کا قول اور اس کی کتاب ہے اس کے پاس آگے اور پیچھے سے باطل نہیں آسکتا۔ یہ علیم و حکیم کی نازل کردہ کتاب اور تحقیق پر بیان حق ہے اور بے شک یہ قول فصل ہے سخری و مزاح نہیں اور تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا پیدا کرنے والا نازل کرنے والا اور محافظ و نگہبان اور کلام کرنے والا ہے۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ تحقیق قرآن جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ پر نازل کیا وہ وہی ہے جو ان دو تختوں کے درمیان ہے اور وہی ہے جو عام لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے کچھ بھی زیادہ نہیں اور اس کی سورتوں کی تعداد لوگوں کے نزدیک ایک سو چودہ ہے۔ ہمارے نزدیک الضحیٰ اور آلہ نشرہ ایک سورہ شمار ہوتی ہے۔ اور لایلاک اور آلہ تروکیم دونو ایک سورہ کے شمار میں ہیں۔ اور جو لوگ ہماری طرف اس سے زیادہ نسبت دیتے ہیں پس وہ مجھوتے ہیں۔

علامہ مجلسی رسالہ اعتقادات میں فرماتے ہیں۔ قرآن کی حقیقت پر ہمارے نزدیک ایمان لانا واجب ہے اور اس میں جو کچھ موجود ہے (خواہ تفصیل معلوم نہ ہو) اس پر اور اس کے منزلی من اللہ ہونے پر اور اس کے معجز ہونے پر ایمان لانا ہمارے نزدیک واجب ہے اس کا انکار اور توہین ہمارے نزدیک کفر ہے اسی طرح ہر وہ کام جس سے قرآن کی توہین لازم آئے مثلاً اس کو بلا ضرورت رقم کمانے کے لئے پیشہ بنانا یا نجس جگہ میں ڈالنا حرام ہے کفر ہے)

سید مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں قرآن مجید کے صحیح منقول ہونے کا ایسے علم ہے جیسے دور کے بڑے شہروں اور بڑے حادثوں اور

ابن بابویہ فی الاعتقادات - اعتقادنا فی الفرقان انه کلام اللہ و وجہہ و تنزیلہ و قولہ و کتابہ و انه لا یاتیہ الباطل من بین یدایہ و لا من خلفہ تنزیل من حکیم علیم و انه القصص الحق و انک لقل فصل و ما هو بالهزل و ان اللہ تبارک و تعالیٰ محدثہ و منزلہ و ربہ و حافظہ و المتکلم بہ اعتقادنا - ان القرآن الذی انزلہ اللہ تعالیٰ علی نبیہ محمد ہو ما بین الدفتین و هو ما فی یدی الناس لیس باکثر من ذلک و مبلغ سورہ عند الناس مائة و اربع عشرة سورہ و عندنا ان الضحیٰ و آلہ نشرہ سورہ واحده و لایلاف و آلہ تروکیم سورہ واحده و من نسب الینا انا نقول انه اکثر من ذلک فهو کاذب۔

(۲) المجلسی فی الاعتقادات - يجب ان یؤمن بحقیقۃ القرآن و ما فیہ مجملًا و کوفہ منزلًا من اللہ تعالیٰ و کونہ معجزًا و انکارہ و الاستخفاف بہ کفر و کذا فعل ما یتلوه الاستخفاف بہ کفر و من غیر ض و مرہ و القاہ فی الفاذ و مرات۔

(۳) المرتضیٰ - ان العلم بصحۃ نقل القرآن کالعلم بالبلدان و الحوادث و الکبائر و الوقائع

العظام والكتب المشهورة و اشعار العرب
المسطورة

۴- الطبری۔ فی مجمع البیان۔ قال فاما الولاية
فيه فمجمع على بطلانه واما نقصان منه
فقط سوى جماعة من اصحابنا وقوم من
حشوية العامة ان في القرآن تغيرا ونقصانا
والصحيح من مذهب اصحابنا خلافه

عظیم یادگاروں اور مشہور کتابوں اور جاہل عرب کے شعروں کے
صحیح نقل ہونے کا علم ہے۔

علامہ طبرسی مجمع البیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں زیادتی
کا قول باطل ہے (اجماعاً) البتہ کمی کے متعلق ہمارے اصحاب کی ایک جماعت
اور سنیوں میں سے بھی بعض لوگوں نے قرآن میں تغیر اور نقصان کا قول
کیا ہے۔ لیکن ہمارے شیعہ علمائے کا صحیح مذہب اس کے خلاف
ہے (کوئی کمی نہیں ہے جس طرح کوئی زیادتی نہیں)

یہ سب فرمائشات اکابر علمائے مذہب شیعہ کی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہی موجودہ قرآن جو مشرق سے لے کر غرب تک
اور جنوب سے شمال تک شائع اور عام ہے جس سے اسلام کا پتہ پتہ واقف ہے۔ یہی قرآن کلام خدا ہے اور جناب محمد
مصطفیٰ پر اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ اس کی آیات میں سے ایک چھوٹی سی آیت کا انکار کرنا بلکہ ایک حرف کا انکار
کرنا بھی کفر ہے اور اس کے کسی فیصلے کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ اسی طرح اس کی توہین یا ہر وہ فعل جس سے اس
کی توہین لازم آئے وہ بھی کفر ہے۔

علمائے اسلام زمانِ ائمہ طاہرین سے لے کر دورِ حاضر تک قرآن کی خدمت اور اس کی تبلیغ و ترویج کو اپنا دین
سمجھتے رہے ہیں اور رہیں گے چنانچہ ابتدائی عنوانات میں قرآن مجید کے جو فضائل کتبِ امامیہ سے میں نے نقل کئے ہیں وہ
علمائے امامیہ کی مفصل کتب میں جمع شدہ احادیث کے مقابلہ میں ایسے ہیں۔ جیسے بحرِ زخار کے مقابلہ میں ایک قطرہ آب
شیعہ مذہب میں قرآن ہی روحِ ایمان ہے۔ اگر کتبِ امامیہ سے قرآن۔ تباری قرآن۔ ساح قرآن۔ حامل قرآن۔ عالم قرآن
متعلم قرآن۔ حافظ قرآن اور کاتب قرآن وغیرہ کے تمام ذکر شدہ فضائل کو جمع کیا جائے تو بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب
میں سما بھی مشکل ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام فیصلہ تحکیم کے بعد ایک طویل خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔
چنانچہ بیچ البلاغہ خطبہ ۱۲ میں ارشاد ہے۔

إِنَّا لَمُحْكِمِ السَّجَالِ وَإِنَّمَا حَكَمْنَا الْقُرْآنَ
وَهَذَا الْقُرْآنُ إِنَّمَا هُوَ حَقٌّ مَسْتُورٌ بَيْنَ
الذَّكَتَيْنِ لَا يَنْطِقُ بِلِسَانٍ وَلَا يُدَاكِلُهُ مِثْ
تَوْجِهَانٍ وَإِنَّمَا يَنْطِقُ عَنْهُ السَّجَالُ وَكَلَّمَآءَنَا
الْقَوْمُ إِلَى أَنْ يَحْكُمَ بَيْنَنَا الْقُرْآنُ لَعَنَ نَكِبِ
الْفَرِيقِ الْمُتَوَلَّى عَنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَقَدْ قَالَ

ہم نے لوگوں کو حاکم نہیں بنایا۔ بلکہ ہم نے تو قرآن کو ہی حاکم قرار دیا تھا
اور یہ قرآن سوائے اس کے نہیں کہ دو تختیوں کے درمیان محفوظ خط ہے
وہ خود نہیں بولتا بلکہ اس کے لئے ترجمان کی ضرورت ہے اور انسان ہی
اس کی طرف سے بولا کرتے ہیں۔ جب قوم (معاویہ) نے ہم کو دعوت دی
کہ قرآن کو اپنے درمیان فیصلہ مقرر کریں تو ہم کتاب اللہ سے منہ موڑنے
والا فریق نہیں تھے۔ اللہ سبحانہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم کسی لہر

اللَّهُ وَسُبْحَانَكَ فَإِن تَسَاءَلْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ
إِلَى اللَّهِ وَاللَّهِ سُّوْلٌ قَدُوْدَةٌ إِلَى اللَّهِ أَن تَحْكُمُوْهُ
بِكِتَابِهِ - الخطبہ

میں جھگڑا کرو تو اس کے فیصلہ کے لئے معاملہ کو اللہ ورسول کی طرف
پلٹا دو۔ پس اللہ کی طرف پلٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے نزاعات
میں اس کی کتاب کو حاکم بنائیں۔ الخطبہ

اسی قرآن کا فیصلہ جنگ صفین میں ہر دو فریق نے تسلیم کیا تھا اور جنگ روک دی گئی تھی۔ پھر حکیم کے بعد فیصلہ قرآن مجید
کے مطابق ہوا یا نہیں۔ یہ ایک الگ بحث ہے جو موضوع کتاب سے خارج ہے۔ بہر کیف یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ حضرت
علیؑ والوں کے پاس کوئی دوسرا قرآن نہیں تھا بلکہ وہی تھا جو معاد یہ والوں کے پاس تھا۔

عمل علمائے شیعہ

مذہب شیعہ کے علمائے اعلام رضوان اللہ علیہم نے قرآن مجید کی بہت بڑی تفاسیر لکھی ہیں اور وہ سب اسی قرآن
کی ہیں جو تمام اہل اسلام کے پاس موجود ہے۔ ایک حرف تو بجائے خود ایک نقطہ بلکہ زیر و زبر تک کا فرق نہیں اور اکثر
مفسرین نے اپنی تفاسیر کے مقدمہ میں فضائل قرآن کا ایک مستقل باب قائم کر کے اس بارہ میں بہت کچھ احادیث اکملہ
نقل کی ہیں اور علمائے شیعہ نے جتنا اہتمام احادیث اکملہ کے جمع کرنے کے لئے کیا ہے اس سے کہیں زیادہ اہتمام تفسیر
قرآن کے لئے کیا ہے اور تصانیف فریقین پر استقرانی نظر کرنے کے بعد منصف طبائع اس نظریہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ قرآن کریم
کی تفسیری خدمات میں علمائے امامیہ تمام اہل مذاہب اسلام سے گئے سبقت لے گئے ہیں اور عموماً دیگر فرقوں کے اکابر نے
ان کے علمی انادات سے نوشہ چینی کی ہے۔

علمائے امامیہ کا یہ اہتمام بتاتا ہے کہ مذہب شیعہ کا اصل و اساس صرف قرآن مجید ہی ہے جس طرح کہ اکملہ طاہرینؑ
سے گذشتہ ابواب میں قرآن مجید کے ساتھ تمسک پکڑنے کا پُر زور فرمان اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ البتہ بات یہ ہے
کہ شیعہ تنہا قرآن کو کافی نہیں جانتے بلکہ وہ حدیث رسول اتی تبارک فیکم الثقلین کے پیش نظر قرآن کے ساتھ ساتھ
اہلبیت رسول کے ساتھ تمسک کرنا بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔

شیعہ کتب احادیث جو شرق و غرب میں دائر و سائر ہیں۔ اکملہ اہلبیت کے استدلال قرآنیہ سے بھرپور ہیں۔
اثبات توحید۔ عدل۔ قیامت۔ تہمت میزبان۔ ثواب و عقاب اور جنت و نار وغیرہ میں قرآن مجید کی آیات سے ہی استدلال
کیا گیا ہے۔ اسی طرح نماز، زکوٰۃ، خمس اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کے مسائل فرعیہ میں قرآنی آیات سے کافی
استشہاد کیا گیا ہے اور علاوہ ازیں عقود، ایقاعات، حدود، تعزیرات اور فرائض وغیرہ سبھی کے تمام ابواب فقہیہ کے فرعی حکام
میں استدلال قرآنیہ ہی پیش پیش ہیں۔ علم اصول فقہ میں شیعہ کے نزدیک قرآن مجید موضوع علم میں پہلی اصل بلکہ اصل
اصول ہے کیونکہ جملہ ابواب اصولیہ میں اصولی نکات پر اثباتی ابجاث قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں ہی ہوا کرتی ہیں غرضیکہ

تمام علوم مذہب حقہ اثنا عشریہ قرآن مجید سے ہی استفادہ ہیں اور یہی تمام علوم کی بنیاد ہے علمائے امامیہ قدس اللہ اسرارہم نے علوم قرآنیہ کی اشاعت و ترویج کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں اور اب تک یہی سلسلہ جاری ہے اور رہے گا قرآن مجید کے فیض کو عام کرنے کے لئے علمائے اعلام نے بڑے مصائب برداشت کئے قید و بند کی تکالیف بھیلیں۔ اور جلاوطنی کے دل پر تیر ہے جام شہادت نہں نہں کر نوش کیا۔ بائیں ہمہ جب تک بدن میں جان باقی رہی۔ علوم قرآنیہ کی خدمات سے کنارہ نہ کیا۔

شیعہ عوام کا کردار

تمام ممالک اسلامیہ میں جس جس مقام پر کم یا بیش شیعہ آبادی موجود ہے۔ ان کے گھروں میں قرآن، مساجد میں قرآن، امام باڑوں میں قرآن موجود ہے مقام گریہ و بقا میں عزاداری کا منظر ملاحظہ فرمائیے۔ اطراف عالم میں جہاں شیعہ لوگ عزائے اکی عطر کی صف بچھاتے ہیں اور شبیہ وغیرہ بناتے ہیں۔ شبیہ روضہ مبارکہ و ذوالجناح و جھولا برآمد کرتے ہیں شبیہ روضہ کے اندر قرآن مجید۔ ذوالجناح کے ساتھ قرآن اور جھولے کے اندر قرآن ہوتا ہے اگر تعصب کی عینک اتار کر منصفانہ نگاہ ڈالی جائے اور شبیہ تعزیر کا تجزیہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ گنبد نما ایک محل کا نمونہ (جس کو قیمتی پارچات یا خوبصورت کاغذات یا رنگدار لکڑیوں کے قطعات سے مزین کیا جاتا ہے) ہوتا ہے گویا وہ تاجدار مملکت امامت شہسوار عرصہ شجاعت اور سرکار شہادت کے عصمت کردہ شاہی ایوان کا خالی ڈھانچہ ہوا کرتا ہے جس کے اندر غلافوں میں ملفوف یا بلا غلاف متعدد قرآن مجید رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ شیعہ لوگ اس کو اپنے سروں پر اٹھا کر چودہ سو برس سے ماتی لباس میں ماتی عنوان سے ماتی جلوسوں میں ہزاروں کی تعداد میں سرنگے پا برسہ نوحہ کناں سینہ زناں بازاروں میں چلتے ہوئے چوکوں میں کھڑے ہو کر غرضیکہ منظر عام پر چلا کر بلا بلا کر رور و کر پیٹ پیٹ کر تمام اقوام عالم کے گوش گزار کرتے ہیں کہ دیکھو ہمارے رسول نے اس ایوان امامت میں (جس کی شبیہ کو ہم اٹھائے ہوئے ہیں) ہماری ہدایت اور نجات کے لئے دو گراندہ چیزیں چھوڑی تھیں۔ ایک قرآن اور دوسری اہلبیت۔ لیکن افسوس کہ نااہل امت نے اس ایوانِ خلافت کو ٹوٹ لیا۔ گھروں کو آگ لگا دی گھروں کو جلا وطن کر دیا۔ ان کے حقوق چھین لئے اور ان کے ناحق خون کو پانی کی طرح بہایا۔ بس اب ان محلات میں صرف قرآن باقی ہے۔

اسی طرح ہمارے سامنے گھوڑا ہے اس کی زین کے اوپر بھی قرآن ہی ہے قرآن دابے کو بے وفا امت نے نشانہ بھردن علم بنا کر اتار لیا اور ہمارے پاس صرف قرآن مجید ہی باقی رہ گیا اور امت نے چھوٹے بچوں کو شہید کر دیا۔ لہذا ان کے جھولے میں بھی صرف قرآن ہی موجود ہے۔

پس ہم ان مواقع پر چار کام اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

۱۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ان خالی ایوانوں کی عزت کریں، جن کی یہ شبیہیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

۲۔ ہمارا فریضہ ہے کہ قرآن مجید کی عظمت کو باقی رکھیں اور اس کی حفاظت کے لئے مخالف طاقت کے سامنے بجائے بھٹکنے کے اپنے خون کا آخری قطرہ بہادری جس طرح کہ ہمارے پیشواؤں نے ہمیں عملی درس دیا ہے قائم کر کے اپنے پورے جسم کو اپنے خون سے رنگین کر کے کربلا والوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے ہم دنیا والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ناموس قرآن کے لئے اپنے آئینہ کے نقشِ تدم پر ہمارے خون کا آخری قطرہ حاضر ہے اور یہ وہی قرآن ہے جس کو اہلبیت اپنے خالی ایوانوں میں چھوڑ کر گئے۔

۳۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ایوانِ امامت کے خالی ہر جانے کا بلکہ اس کے اڑ جانے کا جب تک جبینِ غم کریں اور اہلبیت کی یاد کو تازہ رکھتے ہوئے ان لوگوں سے اعتقادی اور عملی اور لسانی اور ہر طریق سے بیزاری اختیار کریں۔ جنہوں نے قرآن والوں پر مظالم کے پہاڑ ڈھا کر ان کے محلات کو ویران کر دیا۔

۴۔ ہمارا فریضہ ہے کہ اللہ سے بصد عجز و انکساری دعا مانگیں اور کہیں اے اللہ! ہمارے سامنے ایوانِ امامت میں صرف قرآن باقی ہے۔ قرآن والوں سے یہ ایوان خالی کر دیا گیا ہے (جس کی تشبیہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے) پس تو اپنے فضل و کرم سے اس ایوانِ شاہی کے ساکن تاجدار منصبِ خلافت حضرت قائم اہلِ محمد کے ظہور میں تعجیل فرما تاکہ یہ ایوان اڑ جانے کے بعد دوبارہ آباد ہو اور اسی ایوان میں قرآن کے ساتھ ہم قرآن والوں کو دیکھیں اور فیض حاصل کریں۔

ذاکرین و واعظین کا طرز بیان مجالس فضائل و عزائم میں یہی ہوتا ہے کہ عنوانِ مجلس آیات قرآنیہ کو قرار دے کر بیان کو شروع کیا جاتا ہے۔ فضائل اہلِ محمد کا اثباتی بیان عموماً استدلالات قرآنیہ سے ہوتا ہے بلکہ چھوٹی مجلسوں سے لے کر بڑے جلسوں تک ابتداءً تلاوتِ قرآن سے کرنا شیعانِ اہلِ محمد کا بالعموم شیوہ ہے۔

یہ اہتمام صرف زندگی کے لمحات تک نہیں بلکہ مرنے والے کے پاس قرآنِ خوانی سنت، اس کی موت واقع ہوجانے کے بعد اس کے پاس قرآن پڑھنا مستحب اس کے کفن کے قطعاً پر قرآن لکھنا مستحب۔ گو یا ہمیشہ قرآنِ شیعہ کے ساتھ اور شیعہ قرآن کے ساتھ ہیں۔

اور گذشتہ تمام مفصل بیانِ شیعہ کے اس دعویٰ کا مؤید و مصدق ہے کہ جملہ اسلامی فرقوں میں سے قرآن کے ساتھ صرف مذہبِ شیعہ والے ہی صحیح تک رکھتے ہیں اور حقیقت قرآن صرف انہی کے پاس ہے اور قرآن پر انہی کا ایمان ہے ان کے مذہب کا دار و مدار بھی قرآن ہے اور موت و حیات میں ان کا سہارا بھی قرآن ہی ہے۔

لیکن متواتر حدیثِ ثقلین اور دیگر تصریحات نبویہ کے پیشِ نظر شیعہ قرآن مجید کی تفسیر و تاویل میں صرف اہلِ محمد ہی فرمائشات پر اعتماد رکھتے ہیں اور کسی بڑے سے بڑے آدمی کے قول و عمل کو قطعاً درخورِ اعتناء نہیں قرار دیتے جو آئمہ اہلِ محمد کی تعلیمات سے بے بہرہ ہو۔

مہتانِ عظیم

جو لوگ صرف قرآن مجید کو کافی سمجھتے ہیں اور اہلِ محمد سے صرف دور ہی نہیں بلکہ اہلِ محمد کی تعلیمات کو بالکل مٹانے

کے درپے ہیں۔ جس طرح کہ خود آل محمدؐ کو مٹانے میں انہوں نے کوئی کسر باقی اٹھا نہیں رکھی تھی۔ وہ سادہ لوح عوام میں بڑے زور و شور سے یہ مغوس پر دہیگنڈہ کرتے پھرتے ہیں۔ کہ شیعوں کا قرآن مجید پر ایمان ہی نہیں تاکہ عوام نہ ان کی سُنیں اور نہ ائمہ اہلبیتؑ کے کمالاتِ علمیہ سے مطلع ہوں اور نہ جناب رسالتؐ کی فرمائش اِنِّیْ تَاْمَرُکُمْ فِیْکُمْ الثَّقَلَیْنِ ان کے کانوں تک پہنچے۔ ورنہ کون اتنا نادان ہے کہ حق کو دیکھ کر اس سے کنارہ کرے؟ یا اہل بیت کے کمالات پر اطلاع پا کر کسی غیر کو ان پر ترجیح دے؟

اور اسی بنا پر شیعہ مجالس میں جانا حرام قرار دیا گیا ہے۔ کتابوں میں، اخباروں میں رسالوں میں اشتہاروں میں اور تقریروں میں فتادی صادر کئے جاتے ہیں کہ شیعہ کی مجلس میں جانا گناہ۔ ان کے ساتھ برتاؤ کرنا حرام حتیٰ کہ ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون ممنوع۔ مجلس میں آنے والوں پر نیک نکاح کا فتویٰ یا تفسیرِ شرعی کا حکم بھی صادر ہوتا ہے۔ اگر کسی شہر میں شیعہ بہت کمزور ہوں تو بہت سے مقامات پر ان کے لئے پانی جیسی عام نعمتِ الہیہ کا استعمال ممنوع بلکہ جملہ ضروریاتِ زندگی سے ان کو محروم کر دیا جاتا ہے۔

اگر وجہ دریافت کی جائے کہ شیعوں کا قرآن پر کیسے ایمان نہیں؟ حالانکہ ان کے مذہب کا دار و مدار ہی قرآن پر ہے ان کی تفسیر قرآن دوسرے اسلامی فرقوں کی بہ نسبت زیادہ ان کی احادیث میں قرآن۔ ان کی فقہ و اصول میں استدلال قرآن، ان کی مساجد میں قرآن، امام باڑوں میں قرآن، شبیہ تعزیر میں قرآن، گھروں میں قرآن، درسوں میں قرآن حتیٰ کہ ان کے کفنوں پر قرآن۔ غرضیکہ ان کی شرعی زندگی کا کوئی گوشہ قرآن سے خالی نہیں؟ تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ شیعہ لوگ خلافتِ اجماعیہ کے انکاری ہیں اور "معاذ اللہ" صحابہ کو گامیاں دیتے ہیں اس لئے ان کا قرآن سے کوئی واسطہ نہیں اور ان کی مجالس میں سب صحابہ ہوا کرتی ہے۔ لہذا ان میں شرکت کرنا بدعتِ حرام اور موجبِ نکتِ نکاح ہے۔

ہاں ہاں! شیعہ کے نزدیک خلافت کا معیار ہنگامہ آرائی نہیں۔ بلکہ نصِ خدائی ہے۔ جس کی مفصل بحث عنوانِ ثقلین کے تحت میں ص ۸۵ سے ص ۹۵ تک پیش کی جا چکی ہے۔

باقی رہا سب صحابہ کا افتراء۔ تو اس کے متعلق شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ صحابہؓ تو بجائے خود کسی ادنیٰ ترین انسانِ خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو، کو سب کرنا اور گالی دینا ناجائز اور فعلِ حرام ہے اور ائمہ اہلبیت کی تعلیمات اور ان کی سیرت کے قطعاً خلاف ہے۔ یہ ضرور ہے کہ آلِ رسولؐ کا ہم پتہ صحابہؓ تو درکنار آدم سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک انبیاء کو بھی ہم نہیں سمجھتے جس کی بحث معجزنا کے عنوان کے تحت میں اور بعض دیگر مقامات پر مختصراً گذر چکی ہے اور آئندہ اپنے مقام پر تفصیل سے بھی مذکور ہوگا پس جو صحابہ کرامؓ تعلیماتِ رسالتؐ کے پیشِ نظر ثقلین یعنی قرآن اور اہلبیت سے متمسک رہے ہم ان کے غلام ہیں۔ اور جن لوگوں نے آلِ محمدؐ کو چھوڑ دیا ہم ان سے بے زار ہیں۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے۔ اور آلِ محمدؐ کے علاوہ قرآنی علوم نہ کسی سے حاصل

ہو سکتے ہیں اور نہ ہمیں کسی اور سے رباط و واسطہ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔
ہمارا ایمان ہے کہ چونکہ بفران رسول قرآن و الہیت ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ لہذا دونوں سے تمسک پکڑنا ہی
دین اسلام ہے۔ جس کا قرآن پر ایمان نہیں اس کا الہیت سے واسطہ نہیں اور جس کا الہیت سے واسطہ نہیں اس کا
قرآن پر ایمان نہیں۔

پس شیخ کفران اور الہیت ہر دو پر ایمان ہے اور ہر دو سے تمسک ہے لہذا درحقیقت تمام اسلامی فرقوں میں سے
قرآن پر صرف مذہب شیعہ ہی کا ایمان ہے جو لوگ یہ کہیں کہ شیعہ قرآن کو نہیں مانتے وہ صرف عوام کو ہی نہیں بلکہ
خدا و رسول کو بھی دھوکا دیتے ہیں۔ اور فریب کاری اور افتراء پر دازی اور بہتان عظیم سے اپنی عاقبت کو غراب کرتے ہیں۔

تاویل قرآن اور عبادات ظاہریہ

چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ ہر شخص معصومین کی ہر فرمائش کی تاب برداشت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے بعض لوگ
مختلف قسم کے شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کا صحیح حل معلوم نہ ہو سکنے پر غلط عقائد ان کے دلوں میں راسخ ہو جاتے ہیں
فی الکافی عن جابر قال قال ابو جعفر قال
رسول اللہ ان حدیث آل محمد صعب
مستصعب لا یؤمن بہ الا مملک مقرب او
نبی مرسل او عبد امتحن اللہ قلبہ لإیمان
فما و مراد علیکم من حدیث آل محمد فلا یث
لک قلبکم و عرفتوہ فاقبلوہ و ان اثمات منہ
قلوبکم و انکم تمونہ فرددوہ الی الرسول و الی
العالمین آل محمد و انما الہدایت ان یحدث
احدکم بشئ منہ و یتبعہ فیقول و اللہ ما
کان ہذا و اللہ ما کان ہذا۔

کافی میں جابر سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ
جناب رسالت کی نے ارشاد فرمایا۔ تحقیقی آل محمد کی حدیث مشکل اور
گراں تر ہے اس کو نہیں تسلیم کرتا مگر مقرب فرشتہ یا نبی المرسل یا وہ
عبد جس کا دل خدا نے امتحان کی کسوٹی پر پرکھ لیا ہو۔ پس آل محمد کی
جو حدیث تم پر وارد ہو اگر تمہارے دل اس کے لئے نرم ہو جائیں اور
تم اس کو پہچان لو تو قبول کر لو اور جس کو سن کر تمہارے دل اٹھتا
ہو جائیں اور تم اسے اجنبی جانو تو اس کے علم کو اللہ اور رسول
اور آل محمد کے عالم کی طرح رد کر دو۔ اور وہ شخص برباد ہو گیا
جس کو آل محمد کی ایک حدیث سنائی گئی جو اس کی برداشت سے باہر
تھی تو کہنے لگ جائے کہ خدا کی قسم ایسا نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں۔

نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا
کہ ہماری حدیث مشکل اور گراں تر ہے۔ صرف نورانی سینے صاف

وفیہ عن ابی عبد اللہ قال ان حدیثنا صعب
مستصعب لا یؤمن بہ الا صدوق منین

اَذْ قُلُوبٍ سَلِيمَةً اَوْ اَخْلَاقِي حَسَنَةً (الحديث) دل اور نیک طبیعتیں ہی اس کو برداشت کر سکتی ہیں۔

اس مضمون کی بہت زیادہ احادیث کتب اخبار میں اہلبیت عصمت سے وارد ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جب آئمہ طاہرین نے بعض مقامات پر قرآن مجید کی بعض تاویلات کا ذکر فرمایا تو مطلب کی تہہ تک نہ پہنچ سکنے والوں نے غلط نظریے قائم کر لئے اور دین سے دُور ہو گئے۔

حضرت امیر المؤمنین سے ایک روایت میں وارد ہے کہ قرآن کا در تہائی حصہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے حق میں ہے پس جہاں ذکرِ خیر ہے وہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے لئے ہے اور باقی تہائی میں اور لوگ ہمارے ساتھ شریک ہیں پس جو بھی ذکرِ شر ہے وہ ہمارے دشمنوں کے لئے ہے۔

عن علی فی حدیث لہ اِنَّ ثُلُثِي الْقُرْآنِ فِیْنَا وَفِی شِيعَتِنَا فَمَا كَانَ فِیْ خَيْرٍ فَلَنَا وَلِشِيعَتِنَا وَالثُّلُثُ الْبَاقِي اَشْرَكَ كُنَّا فِيهِ النَّاسَ فَمَا كَانَ مِنْ شَيْءٍ فَلِعَدُوِّنَا الْخَبَرِ

اس مضمون کی بہت سی حدیثیں مع وجہ تطبیق ۱۵۰ سے ۱۷۰ تک بیان کی جا چکی ہیں۔

ان کو پڑھ سُن کر بعض لوگ اس نظریہ پر پہنچے کہ عبادات کے جملہ الفاظ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ تاویل اور باطن کے اعتبار سے چونکہ ان سے مراد حضرات آئمہ اہلبیت ہیں اور بخلاف اس کے جملہ شرور و محرمات سے باطنی طور پر مراد دشمنانِ خدا اور رسولِ اکرم ہیں تو پس نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عبادات کا خلاصہ ولایتِ آلِ محمد کا اقرار ہے اور تمام معاصی و محرمات کا پھڑان کے دشمنوں سے بے زاری حاصل کرنا ہے۔ لہذا دلائلِ آلِ محمد حاصل ہو جانے کے بعد نماز و روزہ وغیرہ عباداتِ ظاہریہ کی کوئی ضرورت نہیں اور دشمنانِ آلِ محمد سے بے زار ہو جانے کے بعد چوری۔ زنا۔ شراب وغیرہ ہر قسم کی ظاہری بدکاریوں سے بچنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے

اس عقیدہ فاسدہ کے لوگ حضرات آئمہ طاہرین علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اور رفتہ رفتہ یہ عقیدہ مستقبل میں سرایت کرتا ہوا چلا آیا۔

چنانچہ دورِ حاضر میں متعدد مقامات پر اس قسم کے عقائد کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو صرف آلِ محمد کی محبت اور ان کے دشمنوں سے بے زاری کو خدا کی خوشنودی و رضا مندی کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ لہذا نہ عباداتِ ظاہریہ کی بجا آوری کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ اعمالِ فاسدہ سے اجتناب کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ انہی عقائد کے لوگوں کے متعلق آئمہ اطہار کے بعض صحابہ نے آئمہ طاہرین سے سوال کیا اور انہوں نے ان عقائدِ باطلہ کی پر زور تردید فرمائی۔ چنانچہ مقدمہ تفسیرِ مرآة الانوار میں بصائر الدرجات سے بروایت مفضل بن عمر منقول ہے جس کا اختصار کے طور پر مرادی ترجمہ یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق نے مفضل کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا۔ اِقْتَابِعِدْ مِنْ تَحْتِ اللّٰهِ كَ التَّقْوَى - اطاعت و پرہیزگاری، تواضع و اجتناب فرماں برداری۔ اس کے پیغمبروں سے حسن عقیدت، امورِ خیر میں سبقت اور خدا کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کی وصیت کرتا ہوں۔ تیرا خط مہینچا۔ میں نے اس کا مضمون سمجھا۔ تیری خیر و سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ تو نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ میں

ان کو جانتا ہوں۔ تجھے معلوم ہوا کہ وہ کہتے ہیں کہ دین معرفت ہی کا نام ہے اور معرفت حاصل ہو جانے کے بعد انسان کا جو جی چاہے کرتا پھرے۔ تو نے اپنے متعلق ذکر کیا ہے کہ میں بھی دین کی اصل معرفت ہی کو جانتا ہوں۔ خدا تجھے موفیق کرے۔ تو نے ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج و عمرہ، مسجد الحرام، بیت الحرام اور شہر الحرام سے مراد معرفت امام لیتے ہیں۔ اسی طرح طہر اور غسل وغیرہ سے مراد بھی معرفت امام لیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ تمام فرائض معرفت (رجل) امام ہی ہے اور جو شخص ان کی معرفت رکھتا ہو اسے وہ کافی ہے۔ لہذا عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس اس کی نماز بھی ہو گئی اور روزہ، حج، غسل، تعظیم حرمت اللہ اور تعظیم شہر الحرام وغیرہ سب اعمال اس کے ہو گئے گویا معرفت کے بعد یہ سب عبادات اس کی ہو گئیں اور نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمام فواحش، مثلاً شراب، بھوا، سود اور قتل وغیرہ سب (معرفت) رجل (دشمن اہلبیت) کا نام ہے۔ پس جس نے ان سے نفرت کی تو اس نے گویا تمام برائیوں سے اجتناب کر لیا۔ ظاہری پرہیزگی کوئی ضرورت نہیں اس کے بعد تو نے سوال کیا ہے کہ آیا یہ باتیں درست ہیں یا غلط؟ لہذا اب میں تیرے لئے وضاحت سے بیان کرتا ہوں تاکہ تجھ پر کوئی اشتباہ نہ رہ جائے اور تو تاریکی میں نہ پڑا رہے اور تیرے لئے حلال و حرام کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہوں اور تجھے پہچناتا ہوں تاکہ تو پہچان لے۔ اور انکار نہ کرے وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ میں تجھے متنبہ کرتا ہوں کہ جو شخص ایسا دین اختیار کرے جس طرح تو نے ذکر کیا ہے وہ میرے نزدیک مشرک باللہ ہے اس کے مشرک ہونے میں ذرہ بھر شک نہیں۔ میں تجھے آگاہ کرتا ہوں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک بات سن لی اور اس کے اہل سے اس کو سمجھنے کی کوشش نہ کی اور اپنے من مانے قیاسات سے اس کی حدود مقرر کر دیں اور چیزوں کو جن حدود پر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ان حدود پر نہ رکھا پس یہ چیز اللہ اور اس کے رسول پر افترا ہے اور جھوٹ ہے نیز نافرمانی پر جرأت اور انتہائی درجہ کی جہالت ہے اگر وہ لوگ چیزوں کو اپنی مقررہ حدود پر رکھتے اور قبول کر لیتے تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن ان لوگوں نے تحریف کی اور حدود سے تجاوز کیا۔ لہذا انہوں نے غلط کیا اور خدا کے ادا و نواہی کی توہین کی۔ میں تجھے خبردار کرتا ہوں کہ خدا نے اشیاء کی حدود اس لئے مقرر فرمائی ہیں۔ کہ ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔

پھر میں تجھے حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں کہ خدا نے اپنے دین اسلام کو پسند فرمایا۔ لہذا کسی شخص کا کوئی عمل بغیر اس دین کے قابل قبول نہیں۔ اسی دین کے لئے انبیاء و رسل بھیجے اور فرمایا کہ میں نے اس کو حق کے ساتھ بھیجا اور وہ حق کے ساتھ اترا۔ پس اذنا، دین رسولوں کی معرفت ہے اور ان سے ولایت اور ان کی اطاعت حلال ہے۔ پس وہی چیز حلال ہے جس کو وہ حلال نہیں اور وہی چیز حرام ہے جس کو وہ حرام کہیں۔

وہ دین کی اصل ہیں اور ان سے فروعات حلال نکلتی ہیں جو ان سے متشعب ہوتی ہیں اور ان کی شاخوں میں سے ہے ان کا اپنے شیعوں اور موالیوں کو حلال کا حکم دینا یعنی نماز، روزہ، حج، عمرہ اور تعظیم حرمت اللہ وغیرہ حتیٰ کہ

سب نیکیوں کے اعمال چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔
 اِنَّ اللّٰهَ يَأْتُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ كُوَيْتَبُو
 ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ
 وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ط
 تحقیق خدا انصاف، احسان اور قریبوں کو دینے کا حکم دیتا ہے
 اور بیکاری، برائی اور منکرشی سے منع فرماتا ہے اور تمہیں نصیحت
 فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔
 پس ان انبیاء کے دشمن حرام محرم ہیں اور ان کے دوست احباب وغیرہ بھی ان ہی کے حکم میں ہیں۔ پس وہی
 ظاہری و باطنی بدکاریاں ہیں۔ شراب، بھجا، زنا وغیرہ سب وہی لوگ ہیں یعنی انبیاء کے دشمن حرام کی اصل ہیں اور وہی
 شر اور شر کی اصل ہیں۔ باقی تمام بدکاریاں اسی اصل کی شاخیں ہیں اور انبیاء کی تکذیب ان کے اوصیاء کا انکار و اوصیاء کا
 ارتکاب اور تمام حرمت کی بجا آوری وغیرہ انہی کے فروعات ہیں سے ہیں۔ لہذا ان لوگوں کی اطاعت و محبت سے منع
 کیا گیا ہے۔

سب اگر میں کہہ دوں کہ بدکاری، شراب، بھجا، زنا، میثہ اور غیرہ سب معرفت، اور جہل (دشمن دین) کا
 نام ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ شخص دشمن دین ہونے کی حیثیت سے تمام حرام افعال کی اصل ہے اور مذکورہ بدکاریاں
 اور برائیاں سب اس کی شاخیں ہیں تو ایک اعتبار سے درست اور بجا ہے کیوں کہ خدا نے جس طرح اصل کو حرام قرار دیا
 اسی طرح انکی فروعات بھی حرام کی ہیں اور اس کی ولایت بھی حرام اور ناجائز کی ہے۔ پس بجا ہے اگر میں کہہ دوں کہ ان
 تمام برائیوں سے مراد فلاں شخص ہے۔

مہر تجھے یہ بھی بتا دوں کہ دین اور دین کی اصل بھی ایک شخص (کی معرفت) ہے یعنی امام اہل بیت اور امام زمان
 جس نے اس کو پہچانا اس نے اللہ کو پہچانا اور اس کے دین کو پہچانا اور جس نے اس کو نہ پہچانا اس نے اللہ کو اور اس کے
 دین کو نہ پہچانا۔ پس اس کا جاہل اللہ کا اور اس کے دین کا جاہل ہے کیونکہ انسان اللہ کو اور اس کے دین کو اور حدود و احکام
 شرعیہ کو امام کی معرفت کے بغیر جان سکتا ہی نہیں اور یہ بقولہ کہ اللہ کا دین معرفت رجال کا نام ہے اس کا یہی مطلب ہے
 یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اگر میں کہہ دوں کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج و عمرہ وغیرہ حتیٰ کہ تمام اعمال صالحہ اور اور غیرہ اور
 جملہ فرائض سے مراد نبی علیہ السلام ہیں جو ان چیزوں کے لائے گئے ہیں تو بالکل درست ہے کیونکہ انجناب ہی ان تمام فرائض
 کی اصل تھے اگر وہ نہ ہوتے تو یہ چیزیں کون سا نام اور سمجھاتا؟ پس وہ ہی اصل ہیں ان تمام امور وغیرہ اور اعمال صالحہ کی اور
 سب اعمال صالحہ ہی ان کی فروع ہیں۔ پس بنا بریں تمام فروعات کو اگر اپنی اصل کے نام سے پکارا جائے تو اس میں کیا
 قباحت ہے؟ بالجملہ یہ ثابت ہو گیا کہ دین خدا اس کی اصل معرفت ہی کا نام ہے کیونکہ اگر وہ نہ ہوتی تو یہ ہرگز نہ پہچانے
 جاتے لہذا ان کا عارف دین کا عارف ہے اور ان کا جاہل دین خدا کا جاہل ہے۔ چونکہ دین خدا انہی انسانوں کے ذریعہ سے
 پہنچا ہے تو یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ تمام فرائض و احکام شریعت شخصی معرفت کا نام ہے اور وہ معرفت امام ہے

لیکن وہ جو اسے ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ صرف معرفت ہی کو کافی جانتے ہیں اور اعمال کی ضرورت محسوس نہیں کرتے وہ ہمہ نظر غلطی پر ہیں کیونکہ فروعات کو چھوڑ دینے کے بعد اصل سے تشکک پکڑنے کا دعویٰ بالکل بے فائدہ ہے جس طرح لا الہ الا اللہ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کے ساتھ مُحَمَّدٌ تَرَسُولُ اللہی زبان پر جاری نہ کرے (کیونکہ تو حیدر حجب اصل ہے اور نبوت فرع ہے اور اصل کا اقرار بغیر اس کی فرع کے اقرار کے لغو اور بے فائدہ ہے) پس اسی طرح معرفت (سائق تک سے تشکک کر کے باقی فروعات اور اعمال صالحہ سے درست پر ماری اسی معنی میں ہے۔ یعنی معرفت رجال باطن ہے اور اعمال صالحہ اس کا ظاہر ہیں اور ظاہر کو ترک کر کے باطن سے تشکک پکڑنا بالکل بے فائدہ ہے اور لغو ہے

معرفت اہم اصل اور جملہ عبادات فرع یا یہ کہ معرفت امام باطن اور جملہ عبادات اس کا ظاہر ہیں پس فرع اور ظاہر کے بغیر اصل اور باطن سے تشکک کرنا سرسرا غلط پکڑنا ہے۔ لہذا لا الہ الا اللہ کے بعد لا الہ الا اللہ کے ساتھ ساتھ اور دشمنی نبوی اور دشمنی امام تمام برائیوں کی اصل ہے اور تمام برائیوں میں کی فرع ہے تو جو شخص اصل سے نفرت کرتا ہے اور برائیوں سے نفرت نہ کرے جو اس کی فروعات ہیں اور اسی اصل کی پیداوار ہیں تو وہ بالکل جھوٹا ہے کیونکہ دشمنی امام سے نفرت اور بغیر اسی کرنا اصل اور باطن ہے اور تمام برائیوں سے نفرت کرنا اس کی فرع اور ظاہر ہے اور اصل کی پہچان فرع سے

اور باطن کی پہچان ظاہر سے ہی ہوا کرتی ہے۔ لہذا لا الہ الا اللہ کے ساتھ ساتھ اور دشمنی نبوی اور دشمنی امام تمام برائیوں کی اصل ہے اور تمام برائیوں میں کی فرع ہے تو جو شخص اصل سے نفرت کرتا ہے اور برائیوں سے نفرت نہ کرے جو اس کی فروعات ہیں اور اسی اصل کی پیداوار ہیں تو وہ بالکل جھوٹا ہے کیونکہ دشمنی امام سے نفرت اور بغیر اسی کرنا اصل اور باطن ہے اور تمام برائیوں سے نفرت کرنا اس کی فرع اور ظاہر ہے اور اصل کی پہچان فرع سے

جامع قرآن کا حقیقی مفہوم و مصداق

جامع قرآن کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ جامع قرآن کا مفہوم ہے جو تمام قرآنی احکام و روایات کو یکجا رکھتا ہے اور اس کا مصداق ہے جو تمام قرآنی احکام و روایات کو یکجا رکھتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ جامع قرآن کا مفہوم ہے جو تمام قرآنی احکام و روایات کو یکجا رکھتا ہے اور اس کا مصداق ہے جو تمام قرآنی احکام و روایات کو یکجا رکھتا ہے۔

سکتے۔ بلکہ مالک مطبع اگر ان پڑھ ہو تو تمام مطبوعات کے مندرجات سے براہ راست قاصر الفہم ہوتا ہے۔ اسی طرح کاتب متفرق اور مختلف قسم کے مستودات کو خوشخط یکجا لکھ کر بہت علمی خدمات انجام دیتے ہیں لیکن وہ بھی عموماً لفظی صحیح ہی کو جانتے ہیں۔

قرآن مجید کو صحیح کرنے والے یعنی اجزاء و اوراق کو یکجا کر کے کتاب کی شکل میں لانے والے نے اللہ کی خوشنودی کے لئے اگر یہ کام کیا تو اس کو اللہ کی جانب سے بڑا اجر ملے گا کیونکہ جب تک اس کی خدمت کے آثار دنیا میں نہیں گئے قرآن پڑھا جاتا رہے گا۔ اس پر عمل ہو گا تو اس کے نامہ اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ بلکہ اس کا یہ عمل اس کے نامہ اعمال میں سب سے بڑی نیکی ہے کیونکہ یہ اسلام کا سرمایہ حیات ہے اور شریعت کی اصل و اساس ہے اور یہ نہ صرف صدقہ جاریہ ہے بلکہ دنیا ممبر کے تمام امور خیر کا تاقیامت منبع ہے۔

اور اگر صحیح کرنے والے نے رضائے خدا ملحوظ نہ رکھی ہو بلکہ محض ناموری یا اغراض دنیاوی ہی ملحوظ خاطر ہوں تاہم قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر ناشر قرآن ہونے کی حیثیت سے اس کا احسان عظیم ہے عامۃ المسلمین کو ہر دو صورتوں میں اس کا ممنون احسان ہونا چاہیے ہمیں اس بحث میں دور تک جانے کی ضرورت ہی نہیں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ بلکہ قابل غور امر تو یہ ہے کہ قرآن نہیں کے لئے یا اس پر عمل کرنے کے لئے یہی ہمیں آیا۔ جامع قرآن کے دروازہ پر جبہ سائی کی ضرورت ہے عام کتب میں تو یہ صورت ہوا کرتی ہے کہ کتاب حاصل کرنے کیلئے تو مطبع یا کاتب یا جامع کتب کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن کتاب نہیں کے لئے ان سے ربط قائم کرنے کی خاص ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس غرض کی تکمیل کے لئے کتاب کے عالم و معلم کے ساتھ تعلقات قائم کرنا لازمی ہوا کرتا ہے بلکہ کتاب حاصل کرنے سے پہلے اس بات کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو پڑھائے گا کون؟ نیت کاتب و ناشر کے متعلق تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ نہ سہی کوئی اور مل جائے گا لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کتاب دان نہ سہی تو اور کوئی طریقہ نکل آئے گا۔

پس اس مقام پر یہی ہم کہنے کی جرات کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید پر ایمان لانا ضروری اور فرض عینی ہے۔ لہذا اس کا حاصل کرنا بھی لازمی امر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے سیکھنے اور سمجھنے کے لئے اس کے عالمین اور معلمین سے تمسک پکڑنا اور پھر ان کے دروازہ پر دستک دینا بھی ضروری ہے۔

اگر جامع قرآن عالم قرآن بھی ہو تو دونوں مطلب ایک ہی جگہ سے پورے ہو سکتے ہیں لیکن چونکہ ان ہر دو معنوں میں کوئی تلازم نہیں۔ لہذا ضروری نہیں کہ جس کو جامع اجزاء قرآن مانا جائے اس کو عالم قرآن بھی تسلیم کیا جائے پس ناشر قرآن ہونے کی وجہ سے اس کی احتیاج ہے لیکن نہ اس کا عالم ہونا ضروری ہے اور نہ اس کو عالم جانا اور نہ اس کے واجب الاطاعت ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ کتاب کے کاتب ناشر جلد ساز یا کتب فروش وغیرہ کو عالم یا معلم کتاب تسلیم کرنا کوئی ضروری نہیں ہوا کرتا۔

قرآن پر ایمان لانا اور بات ہے اور اس کے جامع کو عالم ماننا یا تاجدار رسالت کا صحیح قائم مقام اس کو تسلیم کرنا اور بات ہے۔ لہذا یہ کہنا قطعاً بے جا اور خلاف اصول ہے کہ جو جامع قرآن کی خلافت پر ایمان نہ لائے اس کا قرآن پر ایمان نہیں بلکہ علم قرآن یا خلافت تو درکنار اگر منصفانہ طور پر غور کیا جائے تو جمع قرآن اور اسلام میں بھی کوئی تلازم نہیں۔ بہت سے غیر مسلم بھی ناشر قرآن ہو کر تھے ہیں جس طرح کہ مشاہدہ بتا رہا ہے۔ ہاں تنگ کے لئے قرآن اور عالم قرآن میں تلازم ضروری ہے ان دونوں میں قطعاً انقراک محال ہے اگر قرآن کی ضرورت ہے تو عالم قرآن کی ضرورت بھی ساتھ ساتھ ہے اگر قرآن کے ساتھ تنگ ضروری ہے تو اس کے عالم کے ساتھ تنگ بھی ضروری ہے۔ پس اگر جامع قرآن سے مراد عالم قرآن ہو تو اس لحاظ سے جس طرح قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اس کے جامع پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور یہ کہنا بجا ہے کہ جس کا جامع قرآن پر ایمان نہیں درحقیقت اس کا تنگ پر ایمان نہیں کیونکہ اس صورت میں ان دونوں میں لازم و ملزوم کی حیثیت ہے اور اس کے حقیقی مصداق سوائے اہلبیت عصمت کے کوئی بھی نہیں لہذا قرآن حاصل کرنے اور اس کے سیکھنے سمجھنے کے لئے ان ہی کے دروازہ پر دستک دینے کی ضرورت ہے کیونکہ وہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہے نہ وہ قرآن سے جدا ہیں اور نہ قرآن ان سے جدا ہے۔ گذشتہ فصول میں اس مطلب پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ مزید توضیح کے لئے اس مقام پر بھی چند احادیث کا ذکر فرماتا ہوں گا۔

زمنشتری کی ربیع الا برار میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے غلام ابو ثابت نے اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ سے اجازت لی اور اندر داخل ہوا پس اُمّ سلمہؓ نے کہا مرحبا تجھے اے ابو ثابت! بتا تیرا دل کہاں پر آواز کر گیا تھا جبکہ لوگوں کے دل ادھر ادھر پر آواز کر چکے تھے؟ ابو ثابت نے جواب دیا کہ میرا دل علی بن ابی طالبؑ کے نقش قدم پر ہوا تو اُمّ سلمہؓ نے کہا خدا تجھے موفی رکھے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے فرماتے تھے علیؑ حق اور قرآن کے ساتھ ہے اور حق و قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس لکھے وارد ہوں گے۔

ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسالت اکبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ یہ دونوں آپس سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ

عن ربیع الا برار للزمنشتری - استاذ ابو ثابت مولى علیؑ ام سلمة رضی اللہ عنہا فقالت مرحبا بک یا ابابا ثابت ائین طار قلبک حیث طامت القلوب مظاہرہا؟ قال تبع علیؑ بن ابی طالب کالت و فقت و الذی نفسی بیدہ کقد سمعت رسول اللہؐ یقول علیؑ مع الحق و القرآن و الحق و القرآن مع علیؑ و کن یفترقا حیث یفترقا علیؑ العوض۔

عن ام سلمة قال رسول اللہ علیؑ مع القرآن و القرآن مع علیؑ یفترقان حیث یفترقا علیؑ

عنه الفرید بیع ۲ ص ۱۲۵ عن المستدرک والصواعق وتاریخ الخلفاء وغیرہا ف عن اسنی المطالب وغیرہا

منافق ... لیسونہ لیسونہ ...

۸۔ علی بن ابی طالب لعهد النبی الی ... حضرت امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہا السلام فرماتے ہیں نبی اقی کا عہد سے عہد ہے کہ میرے ساتھ مومن ہی محبت رکھے گا اور

منافق ... اول عهد النبی الی لا یحبک الامومن ولا ... صرف منافق ہی میرے ساتھ بغض رکھے گا۔

منافق ... اور یاعلی لا یبغضک مومن ولا یحبک ... جناب رسالت کا عہد ہے کہ (یا علی) تیرے ساتھ مومن ہی محبت کرے گا اور تیرے ساتھ منافق ہی بغض رکھے گا۔

منافق ... او ان الله عزوجل اخذ ميثاق كل ... فرمایا یا علی تیرے ساتھ مومن بغض نہ کرے گا اور منافق محبت

مؤمن علی صبی وميثاق كل منافق علی ... کا اللہ کے سامنے عہد کیا ہے۔

بغضی (عن شرح نهج البلاغه لابن المديني) ... ان کے علاوہ حدیث غدیر جس کا متواتر ہونا مسلم ہے ایک سو سے زائد صحابہ کرام نے اس کا قول رسول ہونا تسلیم

کیا ہے اور علامہ امینی مدظلہ نے بترتیب حروف تہجی ان تمام صحابہ کرام کے نام مع الفاظ روایت ذکر کئے ہیں اور تا عہد حاضر

اسی حدیث کا تواتر کے ساتھ نقل ہونا ثابت فرمایا ہے۔ (الغدیر ج ۱) ... ان احادیث کے ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ علی ہی چونکہ عالم قرآن ہے لہذا قرآن کے ساتھ ساتھ علی کی محبت

کے بغیر قطعاً انسان مومن نہیں بن سکتا اور گذشتہ فصول میں اس امر پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ جناب امیر المؤمنین

علیہ السلام ہی عالم قرآن اور معلم قرآن ہیں اور ان کے بعد ان کی عمرت ظاہرہ کو یہ شرف تاقیامت حاصل ہے کیونکہ قرآن عظیم

قیامت تک کے لئے ہے اب اس سلسلہ میں کتب امامیہ میں سے بعض اور احادیث ذکر کی جاتی ہیں تاکہ روح ایمان کے

لئے صیقلی کا کام دیں۔ چنانچہ مقدمہ تفسیر مرآة الانوار میں بصائر الدرجات سے بسند صحیح منقول ہے کہ حضرت صادق اکل محمد

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ... ان الله علم نبیہ التاویل والتزیل قال فعلم رسول الله علیاً قال وعلمنا والله الخبر قال رسول الله يا علی انت تعلم التاویل القرآن بما لا یعلمون فقال علی ما ابلغ رسالتک

کی تبلیغ آپ کے بعد کس طرح کروں؟ تو آپ نے فرمایا۔ تاویل قرآن یا اس کے جملہ مطالب جو لوگوں پر عمل نہ ہو سکیں تو ان کو ان سے خبردار کرنا صفحہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ثقہ اصحاب سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے تین بار ارشاد فرمایا۔ کہ خدا کی قسم پوری کتاب خدا کا علم ہمارے پاس موجود ہے۔

یعقوب بن جعفر سے روایت ہے کہ مکہ میں حضرت امام موسیٰ کاظم کے ہمراہ میں موجود تھا کہ آپ کی خدمت میں اگر ایک شخص کہنے لگا آپ قرآن کی ایسی تفسیر بیان فرماتے ہیں جو ہم نے سنی نہ ہو تو آپ نے فرمایا کہ قرآن لوگوں سے پہلے ہم پر نازل ہوا۔ اور لوگوں سے پہلے ہم پر اس کی تفسیر کھلی پس ہم ہی اس کے حلال و حرام، ناسخ و منسوخ، سفری و حضری کو جانتے ہیں اور ہم ہی جانتے ہیں کہ کون سی آیت کس آیت میں کس شخص کے بارے میں اور کس باب میں اتری ہے۔

کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سوائے ادھیار کے کسی کو جرأت نہیں کہ یہ دعویٰ کرے کہ میں پرے قرآن کا اس کے ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہوں ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے جو بھی جامع قرآن ہونے کا دعویٰ کرے جس طرح اتر ہے وہ جھوٹا ہے کیونکہ جس طرح اتر ہے اس طرح اس کے جمع اور حفظ کرنے والا سوائے علی بن ابی طالب اور اس کے قائم مقام ائمہ کے اور کوئی بھی نہیں۔

بروایت تفسیر عیاشی حضرت صادق سے مروی ہے کہ ہم اہلبیت میں سے خدا ہمیشہ ایک ایسا شخص بھیجا رہا ہے جو قرآن کا اول سے لے کر آخر تک عالم ہوا کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے فرمایا ہمارے علوم و ہبہ میں سے قرآن کی تفسیر سہی ہے اور اس کے احکام کا علم بھی۔ لے کاش ہمیں اس کے ظرف اور

بعدك يا رسول الله قال تخبر الناس بما اشكل عليهم من تاويل القرآن وما فيه ۳۔ مروی الصفا من ثقات اصحاب الصادق انه قال بعد ما اومى الى صدره اعلو الكتاب كله والله عندنا ثلثا

۴۔ عنده باسنادہ عن يعقوب بن جعفر قال كنت مع ابي الحسن بمكة فقال له رجل انك تفسر من كتاب الله ما لم نسمع به؟ فقال ابو الحسن علينا نزل قبل الناس ولنا من قبل ان يفسر في الناس فتصن نعت حلاله وحرامه وناسخه ومنسوخه وسفريه وحضرته وفي اى ليلة نزلت من آية وفي من نزلت وفي ما انزلت الخبر

۵۔ في الكافي۔ عن ابي جعفر قال ما يستطيع احد ان يدعى ان عنده علم جميع القرآن كله ظاهره وباطنه غير الاوصياء

۶۔ وفي رواية اخرى عنده قال ما اذعى احد انه جمع القرآن كله كما انزل الاكذاب وما جمعه وحفظه كما انزل الاعلى بن ابي طالب والائمة من بعده

۷۔ عن تفسیر العیاشی قال انا اهل بیت لم یزل الله یبعث فینا من یرسل کتابه من اوله الى آخره

۸۔ وفي رواية ان من علم ما اوتينا تفسیر القرآن واحكامه لو وجدنا ادعية او شرا

لَقُلْنَا وَامَلَّه السَّمْعَانِ

۹۔ عن قوع القلوب - قال علي لو شئت

لا قدرت سبعين بعدا من تفسير فاتحة الكتاب

حامل ملتے تو ہم بیان کرتے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بار کر سکتا ہوں۔

۱۰۔ ابو خالد واسطی روایت کرتا ہے کہ زید بن علیؑ سے مروی ہے حضرت امیر المؤمنینؑ فرمایا کرتے تھے کہ عہد رسالت میں کبھی میرے سر میں اونگھ یا نیند نے جگہ نہیں لی۔ جب تک کہ میں نے حضرت رسالتؐ سے اس دن میں جبرئیل کی لائی ہوئی آیات کے متعلق حلال و حرام، سنت اور امر و نہی اور مقصد نزول اور شان نزول دریافت نہ کر لیا ہو۔ راوی کہتا ہے کہ باہر جا کر ہم نے معتزلیوں سے ملاقات کے موقع پر اس چیز کو پیش کیا تو انہوں نے اس پر فوراً اعتراض کر دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ بعض اوقات وہ دونوں (رسالتؐ اور حضرت علیؑ) ایک دوسرے سے بہت دور دور ہوا کرتے تھے۔ پس وہ کس طرح جناب رسالتؐ سے سب باتیں دریافت کر سکتے تھے۔ معتزلیوں کا یہ اعتراض واپس اگر ہم نے زید سے بیان کیا تو زید نے جواب دیا کہ وہ تاریخیں نوٹ کر لی جاتی تھیں اور پھر جب بھی ملاقات ہوتی تھی تو جناب رسالتؐ تاریخ و آیات سنا دیا کرتے تھے اور ان کے جملہ گوشوں کے متعلق ارشاد فرما دیا کرتے تھے اور اس طریقہ سے ملاقات کے روز تک کی کئی پوری ہو جایا کرتی تھی۔ بس اس قدر روایات اس بارہ میں کافی قرار دیتا ہوں اور ضمنی طور پر اس مضمون کی دوسری روایات اپنے اپنے مقام مناسب پر ذکر ہوتی رہیں گی۔ انشاء اللہ العزیز

میں شروع میں ذکر کر چکا ہوں کہ جامع اوراق اور عالم مطالب مندرجہ میں فرق ہے۔

اصل کتاب اور جامع ظاہری میں کوئی تلازم نہیں۔ لیکن تمسک کے لئے کتاب اور عالم کتاب میں تلازم ہے لہذا عالم قرآن کی معرفت اور مودت کے بغیر صرف قرآن یا اس کے جامع اجزاء ظاہرہ کے ساتھ تمسک پکڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے گذشتہ اسادیت نے ثابت کر دیا کہ علیؑ کا منکر قرآن کا منکر ہے کیونکہ علیؑ ہی قرآن کے جملہ علوم کے عالم و معلم ہیں۔ نتیجہ یہی ہوا کہ اگر جامع قرآن سے مراد جامع اوراق اور صرف ناشر ہے تو قرآن کی محبت کے ساتھ اس کی محبت کے وجہ کا کوئی تلازم نہیں۔ لہذا اس پر ایمان نہ لانے سے ایمان بالقرآن میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور اگر جامع قرآن سے مراد جامع علوم قرآنیہ ہو تو قرآن کی محبت اور جامع علوم قرآنیہ کی محبت میں قطعی طور پر تلازم ہے۔ ان میں سے ایک کا منکر دوسرے کا منکر ہوگا اور جامع علوم قرآنیہ علیؑ اور ان کی اولاد ظاہرین کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔ پس قرآن اور ان کی مودت میں یقیناً تلازم ہے۔ ان دونوں میں سے ایک سے نفرت کر کے دوسرے کے ساتھ ایمان کا دعویٰ بے بنیاد

لے فی ثالث البحار عن علی او تبت فہم الکتاب وفضل الخطاب و علم القرون والاسباب واستودعت للف

مفتاح یفتم کل مفتاح الف باب یفنی کل باب ابی الف الف عہد (الخبر)

جمع قرآن میں اختلاف

جمع قرآن کے متعلق اہل سنت کے علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں تفصیلی روشنی ڈالنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے چنانچہ مستدرک حاکم سے بروایت زید بن ثابت نقل کیا ہے کہ پہلی بار قرآن مجید عہد رسالت میں جمع ہوا تھا اور بیعتی نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ جمع قرآن سے مراد اس روایت میں جمع آیات قرآنیہ ہے یعنی آیات قرآنیہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر مختلف حالات و واقعات کے متعلق نازل ہوا کرتی تھیں تو جناب رسالت اکرم نے سورتوں کی حدود معین فرمائی اور اس کے بعد جب کوئی آیت اترتی تھی تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ اس کو فلاں سورہ میں شامل کر دو اور پھر اس طریقہ سے تمام نازل شدہ آیات کو حضرت رسالت اکرم نے خود ہی علیحدہ علیحدہ سورتوں میں جمع فرما دیا تھا۔ لیکن سورتیں سب یکجا نہ تھیں بعض پتھروں پر بعض درختوں کے پتوں اور بعض چٹروں پر تحریر تھیں (جن کو بعد میں جمع کیا گیا)

اس کے بعد بروایت بخاری حضرت ابوبکر کو جامع اول قرار دیا۔ اور زید بن ثابت نے ان کے حکم سے جمع کیا لیکن خوشی اور رضامندی سے نہیں بلکہ جبر و اکراہ سے۔ چنانچہ سیوطی نے اس کی نقاب کشائی یوں کی ہے۔

وفی موطن ابن وھب عن مالک عن ابن شہاب عن صالح بن عبد اللہ بن عمر قال جمع ابوبکر القرآن فی قرطیس وکان سئل نہایہ بن ثابت فی لوالک فابی حتی استعان علیہ بعمر

موطا بن وھب میں مالک سے اس نے ابن شہاب سے اس نے سالم بن عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے قرآن کو کاغذوں میں جمع کیا چنانچہ انہوں نے زید بن ثابت سے اس کی خواہش کی تھی تو اس نے انکار کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے خلاف حضرت عمر سے مدد لی گئی

نیز بروایت ابن شہاب یہ بھی نقل کیا ہے فکان ابوبکر اول من جمع القرآن (یعنی ابوبکر ہی پہلا جامع قرآن ہے نیز ابن داؤد سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا۔ ابوبکر کتاب اللہ کا پہلا جامع ہے۔

اسی ضمن میں سیوطی نے بروایت ابن سیرین یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جناب رسالت اکرم نے رحلت فرمائی تو میں نے قسم اٹھالی کہ دوش پر سوائے نماز جمعہ کے روانہ لوں گا۔ جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں گا۔ پس میں نے قرآن کو جمع کر لیا۔

لمعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت ان لا آخذنا فی الصلوة الجمعة حتی اجمع القرآن فجمعتہ اس پر ابن حجر نے بغض و حسد کی مہر طاس یوں نکالی ہے کہ حضرت علیؑ کی پہلی روایت یعنی جس میں حضرت ابوبکر کو جامع اول

قرار دیا گیا ہے درست اور صحیح ہے لیکن دوسری روایت حسن بن حضرت علیؑ نے اپنا جامع قرآن ہونا ذکر فرمایا ہے، ضعیف ہے اور اگر بالفرض صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو ان کے جمع کرنے کا مقصد حفظ کرنا ہے۔
پھر سیوطی نے ابن ابی داؤد سے بروایت حسن حضرت عمر کا پہلا جامع قرآن ہونا ذکر کیا ہے۔
اور نیز بروایت ابن بربیہ حضرت ابو حذیفہ کے غلام سالم کے جامع اول ہونے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔
ان تمام روایات کے جمع کرنے کے بعد عمارت محاسبی کی رائے یوں نقل کی ہے۔

المشہور عند الناس ان جامع القرآن
عثمان و لیس کذا لکن انما حصل عثمان
الناس علی القرآۃ بوجه واحد علی اختیار وقع
بینہ و بین من شہدہ من الانصار المهاجرین
لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآن کا جامع عثمان ہے۔ حالانکہ
ایسا نہیں بلکہ انہوں نے تو لوگوں کو صرف ایک قرأت پر متفق
ہونے کے لئے آمادہ کیا۔ جن کو اپنے حاضر دربار مہاجرین و انصار
کے مشورے سے منتخب کیا۔

چنانچہ صحیح بخاری کے اردو ترجمہ میں مرزا سمیرت دہلوی یوں تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۷ حدیث ۴۸۹)
انس بن مالک سے مروی ہے کہ حذیفہ بن یمان حضرت عثمان کے پاس آئے اور ان دنوں حضرت عثمان اہل شام اور
اہل عراق دونوں کو ساتھ ملا کر فتح ارمینیا
بایمان میں جہاد و جنگ کر رہے تھے اور حضرت حذیفہ بھی ان میں شریک
تھے حضرت حذیفہ کو شامیوں اور عراقیوں کی اختلاف قرأت نے گھبرا دیا۔ تو حضرت عثمان سے آکر کہا کہ ان آدمیوں کی
خبر لیجئے اس سے پہلے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف نہ کریں تو حضرت عثمان غنی نے حضرت حفصہ کے
پاس ایک آدھی کو بھیجا کہ اپنا قرآن بھیجو تاکہ اس سے ہم اور نقل کر لیں اور پھر اصل آپ کے پاس واپس بھیج دیں گے
حضرت حفصہ نے اس کو ان کے پاس بھیج دیا۔ اور یہاں اس کی چند نقلیں کی گئیں اور حضرت زید بن ثابت انصاری و
عبداللہ بن زبیرؓ و سعید بن العاصؓ و عبدالرحمن بن عمارؓ بن ہشام کو لکھنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان نے ان تینوں کو دیکھ کر
(قریشیوں) سے کہا کہ جہاں تمہارا زید بن ثابت (انصاری) سے اختلاف ہو تو وہاں قریشی زبان میں لکھنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
قریشی زبان میں قرآن شریف نازل کیا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مہبت سے قرآن شریف لکھ لئے اور پھر اصل کو حضرت
عثمان غنی نے حضرت حفصہ کے پاس بھیج دیا اور ہر اسلامی شہر میں ایک ایک نقل بھیج دی اور پہلے کے جو مختلف قرآنی
مستودات تھے ان کو جلا دیا۔ (انتہی موضع الجاہت)

اس بات میں اختلاف ضرور ہے کہ پہلا جامع قرآن کون شخص ہے؟ گذشتہ تفصیل سے جناب رسالت کے بعد
پانچ شخصوں کے نام لئے گئے ہیں کہ یہ قرآن کے جامع ہیں، ۱، حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت
سالم غلام ابو حذیفہ (۵) حضرت علیؑ

بہر کیف ہمیں قرآن ہی سے واسطہ ہے جامع خواہ کوئی ہو۔ حضرت عثمان کے جامع قرآن ہونے کے متعلق تو جو

ماتے عمارتِ عباسی نے قائم کی ہے۔ بخاری کی تذکرہ بالا روایت کے پیش نظر تو وہی بالکل درست اور مطابق واقع معلوم ہوتی ہے کیونکہ بنا بر روایت بخاری حذیفہ نے شامیوں اور عراقیوں کی اختلاف قرأت کا ہی شکوہ کیا تھا اور اسی اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حضرت عثمان نے یہ سب اہتمام کر کے ایک ہی قرأت کو شائع کر دیا اور اطرافِ مملکت میں اسکی نقول بھیج دیں۔ حضرت سالمؓ اور حضرت علیؓ ان کے صحیح شدہ قرآن چونکہ ہر دو منظر عام پر نہ آسکے۔ لہذا معلوم نہیں ہو سکتا کہ اسی موجودہ قرآن کی قرأت و ترتیب کے موافق تھے یا نہ۔ ان ہر دو کو جامع قرآن اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ حکومت وقت نے ان کی جامعیت کو نامعلوم وجوہ کی بنا پر کوئی خاص اہمیت نہ دی۔

حضرت سالمؓ تو غیر تھے ہی غلام ان کی کون سنتا تھا؟ لیکن حضرت علیؓ کی جمع کو مورد التفات کیوں نہ قرار دیا گیا۔ اس کو خود خدا جانتا ہے یا وہی جانتے ہیں جن سے معاملہ تھا۔ ابن حجر نے بقول سیوطی، حضرت علیؓ کی جامعیت والی روایت کو ثمانی کی خوب کوشش کی۔ اولاً تو کہہ دیا کہ حضرت علیؓ کے جامع ہونے کے متعلق جو روایت ہے وہ قابل اعتماد نہیں و ضعیف ہے۔ اب بات چونکہ خلاف واقع تھی۔ طبیعت میں اطمینان کیسے آتا؟ سند روایت کی پختگی کو بجانب کرجات محسوس کی لیکن حضرت علیؓ کی فضیلت کا اعتراف بھی تو منشاء لئے تعصب کے خلاف تھا۔ فوراً پینتر ابدلہ اور کہہ دیا۔ چلو روایت درست ہی ہے۔ تاہم حضرت علیؓ کے جمع کرنے سے مراد حفظ کرنا ہے۔

کہتے ہیں (ردوع گور حافظہ نباشد) اب ذرا کوئی پوچھے کہ جب حضرت علیؓ کے جمع کرنے سے مراد حفظ کرنا ہی ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ

حضرت علیؓ پہلے حافظ قرآن تھے

پہلے حافظ قرآن تھے۔ پس اس صورت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے حافظ قرآن (حضرت علیؓ) کو چھوڑ کر غیر حافظ (زید بن ثابت) کو جمع قرآن پر کیوں مجبور کیا؟ حالانکہ بروایت بخاری اس نے بہت معذرت خواہی بھی کی اور بروایت موطابن وہب اس نے صاف انکار کر دیا اور حثی استعان عذیبہ بعد کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ حضرت عمر نے سختی سے اُسے جمع کرنے پر آمادہ کیا۔ کیونکہ قانون عربیت کے اعتبار سے لفظ علی خزر کے لئے ہوا کرتی ہے۔ قطعاً منت و مشورہ کے معنی میں نہیں ہوا کرتی۔

ترجمہ بخاری از مرزا میرت دہلوی ج ۱ حدیث نمبر ۲۰۸۸ ملاحظہ فرمائیے۔ زید نے کہا کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ تم عقل مند جوان آدمی ہو۔ تم پر ہم مجبوری یا مجبورت کا الزام نہیں لگا سکتے اور تم نبی صلعم کی وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ لہذا تم ہی قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو۔ زید کہتے ہیں۔ کہ واللہ اگر مجھے پہاڑ کے اٹھانے کا حکم حضرت ابوبکر فرماتے تو وہ مجھے اس جمع قرآن کے کام سے آسان معلوم ہوتا۔

بالفرض اگر زید پر سختی نہ بھی ہوئی ہو۔ تاہم ان کو یہ کام پہاڑ کے سر پر اٹھانے سے بھی مشکل معلوم ہوتا تھا۔ تو ان کو تلاش کر کے جمع کرنے کی تکلیف دینے کی بجائے حافظ قرآن (حضرت علیؓ) سے جمع کیوں نہ کروالیا گیا۔ کیونکہ زید بن ثابت

خود حافظ تھا نہیں۔ ورنہ نہ اس کام کو وہ خود مہاڑ سے سنگین تر سمجھتا۔ بلکہ کارنیر سمجھ کر خود ہی خواہش کرتا اور نہ خلیفہ تلاش کر کے جمع کرنے کا اس کو حکم دیتے۔

علاوہ ازیں دیگر مسائل مشککہ میں تو حضرت علیؑ کی طرف وقتاً فوقتاً رجوع کرنے کی ضرورت محسوس ہوا کرتی تھی۔ اور حضرت علیؑ کی مشکل کشائی کے بعد کولاد علی لہلک عسیر یا اس قسم کے دیگر اعتراضی کلمات زبان سے نکل جایا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی سبقت علی کا اعتراف کرتے تھے تفصیل کے لئے صلا ملاحظہ ہو۔ نیز جناب رسالت کا فرمان علیؑ مع القرآن والقرآن مع علیؑ (علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے) بھی زیر نظر تھا حوالہ ۱۲۵ پر ملاحظہ ہو اور حدیث متواتر ثقلین جو تمام صحابہ کے گوش گزار ہو چکی تھی۔ ابھی اتنی پرانی نہیں ہوئی تھی کہ کسی کو اس کا خیال نہ رہا ہو ہم اس کو گوشہ عنوانات میں بالعموم اور ایک علیہ عنوان میں بالخصوص متعدد طرق سے بیان کر چکے ہیں اور ان سب کے علاوہ ابن حجر کی سابق تاویل کے پیش نظر حضرت علیؑ اول حافظ قرآن تو تھے ہی۔ بایں ہمہ زید بن ثابت کے سر پر مہاڑ سے گراں تر بھار رکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور حضرت علیؑ پر جمع کرنے کا اعتماد کیوں نہ کیا گیا؟ نیز خود علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے عہد رسالت میں قرآن جمع کر کے جناب رسالت کے پیش بھی کیا تھا۔ چنانچہ ان کے حضرت علیؑ کی تعریف میں اصل الفاظ یہ ہیں۔ واحد من جمع القرآن وعوضہ علیؑ رسول اللہ یعنی علیؑ ایک شخص ہے۔ جس نے قرآن کو جمع کیا اور حضرت رسالت کے پیش بھی کیا۔ اب انصاف سے فرمائیے کہ جب حضرت علیؑ کے پاس جناب رسالت کا مصدقہ قرآن موجود تھا تو اُسے چھوڑ کر ادھر ادھر دوڑ دھوپ کرنے یا ہاتھ پاؤں مارنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا ان کے نزدیک جناب رسالت کی فرمائش حدیث ثقلین یا دیگر اس قسم کی احادیث بن کر تواتر سے نقل کیا گیا ہے قابل اعتماد اور سببی پر صحت نہیں تھیں۔ یا انحضرتؐ کا مصدقہ جمع شدہ قرآن جو علیؑ کے پاس تھا۔ وہ کافی تھا؟ جمع قرآن جیسے اہم دینی معاملہ میں حضرت علیؑ جیسی اہم شخصیت کو منظر انداز کرنا حالانکہ علم قرآن سب سے زیادہ علیؑ کو تھا کیا معنی رکھتا ہے اور اس کا پس نظر کیا ہے؟ دانا خود سوچیں اور مضغمانہ طور پر اس کا جائزہ لیں کہیں وال میں کالانہ ہو لطیفہ۔ جمع قرآن کے متعلق وارد شدہ اور دیگر متعلقہ روایات سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ مذکورین میں سے سوائے علیؑ بن ابی طالب کے ایک بھی حافظ قرآن نہ تھا۔ کیونکہ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس سے صحیفہ منگوا کر زید کو ایک مصحف میں جمع کرنے کا حکم دیا اور متعدد نسخے لکھوائے اور کہا کہ اختلافی مقامات پر قریش کی لغت کو ترجیح دینا کیونکہ قرآن اسی لغت میں اترا ہے اگر خود حافظ ہوتے تو حضرت حفصہ سے صحیفے منگوانے کی یا اختلاف قرأت کا خطرہ محسوس کر کے علاج معین کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اپنے حفظ سے ہی سب کچھ ہو سکتا تھا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی اگر حافظ ہوتے تو زید کو تلاش کر کے جمع کرنے کی تکلیف نہ دیتے اپنے حفظ سے ہی لکھوا دیتے یا کم از کم امداد ضرور دیتے تاکہ اس کا بھار ہلکا ہو جاتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زید خود بھی حافظ نہیں تھا۔ ورنہ جمع قرآن جیسی اہم دینی خدمت سے ہرگز جی نہ چڑھتا

اور معذرت پیش کر کے پہلو تہی کی کوشش نہ کرتا اور نہ اس کو مہاڑ سے گراں تر سمجھتا اور نہ اس کو تلاش کرنے کی فرمائش ہوتی بلکہ وہ اپنے حفظ سے سب کچھ کر لیتا۔

پس اس ساری فہرست میں سے ایک بھی حافظ قرآن نہیں۔ ابن حجر بیچارے کو یہ خیال تک نہیں آیا ورنہ وہ حضرت علیؑ کو کیوں حافظ قرآن کہتا؟ روایت متعلقہ کی کوئی اور توجیہ نکال لیتا۔ تاکہ حضرت علیؑ صحابہ کے مقابلہ میں ذرا نیچے معلوم ہوتے اس میں شک نہیں کہ شیعہ قوم میں حافظ کم ہیں۔ لیکن الحمد للہ بتصدیق ابن حجر شیعوں کا امام تو حافظ قرآن ہے مقتدی، حافظ نہ سہی، معتدلاً تو حافظ ہے۔ مقتدی بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

رونا تو ان لوگوں کی حالت یہ آنا چاہیے کہ مقتدی حافظ اور معتدلاً سب کے سب بے بہرہ

ابن حجر نے حضرت علیؑ کے جامع قرآن ہونے پر حرف گیری کرتے ہوئے جمع کی تادیل حفظ سے کر کے حضرت علیؑ کے حافظ ہونے کا اعتراف کر لیا۔ لیکن ایک بات کا خیال نہ رہا۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اگر قرآن پہلے جمع نہ تھا تو حضرت علیؑ حافظ کس چیز کے تھے اور حضرت علیؑ نے اگر حفظ کیا ہے تو بھی گھر پر کیونکہ متعلقہ روایت کے الفاظ ہیں کہ ددش پر عبا نہ لوں گا۔ جب تک قرآن جمع نہ کروں یعنی گھر سے باہر قدم نہ رکھوں گا۔ جب تک جمع نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ میں نے جمع کر لیا اور بقول ابن حجر معنی یہ ہوگا کہ ددش پر عبا نہ ڈالوں گا۔ جب تک حفظ نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ میں نے حفظ کر لیا سوچنے کے قابل ہے کہ اگر قرآن علیؑ نے جمع نہیں کیا تو پھر گھر بیٹھ کر حفظ کس چیز سے دیکھ کر کرتے رہے۔ پس اپنے ہاں جمع تھا تو حفظ کیا اور پہلے حفظ تھا تو جمع کیا کیونکہ نہ باہر گئے اور نہ کسی سے دریافت کیا اور نہ کوئی ضعیف سے ضعیف بھی ایسی روایت ملتی ہے کہ علیؑ نے کبھی کسی سے کوئی آیت دریافت کی ہو۔ پس یہی معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کا حفظ رسالت سے تھا اور جمع حفظ سے تھی اور بروایت سابقہ تاریخ الخلفاء علیؑ عہد رسالت سے جامع بھی تھے اور حافظ بھی۔ لسان وحی ترجمان سے سُن سُن کر حفظ بھی کرتے رہتے اور جمع بھی ہوتا رہا اور ان کے متعلق جمع کی وہ روایت جس کی ابن حجر نے حفظ سے تادیل کی ہے اس سے مراد صرف ترتیب اجزاء ہے اور بس۔

نتیجہ۔ جامع قرآن حضرت سالم نہیں بلکہ وہ تو ایسی کس مہر سی کے عالم میں ہے کہ اس سلسلہ میں اس کا نام بھی کوئی نہیں لیتا۔ حضرت علیؑ کے جامع قرآن تسلیم کرنے سے طبیعت گھبراتی ہے حتیٰ کہ لفظ جمع کو حفظ سے مؤول کر لیا جاتا ہے گو حفظ خود بخود جمع کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اگر تادیل کرنے والا سوچتا تو قطعاً یہ تادیل نہ کرتا۔ کیونکہ جمع میں صرف ایک ہی فضیلت تھی اور حفظ میں دو فضیلتوں کا اظہار ہوتا ہے جمع بھی اور حفظ بھی (پہلے جمع نہ ہو تو لفظ حفظ لغو ہے۔

حضرت عثمانؓ بھی جامع نہیں کیونکہ بروایت عمارت محاسبی اور تباہید روایت بخاری وہ تو صرف لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کرنے والے ہیں۔ قرآن ان سے پہلے جمع تھا۔ انہوں نے نقل کر کے اور قرأت ایک کر کے اطراف میں بھیج دیئے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ بھی خود جامع نہیں وہ تو صرف حکم دینے والے ہیں حکم دینا اور بات ہے اور عمل کرنا اور شیئے ہے۔

اب رہا زید تو اس کے متعلق مستدرک حاکم کی روایت سنئے جس کو سیوطی نے الاتقان میں ذکر کیا ہے۔
 اخذ جہ بسند علی شرط الشيخین عن
 حمید بن ثابت قال سمنا عند رسول الله
 نزلت القرآن من الرقاع
 حاکم نے ایسی سند سے روایت کی ہے جو شرط شیخین (بخاری و مسلم) کے موافق ہے زید بن ثابت کہتا ہے کہ ہم جناب رسالت کے پاس
 رہ کر قرآن شریف کو مختلف (پتھرے یا کاغذ وغیرہ) ٹکڑوں سے جمع کر لیا کرتے
 مطلب صاف یہی نکلا کہ قرآن مجید عہد رسالت میں جمع ہو چکا تھا اور زید نے دوبارہ خلفاء وقت کے حکم سے ان کو نقل
 کر کے دیدیا گزرتی تھی نے جامع قرآن کی اہمیت بڑھانے کے لئے اس روایت کی تائید کر لی جو پہلے ذکر ہو چکی ہے لیکن واقعات
 اس تائید کو قبول نہیں کرتے اور جناب رسالت کے دور میں جمع کرنے والوں میں سے ایک حضرت علی بھی ہیں جس کو تاریخ
 الخلفاء میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان کے جمع شدہ قرآن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جمع کے بعد حضور نے اس کا مواظف
 فرمایا تھا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مصدقہ جمع شدہ قرآن تھا۔ لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر حکومت وقت نے
 اس کی تردید مناسب نہ سمجھی اور نہ اس معاملہ میں حضرت علی کو شامل کرنا مناسب سمجھا۔ اس تفصیل سے ایک طرف تو صحابہ کا
 باہمی شکر و شکر ہونا بھی ظاہر ہو گیا اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ ان سب میں سے سوائے علی کے نہ کوئی حافظ قرآن ہے نہ جامع
 بلکہ قرآن عہد رسالت سے جمع تھا۔ حضرت علی اس کے حافظ بھی تھے اور جامع بھی ہیں فرمان رسالت کی تصدیق ہو گئی۔

علی مع القرآن والقرآن مع علی

ابتداء نزول قرآن

اس میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید کسب سے پہلے نازل ہونے والا سورہ کون سا ہے۔ چنانچہ اس میں چار اقوال مشہور ہیں

- ۱۔ سورہ اقراء سب سے پہلے نازل ہوا ہے۔
 - ۲۔ بعض مفسرین نے سورہ مدثر کو پہلا نازل ہونے والا سورہ قرار دیا ہے۔
 - ۳۔ بعض کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ سب سے پہلے آرا ہے
 - ۴۔ ایک روایت میں ہے کہ قرآن کا سب سے پہلے اترنے والا حصہ آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے۔
- پہلا قول کرنے والوں نے ایک روایت کو اپنے قول کا مدرک قرار دیا ہے جس کو علامہ سیوطی نے الاتقان میں کتب صحاح سے نقل کیا ہے جس کی راویہ حضرت عائشہ ہی کہ غار حرا میں جب پہلے پہل حضرت جبریل کا نزول ہوا تو اس نے حضرت رسالت سے خواہش کی کہ افسس یعنی پڑھو تو آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو جبریل نے آپ کو ڈھانپ

لیا اور خوب دبا یا پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو تو پھر آپ نے حسب سابق جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں چنانچہ پھر
بہرئیل نے آپ کو ڈھانپ کر خوب دبا یا اور جب پھوڑا تو کہا کہ پڑھو لیکن آپ نے پھر بھی وہی جواب دہرایا کہ میں پڑھا ہوا
نہیں ہوں پس بہرئیل نے تیسری دفعہ پھر ڈھانپ لیا اور خوب دبا یا اور چھوڑنے کے بعد پھر پڑھنے کو کہا تو آپ نے پھر
فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اب کی بار بہرئیل نے پڑھا **اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ** سے **مَا لَمْ يَعْلَمْ** تک اور حضور نے
اس کو دھر لیا۔ جبکہ آپ کے اعضاء میں کپکپی طاری تھی

دوسرے قول کا مدرک کتب صحاح سے الاتقان میں بروایت جابر بن عبد اللہ انصاری منقول ہے۔ حضور نے فرمایا
کہ میں غارِ حرا سے نکل کر داوی کے درمیان میں تھا کہ میں نے ہر چہار سو دیکھ کر آسمان کی طرف نظر بلند کی تو بہرئیل دکھائی دیا۔
پس میرے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی۔ چنانچہ گھر میں پہنچ کر میں نے خدیجہ سے کہا **يَسِّرْ لِي وَفِيَّ عَيْنِي مِيرَةَ** اور پر لحاف ڈال دو
پس اللہ نے نازل فرمایا **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ** الخ

اقول، شیعہ عقیدہ کی رو سے حضرت رسالت کا نزول وحی کے وقت بہرئیل سے خوفزدہ ہونا بعید از
عقل ہے اسی طرح ہر وہ روایت جس میں شان رسالت میں بے ادبی یا گستاخی کا پہلو نظر آ رہا ہو وہ لائق تاویل یا قابل رد ہے
پہلا قول سب سے زیادہ مشہور ہے اور روایات اہلبیت میں اس کی تائید بھی موجود ہے۔

چنانچہ الاتقان میں حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ مکہ میں سب سے پہلا
نازل ہونے والا سورہ **اِقْرَأْ** ہے جبکہ سب سے آخر اترنے والا سورہ المؤمن ہے (بعضوں نے عنکبوت کہا ہے) اور
مدینہ میں سب سے پہلے اترنے والا سورہ **وَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ** ہے اور آخری سورہ **سَبَّحَات** اور بعض مفسرین نے مدینہ میں
پہلا اترنے والا سورہ البقرہ اور بعض نے سورہ القدر قرار دیا ہے۔

اکثر قرآن مکہ و مدینہ میں اترے ہیں لیکن چند آیتیں سماوی ہیں مثلاً سورہ زمرت کی آیت **وَأَسْأَلُ مِنَ اللَّهِ مَا سَأَلُ**
اور سورہ صافات کی تین آیتیں **وَمَا مِمَّا آتَاكُمُ اللَّهُ** اور سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں اور سورہ مرسلات زمین کے اندر نازل
ہوا جبکہ آپ غارِ حرا میں تشریف فرما تھے۔

شیعہ عقیدہ کی رو سے چونکہ آیت **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** سورہ برات کے علاوہ ہر سورہ کا جزیو
لہذا جو سورہ بھی پہلے اترے اس کی ابتدا بسم اللہ سے ہوئی پس بسم اللہ کا سب سے پہلے نازل ہونا یقینی ہے۔

ترتیب نزول

بعض متعصب مزاج لوگ آل محمد کے فضائل و مناقب پر پردہ ڈانے کے لئے جہاں آیات کی تاویل میں بہرئیل پھیری
سے کام لے کر عوام کے دلوں میں شکوک و شبہات کے بیج بوٹے ہیں۔ وہاں مکی و مدنی سورتوں میں غلط کر کے عوام کو الجھاتا

کے بارے میں نازل شدہ آیات کے مضامین سے ماہل باختراف کرتے ہوئے دل کی بھڑاس کو ٹھنڈا کرنے میں سہرہ درخس کرتے ہیں چنانچہ سورہ الدھر جو آل محمد کی یتیم پروری مسکین نوازی اور اس پر صحرلی کے ایثار پسندانہ جذبات کے مظاہرہ پر خالق کائنات کی طرف سے خراج تحسین و تشکر کی پیش کش اور انخوری انعامات و اکرامات کی محکمہ دستاویزی کیفیت رکھتی ہے اس کے شان نزول کے انکار کرنے کے بہانہ سے سورہ دھر کو مکی ثابت کرنے کی سعی لاعاصل کی گئی ہے اور دور حاضر کے متعصب ترین مصتف جناب ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اسی اشعار کو اپاتے ہوئے اپنے مجتہدانہ ذہن کو اسی بیچ پر لگایا اور سورہ مذکورہ کو مکی کہہ کر مذہب اہلبیت کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔

میرے سامنے اس وقت علامہ جلال الدین سیوطی کی الاقان، فی علوم القرآن مطبوعہ مصر کا دوسرا ایڈیشن ہے جس کے جزو اول کے صفحہ ۲۵ پر انہوں نے مکی و مدنی سورتوں کی تفصیل بروایت جابر بن زید نقل کی ہے چنانچہ مکہ میں نازل ہونے والے سورتوں کی علی الترتیب فہرست یہ ہے۔

نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ
۱	اقراء	۱۵	الکوشر	۲۹	لايلاف	۳۳	الفاطر
۲	ن والقلم	۱۶	التكاشر	۳۰	القائمة	۳۴	مریم
۳	المزمل	۱۷	أَمْ آيَاتٍ	۳۱	القيامة	۳۵	طه
۴	المدثر	۱۸	الكافرون	۳۲	وَبِئْسَ لِكُلِّ هَمْزَةٍ	۳۶	الواقعه
۵	الفاطمه	۱۹	الفيل	۳۳	الرسلات	۳۷	الشعراء
۶	ثَبَّتْ يَدَا	۲۰	الفلق	۳۴	ق	۴۰	النمل
۷	التكوير	۲۱	الناس	۳۵	البلد	۴۹	القصص
۸	الاعلى	۲۲	قل هو الله احد	۳۶	الطارق	۵۰	بنی اسرائیل
۹	والليل	۲۳	والنجم	۳۷	القمر	۵۱	يونس
۱۰	والفجر	۲۴	عبس	۳۸	ص	۵۲	هود
۱۱	والضحى	۵	انا انزلنا	۳۹	الاعراف	۵۳	يوسف
۱۲	المرشورح	۱۶	والشمس	۴۰	الجن	۵۴	الحجج
۱۳	والعصر	۲۷	البروج	۴۱	يسين	۵۵	الانعام
۱۴	والعاديات	۲۸	التيث	۴۲	الفرقان	۵۶	الصافات

نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ
۵۷	لقمان	۶۵	الاحقاف	۶۲	النحل	۸۱	الناسرعات
۵۸	النبأ	۶۶	الذاریات	۶۴	نوح	۸۲	الانفطار
۵۹	الزمر	۶۷	الغاشیہ	۶۵	الطور	۸۳	الانشقاق
۶۰	المومن	۶۸	الکھف	۶۶	الہومنون	۸۴	الروم
۶۱	خمر السجدہ	۶۹	الشوری	۶۷	الملک	۸۵	العنکبوت
۶۲	الزخرف	۷۰	ابراہیم	۶۸	الحاقہ	۸۶	المطففین
۶۳	الدخان	۷۱	السجدہ	۶۹	المعارج		
۶۴	الجاثیہ	۷۲	الانبیاء	۷۰	عمریتسألون		

یہ کل چھیالیس سورتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں اور تفسیر الاتقان میں ہے کہ سورہ النحل کی چالیس آیتیں مکہ میں اور باقی مدینہ میں نازل ہوئیں۔ ان کے بعد مدینہ میں اترنے والی سورتوں کی علی الترتیب فہرست یہ ہے۔

نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ
۸۷	البقرہ	۹۲	اذا زلزلت	۱۰۶	البینہ	۱۰۸	الحجرات
۸۸	ال عمران	۹۵	الحدیہ	۱۰۷	الحشر	۱۰۹	التحریم
۸۹	الانفال	۹۶	محمدؐ	۱۰۸	اذا جاء نصر اللہ	۱۱۰	الجمعه
۹۰	الاحزاب	۹۷	الرعہ	۱۰۹	النوم	۱۱۱	التغابن
۹۱	المائدہ	۹۸	الرحمن	۱۱۰	الحج	۱۱۲	الصف
۹۲	المتحنہ	۹۹	الدھر	۱۱۱	المنافقون	۱۱۳	الفتح
۹۳	النساء	۱۰۰	الطلاق	۱۱۲	المجادلہ	۱۱۴	التوبہ

تاج کپنی کے موجودہ طبع شدہ تراکیب میں سورتوں کی تنزیل کے ترتیب وار نمبر درج ہیں جو نمبر ۱۱۴م سجود تک روایت مذکورہ کے مطابق ہیں اور بعد میں قدرے اختلاف ہے چنانچہ وہ نمبر اس طرح ہیں۔

نمبر	نام سورة	نمبر	نمبر	نمبر	نمبر	نمبر	نمبر	نمبر	نمبر	
١٤	بنی اسرائیل	٢١	حم السجدة	مکتبہ	٦٥	الطلاق	مدنیہ	٨٩	الفجر	مکتبہ
١٥	الکہف	٢٢	الشوری	"	٦٦	التحریم	"	٩٠	البدر	"
١٩	مریم	٢٣	الزخرف	"	٦٧	الملک	مکتبہ	٩١	الشمس	"
٢٠	طہ	٢٤	الدخان	"	٦٨	القلم	"	٩٢	واللیل	"
٢١	الانبیاء	٢٥	الاحقاف	"	٦٩	الاحقاف	"	٩٣	الضحی	"
٢٢	الحج	٢٦	محمد	مدنیہ	٧٠	المعارج	"	٩٤	الانشراح	"
٢٣	البقرہ	٢٧	الفتح	مکتبہ	٧١	نوح	"	٩٥	التین	"
٢٤	البقرہ	٢٨	الحجرات	مدنیہ	٧٢	الحج	"	٩٦	اِذَا زُلْزِلَتْ	"
٢٥	الفرقان	٢٩	ق	مکتبہ	٧٣	المزمل	"	٩٧	القدر	"
٢٦	الشعراء	٣٠	الزاريات	"	٧٤	المدثر	"	٩٨	البيته	مدنیہ
٢٧	القصاص	٣١	الطور	"	٧٥	القيامة	"	٩٩	اذا زلزلت	"
٢٨	العنكبوت	٣٢	النجم	مدنیہ	٧٦	الدهر	مدنیہ	١٠٠	العايات	مکتبہ
٣٠	الروم	٣٣	القمر	"	٧٧	الموسلات	مکتبہ	١٠١	القارعه	"
٣١	لقمان	٣٤	الرحمن	مدنیہ	٧٨	النبأ	"	١٠٢	التكاثر	"
٣٢	السجدة	٣٥	الواقعه	مکتبہ	٧٩	النازعات	"	١٠٣	العصر	"
٣٣	الاحزاب	٣٦	الحديد	مدنیہ	٨٠	عبس	"	١٠٤	الهمزة	"
٣٤	سبا	٣٧	المجادله	"	٨١	تکوین	"	١٠٥	الفيل	"
٣٥	فاطر	٣٨	الحشر	"	٨٢	الانفطار	"	١٠٦	لايلاف	"
٣٦	الناس	٣٩	الممتحنه	"	٨٣	المطففين	"	١٠٧	الماعون	"
٣٧	الصف	٤٠	الجمعه	"	٨٤	الانشقاق	"	١٠٨	الكوثر	"
٣٨	الزمر	٤١	التغاب	"	٨٥	البروج	"	١٠٩	الكافرون	"
٣٩	المومن	٤٢	الذاريات	"	٨٦	الطارق	"	١١٠	النصر	مدنیہ
٤٠	التغاب	٤٣	الغاشية	"	٨٧	الاعلى	"	١١١	الذهب	مکتبہ
		٤٤		"	٨٨		"	١١٢	الاخلاص	"

نمبر	نام سورہ	کئی یا کئی	نمبر	نام سورہ	کئی یا کئی
۱۱۳	الفلق	مکتبہ	۱۱۴	التاسع	مکتبہ

روایت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ سورہ الذہر مدنی ہے اور موجودہ قرآنوں میں بھی اس کو مدنی کہا گیا ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں سورتوں کی ترتیب نقل کرنے کے بعد اس میں نظر کا اظہار کیا ہے۔ تاکہ اس کو ناقابل اعتماد قرار دیا جائے لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی دوسری روایت صحیحہ پیش نہیں کر سکا اور اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے عملی طور پر وہ بے اندازہ میں اس کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہو گیا ہے ہم نے تفسیر ہذا کی جلد ۱ کا اس سورہ ذہر کی تفسیر کے ذیل میں کئی و مدنی سورتوں کی ترتیب نقل کی ہے۔ بہر کیف آل خضر کے فضائل کو گھٹانے یا دہانے یا مٹانے کے لئے روز اول سے عاصدانہ زبان و قلم کو استعمال کرنے کی سعی لا حاصل جاری ہے لیکن؟

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندان
پھونکنوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

احراق قرآن کا مسئلہ

یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت عثمان نے باقی ماندہ قرآنوں کو جلا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ اس مقام پر مرزا ابیرت دہلوی نے ترجمہ صحیح بخاری میں حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے کیونکہ بخاری کے الفاظ یہ ہیں وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ ادمصصحف ان یحرق یعنی حضرت حفصہ کی طرف سے آگے ہوئے صحیفوں پر جس قدر قرآن درج تھا اس کو متعدد مصاحف میں نقل کروا دینے کے بعد وہ صحیفے تو حضرت حفصہ کو واپس بھیج دیئے لیکن اس قرآن کے علاوہ جس قدر قرآن دوسرے صحیفوں میں مرقوم تھا اس کو جلا دینے کا حکم دے دیا۔ یہ فرق یاد رہے کہ باقی صحیفوں کو نہیں جلا دیا۔ بلکہ ان صحیفوں میں جس قدر قرآن ماسوا اس قرآن کے تھا جو حضرت حفصہ کے صحیفوں سے نقل کیا گیا تھا۔ اس کو جلانے کا حکم دیا بخاری کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

پس حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس آدی بھیجا کہ اپنے صحیفے بھیج دو تا ہم ان کو اور مصاحف میں نقل کر لیں پھر اصل تمہیں واپس بھیج دیں گے۔ حضرت حفصہ نے وہ حضرت عثمان کی طرف بھیج دیئے۔ پس انہوں نے زید بن ثابت اور عبداللہ بن زبیر اور سعید بن العاص اور عبدالرحمن

فارسن الی حفصۃ ان اسالی الیہا الصحف
تسخمافی المصحف ثم نردھا الیک فارسنت
بہا حفصۃ الی عثمان فامر زید بن ثابت
وعبداللہ بن زبیر وسعید بن العاص

یعنی حضرت عثمان نے صرف وہ مصحف جلائے جن میں منسوخ آیتیں اور آیتیں تھیں۔
لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس قدر قرآن کو جمع یا نقل کرا کے اطراف مملکت میں روانہ کیا ان میں تو کوئی آیت
ایسی نہیں جو منسوخ ہو چکی ہو۔ کتب تفسیر و آثار سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اس موجودہ قرآن میں بھی بہت سی آیات ایسی
ہی جو منسوخ ہو چکی ہیں۔

سیوطی نے الاتقان میں ناسخ و منسوخ کے باب میں لکھا ہے قال الأئمة لا يجوز لأحد
ان يفسر كتاب الله - إلا بعد ان يعرف منه النسخ والمنسوخ - یعنی ائمہ نے کہا ہے
کہ کسی شخص کے لئے قرآن مجید کی تفسیر کرنا جائز نہیں جب تک اس میں سے ناسخ و منسوخ کا علم نہ رکھتا ہو چنانچہ اس کے
بعد منسوخ آیات پر ایک طویل بحث کرنے کے بعد یہ نظر یہ قائم کیا ہے کہ میرے نزدیک کل منسوخ آیات کی تعداد بیس
ہو اس موجودہ قرآن میں ہیں اور ان کو میں ایک نظم میں پیش کرتا ہوں۔

ناسخ و منسوخ

وقد أكثر الناس في المنسوخ من عدد	و ادخلوا فيه آيات ليس تنحصروا
لوگوں نے منسوخ آیات کی بڑی تعداد بیان کی ہے	اور انہیں بہت کافی آیات داخل کر دی ہیں جو شمار باہر ہیں
وهاك تحريرواى لا مزيد لها	عشرین حررها الحداق والکبر
یہ لو بغیر کسی زیادتی کے آیات منسوخ کی تعداد	بیس ہے جس کو ماہرین بزرگواروں نے تحریر کیا ہے
آى التوجه حيث المرء كان وان	یوصى لاهليه عند الموت محتصر
نماز کے وقت قبلہ کی طرف منہ پھرنے کی آیات اور	بوقت احتقار مرنے والے کو وصیت کے حکم والی آیت
وحرمه الاكل بعد النور مع رفث	و فدية لمطيق الصور مشتهر

لے آیتاً تو لو انما فحمة وجهه الله، جس طرف منہ کر لو اسی طرف ذات خدا موجود ہے یہ منسوخ ہے اس آیت سے کہ فرمایا قُلْ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ حُرْمَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ حُرْمَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ حُرْمَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
فرض ہے کہ مرنے کے وقت اپنے والدین اور اقربا کے لئے وصیت کر جاؤ اس آیت کو وراثت والی آیت سے منسوخ کر دیا۔
لے یہ حکم سے آیت علی الذین من قبلكم سے مستفاد تھا کیونکہ پہلے جن امتوں پر روزے فرض تھے ان کے لئے رات
کو سونے کے بعد کھانا پینا اور جماعت منسوخ تھی۔ اب یہ آیتیں اجل لکم لیسئلکم الضیام التذات ترجمہ ہمارے
لے روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں سے بہترین جاڑے (الایم) اور کھانا اور اشربوا حتی تشبثوا لکم (الایم) یعنی تم روزوں
کی راتوں میں صبح کی صفائی سے پہلے نہ سونے تک کھانی سکتے ہو، اس حکم کی ناسخ ہیں لے و علی الذین یطیقون فدية الآیة
یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں یا یہ کہ مالی طاقت رکھتے ہیں ان کے لئے ہرزہ کے لئے ذبیہ دیدینا کافی ہے اور فدیہ یعنی موتیوں ان پر روزہ معاف ہے اسکی
ناسخ یہ آیت فمن شهد منكم الشهر فليصمه یعنی جو شخص ای ماہ میں حاضر ہو یعنی مسافر نہ ہو روزہ رکھے اس آیت نے واضح کر دیا کہ بیمار و مسافر کے علاوہ

۴ ہر آدمی پر روزہ رکھنا واجب ہے اور فدیہ دیدینا کافی نہیں۔

اور عیادت کے ہر تہے روزہ نہ رکھنا اور فدیہ دینا یہ دونوں آیتیں

وَفِي الْحَرَامِ قِتَالٌ لِلأُولَى كَفَرُوا

اور ماہ حرام میں کافروں سے لڑنے کا حکم۔ یہ دونوں آیتیں

وان سیدان حدیث النفس والفکر

اور دل والی باتوں کا حساب لیا جانا۔ یہ دونوں آیتیں

کفر و اواشہادہم والصدروا والنفس

کفر کے حکم والی اور اٹھ شہادت کی تربیت اور سیر فی الجہاد اور عری حکم جہاد

وما علی البصطی فی العقد محتظر

اور وہ جو رسالتاً پر حکم منع تھا (عقد کے متعلق)

اکذاک قیام اللیل مستطرد

اور جناب رسالتاً کا عبادت کے لئے رات کا قیام

ماہ رمضان میں سونے کے بعد کھانے پینے اور عجمی کی منع

وحق تقواہ فی ما صح فی اشہ

انقر اللہ حق تقوہ یعنی اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے

والاعتداد بجول مع وصیتہا

عورت کا سال تک عدت میں بیٹھنا اور اس کی وصیت

والحلف والحس للزانی وتروک اولی

اللہ حلف والی آیت زانی کے عیس کرنا آیت اور کفار کو ہرگز دینے

ومنع عقد الزانی أو تزانیة

زانی اور زانیہ کے عقد کی ممنوعیت

ودفع مہر لمن جاءت وایة بجوا

کفار سے آئی ہوئی عورتوں کے مہر اور آیت بخوی میں صدقہ

ہے انقر اللہ حق تقوہ یعنی اللہ سے ڈرو جس طرح تقویٰ کا حق ہے۔ اس حکم کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا کہ فرمایا۔ فالتقوا

اللہ ما استطعتم یعنی اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جتنا کر سکتے ہو۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دی ہے۔

یہی تم سے لوگ ماہ حرام میں لڑائی کے متعلق سوال کرتے ہیں تو ان کو جواب دینے کو حمت والے جہنم میں لڑائی کو ناگاہ کہیے اس حکم

کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا چنانچہ فرماتا ہے فالتوا بالشرکین کافۃ یعنی تمام مشرکوں سے لڑائی کرو گے جس عورت کا شوہر

فوت ہو جاتا ہے اس کے لئے عدت ایک سال تھی والذین یتوفون منکم تامت اعوالہم یعنی جو لوگ مر جاتے ہیں ان

کی عورتیں سال مہر تک انتظار کریں اور اپنے مرنے والے شوہر کے سوگ میں وقت گزاریں۔ اب اس آیت کے حکم کو چار ماہ دس دن

کی عدت بتانے والی آیت نے منسوخ کر دیا۔ ہے مطلق کے لئے مالی وصیت کا حکم وراثت والی آیت سے منسوخ ہے۔ ہے ان سبدا

ما فی انفسکم أو تحفظوا یکا ینبکم بہ اللہ دل کی بات ظاہر کر دیا چھپائے رکھو خدا ان سب کا حساب لے گا یہ آیت لا ینکف اللہ

نفساً الا وسعاً عذاباً ورحمتاً سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا کی آیت سے منسوخ ہے۔ والذین عاقبت ایما نکم فاقولہم

نصیبہم جو لوگ تمہارے ساتھ تم قسم ہیں ان کو اپنا حصہ دو یہ ایک دستور جاہلی تھا کہ ہم قسم لوگ ایک دوسرے کی وراثت سے حصہ لیا کرتے

قرآن مجید میں پہلے اس کی اجازت تھی اور بعد میں اولاً لارحام والی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوا۔ ہے زانی کے عیس کرنے والی آیت حکم رجم سے

منسوخ ہوئی۔ ہے ولا الشہر الحرام والی آیت اباحت قتال سے منسوخ ہو گئی۔ ہے آخر ان میں غیر کفر و گواہ غیر مسلم لے لو

و اشہدوا ذوی عدل منکم و مسلم عادل گواہ قائم کردم سے منسوخ ہو گئی۔ ہے تم میں سے میں ہوں تو دو سو کے مقابلہ میں مہر کے

اور جرم کر لیں یہ آیت اس کے بعد والی آیت سے منسوخ ہو گئی۔ ہے انفسوا خفاً و اذیناً جہاد کیلئے پلہ خواہ تدرست ہو یا بیمار کیلین

علی الذین یخونون والی آیت سے منسوخ ہو گئی۔ ہے و انفسوا الایمانی منکم والی آیت سے منسوخ ہے۔ ہے لا یجوز لک التناؤیر

و زيد آية الاستيذان من ملكك
 وآية للقسمۃ الغضلی لمن حضروا
 غلامی نکاح میں اجازت انا کا محتاج ہزار بعض نے نسخ کہا ہے) اور حاضرین پر پختہ ہاں کی تقسیم کا حکم (اسکو بھی بعضوں نے نسخ کہا ہے)
 یہ فہرست ہے ان آیات کی جن کو نسخ قرار دیا گیا ہے اور آیات اب تک قرآن میں موجود ہیں ان میں سے بعض کے
 نسخ ہونے میں اختلاف بھی ہے چنانچہ آخری دو نو علامہ سیوطی کے نزدیک نسخ نہیں ہیں بلکہ حکم ہیں۔ الا لقان مثلاً
 بتائے جب جامع القرآن نے آیات نسخ کو جلا دیا تھا تو یہ آیات کیں بچائی گئیں؟ اگر آیات نسخ کو جلا کر ضروری تھا
 تو ان کا بچانا کیسے جائز ہوا اور اگر ناجائز تھا تو ان کو کیوں جلا گیا؟ شاید حضرت عثمان کے قرآن جلانے کی توجیہ بیان کرتے ہوئے یہ
 آیات خیالی شریف سے اتر گئیں۔ مگر کیف خواہ بات کو رن مسودہ کہہ کر ٹانے کی کوشش کی جائے یا آیات نسخ کا بہانہ بنایا جائے
 واقعات و حقائق پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ ہمیں اس بارہ میں آگے جانے کی ضرورت نہیں اور باب و دانش اپنے ذوقی سیم سے
 یہ مدعا حل کر سکتے ہیں۔

ثقلین (قرآن اور عترت طاہرہ) سے امت کا سلوک

جناب رسالت نے ثقلین کے ساتھ تنگ پوٹے کا انتہائی تاکید کے ساتھ جو حکم فرمایا تھا۔ اہل اسلام نے اس پر خوب
 عمل کیا۔ قرآن مجید کا جو عشر نما اس کے گذشتہ عنوان میں بیان کر دیا گیا ہے اور عترت طاہرہ کے ساتھ تنگ کا جو حال ہوا۔ وہ
 سرکار رسالت کی اہل قبیلہ شہزادی خاتون دو جہاں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی حالت زار سے صاف ظاہر ہے۔
 صحیح بخاری کتاب النفس میں حضرت عائشہ روایت فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ نے رسول اللہ کی وفات
 کے بعد حضرت ابوبکر سے رسول اللہ کے مال فنی سے بچے ہوئے مال کی وراثت کا سوال کیا تو حضرت ابوبکر نے جواب
 دیا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہمارا کوئی وارث نہیں ہم جو کچھ چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد بخاری شریف
 کے لفظ بعینہ یہ ہیں۔

پس فاطمہ بنت رسول اللہ ناراض ہو گئیں اور ابوبکر سے بائیکاٹ
 قطع تعلق یا قطع کلامی کر لی اور ہمیشہ اس سے بائیکاٹ میں رہیں یہاں

فَعَصَبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ كَعَجْبَتْ
 اَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَلِكْ مِمَّا حَبَرْتَهُ عَلَى نُوْرَيْشِ

اوپر جو تین حلال نہیں یہ آیت۔ نسخ ہو گئی۔ اس آیت سے اَنَا اَحْلَلْنَا لَكَ اَمَّا وَجَعَتْ تیری زوہبات ہم نے تیرے لئے حلال
 کی ہیں بلکہ آیت نصیحت کے ساتھ نسخ ہو گئی لہٰذا اس کے بعد والی آیت اس کی ناسخ ہے لہٰذا سورت کا افسوس کا ناسخ ہے۔
 لہٰذا آیت استیذان اور آیت غنیمہ والی آیت علامہ سیوطی کے نزدیک نسخ ہونے سے نہیں ہیں۔

کی ہیں خواہ ترجمہ میں رنجیدگی یا غصہ یا ناراضگی جو بھی مراد لیا جائے تو ان احادیث کی رو سے معلوم ہوا کہ بی بی کی ناراضگی رسول کی ناراضگی کی موجب ہے آپ کا یہ فرمانا کہ بی بی کی کافی ناراضگی نقصان دہ نہیں۔ اس کا یہی مطلب ہوا کہ رسول کی کافی ناراضگی بھی موجب نقصان نہیں (العیاذ باللہ)

ایک طرف حضرت عائشہ کے قول کی تردید فرماتی ہیں کہ بی بی مرتے دم تک راضی نہ ہوئیں اور آپ فرماتے ہیں کہ اطمینان ہو جانے پر راضی ہو گئیں اور دوسری طرف حضرت فاطمہ پر اتہام اور سیر (ناطلہ کی ناراضگی جو رسول کی ناراضگی کو مستلزم ہے) کو غیر موجب نقصان کہہ کر کہاں سے کہاں چلے گئے۔ اپنے گریبان میں نظر ڈالئے؟ بالکلہم۔ قرآن کو جلانا اور عترت کو رلانا حدیث ثقلین پر عمل کرنے کا نتیجہ رہا۔

شیعوں پر بہت الزام اور اتہام بلکہ بہتان عظیم ہے کہ شیعہ صحابہ کرام کو اچھا نہیں مانتے حالانکہ شیعہ مذہب کی رو سے صحابہ رسول کی عزت کرنا اور نقش قدم پر چلنا واجب ہے جس کے دل میں صحابہ کی عزت نہیں گویا اس کے دل میں جناب رسالت کی فرمائش کی وقعت نہیں لیکن صحابہ وہ جو جناب رسالت کے فرمانبردار اور عترت رسول کے قدر دان تھے۔ یعنی جن کا قرآن اور آل رسول دونوں سے تسک تھا جن پر خدا و رسول بھی راضی اور عترت طاہرہ بھی خوشنود تھی پس ہم ان کی غلامی کو فرما اور ان کی محبت کو ایمان سمجھتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ آثار و واقعات کی روشنی میں ہم صحابہ رسول میں یکسانیت کے قائل نہیں۔ رسول اور آل رسول کے دوست کو دوست سمجھتے ہیں اور ان کے دشمن سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہیں اور بس۔

یہ دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے کہ جناب رسول خدا کے تمام صحابی یکساں طور پر مؤمن اور واجب الاتباع تھے۔ ذرا صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث و سیر کا مطالعہ فرمائیے یہ چیز روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ بہت سے صحابہ ایسے تھے جو جناب رسالت کی رحلت کے بعد ثابت قلم نہ رہ سکے۔

ترجمہ مرزا حیرت دہلوی جلد ۲ حدیث نمبر ۱۳۱۶

بخاری شریف کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ

علاء بن مسیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے براہ بن عازب سے سنا کہ کہا تم کو مبارک ہو کہ تم رسول خدا کی صحبت میں رہے اور حضرت سے درخت کے نیچے بیعت کی (ازراہ عجز و انکاری) انہوں نے جواب دیا اے بیعت تہیں نہیں معلوم ہم نے رسول خدا کے بعد کیا کیا خرابیاں کی ہیں۔

ترجمہ حدیث نمبر ۱۶۲۸۔ ابن عباس سے اسی حدیث کے ذیل میں ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے پہلے ابراہیم کو کپڑے پہنائے جائیں گے اور ہر شیاء ہو کہ چند آدمی میری امت کے لائے جائیں گے اور فرشتے

عن العلاء بن المسیب عن ابيه قال لقيت
البراء بن عازب فقلت طوبى لك صحبت
النبى وبابعت تحت الشجرة فقال يابن
اخى انك لاتدسى ما احد ثابعدا
وفى تفسير سورة الحائده عن ابن عباس
فى حدیث عن رسول الله ان اول الخلائق
ابراهيم يكتسى يوم القيامة الاوانه يجاء

سبحان من امتی فیوخذ بہذات
 الشمال فاقول یا رب اصیحابی فیقال انک
 لاتدری ما احد ثوابعدل (الی ان قال)
 فیقال ان کفولام لدریزالوا مرتدین
 وفیه فی کتاب العنن عن ابی وائل قال
 قال عبد اللہ قال النبی انا فرطکم علی
 العوض لیرفعن الی رجال منکم حتی اذا
 هویت لانا ولہم اختلافوا ودنی فاقول
 ای رب اصحابی فیقول لاتدری ما
 احد ثوابعدک -

ان کو دوزخ کی طرف سے جانیں گے اس وقت میں کہوں گا۔ لے رب
 یہ تو میرے صحابی ہیں (اللہ کی جانب سے) ندا آئے گی تو نہیں جانتا انہوں نے
 تیرے بعد کیا کیا کیا، یہاں تک کہ فرمایا، پھر اللہ کی جانب سے ندا ہوگی
 کہ یہ لوگ تیرے (محمد کے) جلا ہونے کے بعد ہی مرتد ہو گئے تھے۔
 ترجمہ بخاری مرزا حیرت ساج حدیث نمبر ۱۹۲۲۔ عبد اللہ بن مسعود
 سے روایت ہے کہ حضرت علی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عرض (کوثر پر)
 تمہارا پیش خیمہ ہوں گا اور تم میں سے چند لوگ تیرے پاس لائے جائیں
 گے۔ یہاں تک کہ جب میں ان کو (کوثر کا پانی) دینا چاہوں گا تو وہ لوگ
 میرے پاس سے کھینچ لئے جائیں گے میں عرض کروں گا کہ لے میرے
 پروردگار (یہ لوگ تو) میرے اصحاب ہیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ تم نہیں جانتے
 ہو کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا بدعتیں کی ہیں۔

پہلی حدیث کے ترجمہ میں تو مترجم نے صحابہ سے جبار ہلکا کرنے کی خاطر بریکٹ دے کر عجز و انکاری کی راہ نکال لی
 لیکن پچھلی دو حدیثوں میں یہ راہ پیدا نہ ہو سکی۔ کیونکہ نہ ان کو دوزخ میں لے جایا جانا ان کی انکاری ہے اور نہ ان کے مرتد ہونے
 میں عجز و انکاری کی راہ پیدا ہو سکتی ہے۔ اور نہ ان کا عرض کوثر سے کھینچ لیا جانا ازراہ انکاری تھا۔
 موطا امام مالک۔ باب الشہداء جناب رسالتاً نے شہداء احد کی تعریف کی۔ تو حضرت ابو بکر نے عرض کی کہ ہم نے
 سبھی جہاد کیا اور ان لوگوں کے ساتھ شریک رہے تو آپ نے فرمایا تمہیں کیا معلوم میرے بعد کیا کیا بدعتیں کرو گے
 پس جناب رسالتاً کی رحلت کے بعد جو صحابہ کرام آنحضرت کی تعلیمات پر ثابت قدم رہے ان کی خاک پا ہمارا
 لئے سرمہ چشم اور احادیث بخاری و امیر و احادیث کی روایات کے پیش نظر جو جو لوگ ثابت قدم نہ رہ سکے۔ ہم ان سے
 بیزار ہیں یہ تعین کرنے کی ضرورت نہیں کہ کون ثابت قدم رہے اور کون بخاری کی سابقہ حدیث کے پیش نظر مرتد ہو گئے۔
 فرمان نبوی موجود۔ حدیث ثقلین موجود۔ قرآن و اہلبیت موجود۔ کتب حدیث و سیر موجود۔ تاریخی حقائق و واقعات موجود صحیح
 موجود عقل و دماغ موجود، لشم طیکہ تصب و عناد اور جنبہ داری مفقود ہو اور انصاف موجود ہو تو ہر صاحب دانش سوچ
 سمجھ کر فیصلہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کسی صاحب اقدار کے بڑے نام سے مرعوب ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ



صحابہ کرام میں علم قرآن

اس باب میں ہم اہل سنت کے مشہور مفسر و محدث علامہ جلال الدین سیوطی کی تحقیق نیت پر پیش کر کے ان کے انصاف کش رویہ اور عدلی سوز فیصلہ کو منظر عام پر لا کر حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ چنانچہ الاتقان فی علوم القرآن کی دوسری جلد طبقات المفسرین کے بیان میں رقم طراز ہیں۔

صحابہ میں سے مشہور مفسر قرآن وس آدمی ہیں خلفائے اربعہ اور
 (عبداللہ بن مسعود، و عبداللہ بن عباس، ابی بکر، زید بن
 ثابت، ابو موسیٰ شعری اور عبداللہ بن زبیر۔ لیکن
 خلفاء میں ان میں سب سے زیادہ تفسیر) علی بن ابی طالب
 سے ہی مروی ہے اور پہلے تینوں سے (تفسیر قرآن)
 بہت کم مروی ہے۔ شاید ان کا پہلے وفات پا جانا ہی اس
 کا موجب ہو۔ جس طرح کہ ابو بکر سے روایات حدیث کا
 کم منتقل ہونا اسی سبب سے تھا۔ اور مجھے تو ابو بکر سے تفسیر
 قرآن کے متعلق بہت کم روایات دستیاب ہو سکی ہیں۔ جن کی
 تعداد وس سے زیادہ نہیں البتہ علی سے اس بارہ میں زیادہ روایات
 ملی گئی ہیں۔ چنانچہ عمر نے وہب بن عبداللہ سے امیر المؤمنین
 سے روایت کی ہے کہ علی کو ایک خطبہ میں فرماتے ہوئے میں نے
 سنا ہے کہ پوچھ لو مجھ سے خدا کی قسم مجھ سے تم جس چیز کا سوال کرو
 گے۔ تاؤں گا اور مجھ سے قرآن شریف کے متعلق پوچھ لو پس اللہ کی
 قسم کوئی آیت ایسی نہیں جس کو میں نہ جانتا ہوں۔ خواہ رات میں
 اتری ہو یا دن میں زمین پر نازل ہوئی یا پہاڑ پر

اشتهر بالتفسیر من الصحابة عشوة الخلفاء
 الامربعة وابن مسعود وابن عباس و ابی بن
 بکر وزید بن ثابت و ابو موسیٰ الاشعری
 و عبد اللہ بن الزبیر۔ اما الخلفاء فاکثر ما
 روى عنه منهم علی بن ابی طالب والروایة
 عن الثلاثة تنزه اذ كان السبب في
 ذلك تقدم وفاتهم كما ان ذلك هو السبب
 في قلت روایة ابی بکر رضي الله عنه للحدیث
 ولم احفظ عن ابی بکر رضي الله عنه في التفسیر
 الا آثاما قليلة جدا الاتحاد بها و العشرة
 و اما علی فروى عنه الكثير وقد روى
 معمر عن وهب بن عبد الله عن ابی الطفیل
 قال شهدت علیا یخطب وهو یقول۔ سؤنی
 فوالله لا تسألونی عن شیء الا اخبرنک و
 سؤنی عن کتاب الله فوالله ما من
 آیت الا وانا اخلک ایلین نزلت امر
 بنہایا ام فی سهل ام فی جبل

و اخبر ابو نعیم فی الحلیة عن ابن مسعود
 قال ان القرآن انزل علی سبعة احرف ما

اور ابو نعیم نے علیہ میں ابن مسعود سے نقل کیا ہے۔ کہ تحقیق قرآن
 سات حرفوں سے پڑا ہے۔ جن میں سے ہر حرف کا ظاہر بھی ہے

اور باطن بھی اور تحقیق علی بن ابی طالب کے پاس اس کے ظاہر و باطن سب کا علم موجود ہے۔

نیز ابو نعیم نے بطریق ابو بکر بن عیاش روایات سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم کوئی حضرت علی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں اتری جس کا محکم نہ ہو کہ کس کے بارے میں اتری اور کہاں اتری۔ تحقیق میرے اللہ نے مجھے قلب فہیم اور زبان گویا عطا فرمائی ہے۔

متھا صرف الاولیٰ ظہر و بطن وان علی بن ابی طالب عنده منه الظاهر والباطن واخرج ايضا من طریق ابی بکر بن عیاش عن نصیر بن سلیمان الاحمسی عن ابیہ عن علی قال والله ما نزلت آية الا وقد علمت فیما نزلت واین انزلت ان ربی وهب لی قلبا عقولا ولسانا سؤلا

دعوتِ فکر

علامہ سیوطی نے جامعین قرآن، حضرات اصحاب ثلاثہ کو عالم قرآن ثابت کرنے کی سعی بلیغ میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا لیکن چونکہ واقعات و تاریخی حقائق اس کے مؤید نہ تھے بلکہ برعکس تھے تو عجیب منطق لڑانے کی سوجھی کہ ایک طرف تو عوام کا لانعام کی آنکھوں میں دھول جھونک دی اور دوسری طرف دھبی آواز میں حقیقت کے چہرے سے نقاب بھی اٹھ دی۔

پہلے پہل بڑے زور و شور سے نعرہ لگا دیا کہ صحابہ میں سے مشہور مفسر قرآن دس آدمی تھے اور پہلے نمبر پر چھٹا نمبر اربعہ کا نام لے لیا۔ عوام بالکل مطمئن ہو گئے اور دل میں پختہ عقیدہ جمالیہ کہ واقعی چاروں خلیفہ مشہور مفسر قرآن تھے اور یہ چیز رسوخ میں ان کے دل و دماغ پر کالفتش علی الحسین ہو گئی کیونکہ عوام بیچاروں کا دستور ہے کہ جو بات مولوی صاحب نے کہہ دی انہوں نے فوراً تسلیم کر لی۔ انہیں دلیل طلب کرنے کی مزید ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مولوی صاحب کا فرمان ان کے لئے اس فیصلہ اور برہان قاطع ہوا کرتا ہے اور پھر بجائے عام مولوی کے علامہ اور وہ بھی سیوطی جیسا جسے نویں صدی کا مجذوب بھی کہا جاتا ہو اگر بات کہہ دے تو عوام کے لئے ان کے قول سے بڑھ کر اور کون سی دلیل کی ضرورت یا قی رہ جاتی ہے لیکن پڑھا لکھا سنجیدہ طبقہ مولوی لوگوں کی اس قسم کی قلابازیوں میں مشکل سے بھٹتا ہے۔ علامہ سیوطی کو محسوس ہونے لگا کہ عوام سے وارثین مرجاواہ واکا صلہ حاصل کرنے کے لئے تو صرف پہلا فقرہ ہی کافی ہے کہ وہ مشہور مفسر قرآن تھے لیکن مبادا کوئی سمجھدار پڑھا لکھا آدمی اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے دلیل طلب کرے تو حقیقت چونکہ اس کے خلاف ہے جواب میں شرمساری ہوگی۔ لہذا اس آدمیوں کے نام گزرنے کے فوراً بعد کہہ دیا والردایۃ عن الثلاثۃ سنن جدا۔ کہ پہلے تینوں حضرات خلفاء سے تفسیر قرآن بہت کم مروی ہے۔

دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ پہلے کہہ دیا کہ مفسر مشہور تھے اور ایک منٹ کا وقفہ کئے بغیر لول اٹھے کہ ان سے آثار تفسیر بہت ہی کم منقول ہیں۔ علامہ کہلانے والے شخص سے اس قسم کی تضاد بیانی ایک اعجوبہ یا احمق کہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے بعد ایک اور غدر دماغ میں سوجھا کہ کہیں یہ تضاد بیانی رفع ہو جائے لیکن بقولے و غدر گناہ بدتر

ازگناہ فرماتے ہیں شاید ان کی تقدم وفات ہی اس کا سبب ہے۔ یعنی تفسیر قرآن کے بیان کرنے کا ان کو موت نے موقع نہ دیا گویا وہ مشہور مفسرین کی فہرست میں شامل بھی رہے اور ان سے آثار تفسیر کا کم منقول ہوا ہی بلاوجہ نہیں۔

عالی جاہ امان لیا کہ موت پہلے آگئی اور ان کی دل کی بات دل میں رہی لیکن کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ کو ان کے مشہور مفسر قرآن ہونے کا علم کیسے ہو گیا؟ جب موت نے ان کو علم قرآن کے ظاہر کرنے کی مہلت ہی نہیں دی۔ آپ نے ان کی کون سی علمی تحقیق یا مشکلات قرآن کے حل کی تصدیق پائی؟ کہ یقین کر کے بیٹھ گئے اور ساتھ دعویٰ نہیں کر دیا کہ مشہور مفسر قرآن تھے۔ بے شک وہ مفسر قرآن ہوں ہیں اس بات میں عوشی ہے لیکن کیا صرف آپ کے کہنے سے ہم بھی کہہ دیں کہ ان اے شک تھے نہ انہوں نے کچھ سنایا نہ بیان کیا۔ نہ مشکلات قرآن کا حل بتایا۔ نہ تاویل و تنزیل کے متعلق کچھ سمجھایا تو دریں حالات کوئی کس منہ سے کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ جی وہ تھے اور ضرور تھے۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ آپ کو کسی طرح کا الہام ہوا اور کہہ گزرے ہم کسی شہرت کے پیچھے کیوں جا نہیں۔ جب تحقیق اس کے خلاف ہو۔ رَبِّا شَهْرًا قَدْ أَصْلَحْنَا۔ (یعنی شہر میں بے بنیاد ہوا کرتی ہے) ہم جرات کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ خدا بھی اگر خدائی کے آثار ظاہر نہ کرتا تو خدا نہ مانا جاتا۔ کیونکہ بجز آثار کے نہ کوئی پہچانتا نہ مانتا۔ اسی طرح ایک نبی اپنی امت میں ہزاروں برس کو گزارے۔ لیکن جب تک علم نبوت کو ظاہر نہ کرے گا۔ نہ اس کی نبوت پہچانی جائے گی اور نہ اسے نبی مانا جائے گا۔ اسی طرح کوئی بڑے سے بڑا عالم لاکھوں کروڑوں واناؤں کے جمع میں بیٹھا رہے اور کچھ دیر کے بعد بغیر کچھ سننے کے اٹھ کر چلا جائے۔ میرے خیال میں تو اسے نہ کوئی عالم سمجھے گا اور نہ کہے گا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہر صاحب فن کی یہ حالت پس جب بغیر آثار کے خدا نہیں پہچانا جاسکتا۔

ہزاروں برس کسی امت میں رہ کر بغیر علم نبوت کے انہار کے نبی کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔

پاس بیٹھنے والا جمع بغیر انہار علم کے کسی کو عالم ماننے پر تیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو عالم کہنے والا بڑوں سمجھا جاتا ہے تو نہ معلوم نو سو برس کے بعد آنے والا شخص فائزانہ طور پر نہ شکل دیکھی نہ صورت نہ علم دیکھا نہ اثر کس عقل و فہم سے نظر ہوا قائم کر سکتا ہے کہ صرف مفسر نہیں بلکہ مشہور مفسر قرآن تھے؟ ہر عقل و دانش باہدیر گیت۔

پہلے مفسر کے متعلق فرماتے ہیں کہ مجھے بہت کم آثار مل سکے ہیں۔ جو دل سے زیادہ نہیں چلے۔ دل ہی سہی۔ گویا وہ دس نظموں کی تشریح ہوگی یا زیادہ سے زیادہ دس آیات کی تفسیر ہوگی۔ عروسیطی نے الاتقان میں باب عدد الآیات میں بتول ابن عباس کل آیات قرآنیہ کی تعداد چھ ہزار چھ سو سولہ بیان کی ہے اور اس سے کم و بیش کے اقوال اور بھی ہیں۔

اب جو مشہور مفسر قرآن کی علم تفسیر میں شہرت عامہ کے ساتھ ان کی طرف سے آثار منقولہ پر نگاہ دوڑائی تو تعجب ناک بلکہ انتہائی حیرتناک صورت حال سامنے آئی۔ خیال تھا کہ مشہور مفسر سے علوم قرآنیہ کے بہت بڑے ذخائر برآمد ہوں گے۔ لیکن جب کل قرآن کے مقابلہ میں ان کی علمی تحقیقات کو سامنے کیا تو ۶۶۱۶ آیات میں صرف دس آیتوں کے متعلق ہی ان کا علم ثابت ہوا۔

لہذا باقی ہر دو مشہور مفسرین کی علمی تحقیقات کے پیچھے پڑنے کی جرات نہ ہوئی اور ممکن ہے کہ ان کے اقوال کی تلاش بھی کی ہو لیکن پیٹے کی یہ نسبت یہاں طبیعت زیادہ سیر ہو گئی ہو۔ کیونکہ ان کے متعلق بھی اگر دس تک اقوال دستیاب ہو جاتے تو مقام فخر تھا۔ ذکر کرنے میں ہرگز نہل نہ کرتے۔ لہذا ان کی لفظی شہرت کے ڈسٹھورا پینے پر اکتفا کر لی اور آگے قدم رکھنا مناسب نہ سمجھا۔

میرے خیال میں تو یہ سب کمزوری ناتقان حدیث کی ہے کہ جب انہوں نے صحابہ کرام کے فضائل میں حدیثوں کے طومار لکھ دیئے اور یہ خیال تک نہ کیا کہ ہمارے یہ سب طومار بیکار ہیں۔ جب اصل ہی غیر ہے۔ مرید کہاں تک کسی کو اڑا بیٹھے جب پیر میں اڑنے کی صلاحیت ہی نہ ہو؟

کسی کو عالم کہنے سے وہ عالم نہیں بنا کرتا۔ اسی طرح اگر کوئی عالم ہو تو اس کو عالم نہ کہنے سے اس کا علم چلا نہیں جاتا۔ ایسے کسی کو بہادر کہنے سے وہ بہادر ہو نہیں جاتا۔ اور بہادر کو بہادر نہ کہنے سے اس کی بہادری ختم نہیں ہو جایا کرتی۔ اگر آپ کسی کو عالم کہیں گے تو ہم ضرور اس کے علمی آثار دیکھیں گے صرف آپ کا دعوائے شہرت بلا دلیل و حجت ہرگز قابل تسلیم نہیں ہوگا۔ اسی طرح آپ مشہور کر دیں کہ فلاں بہت بڑا بہادر تھا تو اس کی دعویٰ کی تصدیق کے لئے اس کے آثار شجاعت دیکھیں گے۔ بات اگرچہ موضوع سے خارج ہے لیکن عرض کر دوں کہ فتوحات اسلامیہ دلیل شجاعت نہیں۔ ان ادیل سیاست ضرور ہیں۔ فوج و لشکر بھیج کر کسی ملک کا فاتح بنا اور بات ہے اور سپاہی مرد میدان بن کر معرکہ کارزار پر چھا جانا اور شجاعانہ زمانہ و آزمودہ کاران حرب و ضرب کو تہ تیغ کر کے میدان جیتنا اور بات ہے اور یہ صرف حضرت

امیر المومنین علی بن ابی طالب ہی کا حصہ ہے۔ بس یوں کہئے کہ نام نام ہے اور کام کام ہے۔
موضوع زیر بحث میں سیوطی صرف بڑا نام سن کر اور بڑے چرچے اور ہاؤ ہو سے متاثر ہو کر ان کی شہرت علم تفسیر کا دعویٰ کر بیٹھا۔ لیکن جب مقام اثبات میں آیا تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ تسع بالمعیدی غیر من ان ترہ۔

بقول شاعر بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چہرہ تو اک قطرہ خون نکلا
اگر پورے قرآن مجید میں سے چھاس ساٹھ فیصدی علم تفسیر ثابت ہو جاتا۔ تو بہت غنیمت شمار ہوتا۔ لیکن یہاں تو دس فیصدی کیا۔ دس فی ہزار ایک فی صدی بھی نہیں۔ فرماتے ہیں پورے قرآن میں سے دس قول یعنی $\frac{10}{10000}$ گویا $\frac{1}{1000}$ فیصدی سے بھی کم اقوال مجھے دستیاب ہو چکے ہیں۔

حالانکہ جانٹین رسالہ $\frac{1}{1000}$ کے لئے قرآن کا سو فیصدی علم ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہرگز مندر رسالت پر قدم نہیں رکھ سکتا اور وہ سوائے علی بن ابی طالب کے صحابہ رسول میں ایک بھی ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت علی کے متعلق اسی بیان کی ابتداء میں اور گذشتہ متعدد مقامات پر جناب رسالت کی تصریحات سے قطع نظر۔ خود صحابہ کرام کے اعترافی الفاظ گذر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی انشاء اللہ بیان ہوں گے۔ ملاحظہ ہو ص ۸۲، ص ۱۵۲

صاحبِ اعلان نے اچھا کیا کہ باقی دو حضرات کی علمی تحقیقات کے پیچھے بڑھ کر وقت ضائع نہیں کیا اور صرف بنا بر شہرت کے ان کو مشہور مشہور کہہ دینے پر اکتفا کی۔ خواہ حد و تعصب اس امر کے اظہار کی اجازت دے یا نہ دے یہ اور بات ہے اپنے اندر یہ نظریہ ضرور قائم کر لیا ہوگا کہ سب شہداء لا اصل لہذا (بعض مشہور باتیں بے اصل ہو جایا کرتی ہیں) نیز ان سے آثارِ حدیث کے کم منقول ہونے کا بھی یہی عذر قرار دیا کہ تقدم وفات کی وجہ سے وہ حدیث بھی زیادہ نہ روایت کر سکے کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ کیا جنابِ فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ کو فدک یا وراثت سے محروم کرنے اور ان کو غضبناک کرنے کے لئے ہی صرف موت نے ان کو جہالت دی اور حدیث یاد آگئی (مخون معشورا لانبیاء لا نثبت ولا نثبت) یعنی ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہم ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث ہے اور اس کے بعد اڑھائی سال تک موت سے ہراساں رہے؟ وہ تو مسند رسالت پر قابض تھے ان کو بیان کرنے کا اب حق تھا۔ لوگ آتے ہوں گے۔ پوچھتے ہوں گے۔ اگر ہر نماز کے بعد ایک ایک مسئلہ بھی بیان کیا ہوتا تو مہبت کافی ہو جاتا۔ صرف حضرت طاہرہ کے رُلانے کا ہی ڈھنگ تھا اور بس؟ محققین کو بھی موقع مل گیا کہ تقدم وفات کی وجہ سے وہ بیان کچھ نہ کر سکے ورنہ علم میں کمی نہیں تھی۔ اور تعجب یہ کہ حضرت عمر سے تفسیر قرآن کم بیان ہونے کی وجہ بھی تقدم وفات ہی کو بیان کیا۔ حالانکہ وہ جناب رسالت کے بعد بارہ برس سے زیادہ زندہ رہے۔ اتنی لمبی پوری فتوحاتِ ملکیہ اور دیگر کارہائے حکومت جو نمایاں حیثیت کے حامل ہیں ان سب کا موقع ملا اور صرف تفسیر قرآن شریف کا موقع دستیاب نہ ہو سکا۔ موت نے جہالت نہ دی اگر زیادہ زندہ رہتے تو بیان کر جلتے۔ یہ معلوم رہے کہ اس زمانہ میں علم حدیث و تفسیر کتابوں میں نہیں تھا۔ تاکہ کہا جائے کہ ان کو مطالعہ کا وقت نہیں مل سکتا تھا۔ دورِ اول میں علوم شرعیہ فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ سب صحابہ کے سینوں میں تھا۔ بس جس جس کے سینہ میں کچھ تھا وہ ہی بیان کرتا تھا۔

بارہ تیرہ برس کے عرصہ میں تو کم از کم سب روزانہ بیان ہوا کرتا۔ تو پوری تفسیر قرآن پر عبور ہو سکتا تھا۔ چل پھر کر بیان کر سکتے تھے خطبہ جمعہ و عیدین میں بیان ہو سکتا تھا۔ ہر تقریر میں کچھ نہ کچھ بیان کیا جا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ میدان جنگ میں بھی بیان کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔ آخر مسائلِ جہاد کی ضرورت ہوگی۔ خود ہی انصاف فرمائیے کہ تقدم وفات صرف قرآن سے ہی ملنے تھا؛ حاف کہہ دیجئے کہ قرآن حفظ نہ تھا۔ تفسیر معلوم نہ تھی۔ بس سیاستِ ملکیہ میں خوب ماہر تھے۔

اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ حضرت عثمان کے متعلق بھی تقدم وفات کا عذر ہے۔ حالانکہ حضرت رسالت کے بعد پورے پچیس برس زندہ رہے۔ گویا اتنا طویل عرصہ تک قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق خاموش رہے اپنے دورِ خلافت میں صرف یہ کیا کہ کاتبوں سے متعدد نسخے لکھوا کر اطرافِ مملکت میں بھیج دیئے اور بس۔

سیدھی کو تقدم وفات کا عذر مبارک رسالت کے بعد کوئی شخص دو اڑھائی برس یا بارہ یا پچیس برس تک زندہ رہے چونکہ اس سے کوئی علمی بات منقول نہیں ہوئی۔ لہذا بہانہ سب میں یکساں پیش کر دیا۔ یہی خیال ہوگا کہ عوام

سُن کر خاموش ہو جائیں گے۔ باقی کون پوچھتا ہے؟ بس ضد ہے جس کو علیؑ کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا ہے۔ اب اسے عالم بھی ضرور کہتا ہے خواہ واقعات و حقائق اس کی تائید کریں یا نہ کریں۔

اب ڈر آئے علامہ سیرطی کی تاریخ الخلفاء میں تفسیر قرآن کے متعلق حضرت ابو بکر سے نقل شدہ اقوال کا ملاحظہ فرمائیے۔

ابو بکر سے مروی ہے کہ ابو بکر سے ایک آیت کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے کوئی زمین مبارک ہے گی اور کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا اگر میں اللہ کی کتاب میں وہ بات کر بیٹھوں جو خدا کی مراد کیخلاف ہو (یعنی مجھے اس کا معنی پوچھا گیا) حضرت ابو بکر سے خدا کے قول **وَإِنَّا كَائِدَةٌ وَآبَاءُ كَائِدَاتٍ** کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں کس آسمان کے سایہ میں اور کس زمین کے اوپر بسوں گا۔ اگر میں قرآن کا وہ معنی بتاؤں جو میں نہیں جانتا۔

ان سے کلام کا معنی پوچھا گیا تو کہا کہ میں اپنی رائے بیان کروں گا اگر درست ہو اور اللہ کی جانب سے (سمجھا) اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی جانب سے سمجھا، میری رائے میں تو اس کا معنی باپ اور بیٹے کے علاوہ جو رشتہ دار ہیں۔ ہے۔ پھر جب عمر خلیفہ ہوا تو اس نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ ابو بکر کے قول کی تردید کروں۔

حضرت ابو بکر نے خدا کے فرمان (احسان کرنے والوں کے لئے بدلہ میں احسان اور زیادتی ہوگی) کے متعلق فرمایا کہ زیادتی سے مراد خدا کے چہرہ کی طرف منظر کرنا ہے

(۵) حضرت ابو بکر نے بعض صحابہ سے آیت **الَّذِينَ قَالَُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا** - **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ**۔ ان ہر دو آیتوں کا معنی دریافت فرمایا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دین پر مضبوط ہو گئے اور کوئی گناہ نہ کیا اور اپنے ایمان کو خطا کاری سے بچا لیا۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ تم نے بے جا کہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ رب ہمارا اللہ ہے اور اس پر مضبوط ہو گئے اور اس کے بعد کسی اور خدا کی عبادت کی طرف نہ جھکے اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کی ملامت نہ کریں۔

مے پہلے دو ترجموں کے جواب میں بہت غماز ہے اور تفسیر بالرائے سے گریز کرتے رہے۔ لیکن اب دیکھا کہ اگر تفسیر بالرائے نہ کروں تو اور ہیں۔

اور ایک دوسرے نہیں بلکہ نئے نئے مسائل وارد ہوں گے پس دل میں نشان لی کہ آئے یا نہ آئے کہا ضرور ہے۔ (منہ)

لے خدا فرماتا ہے **لَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ مَا كَفَرُوا بِهِمْ** اور **لَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ مَا كَفَرُوا بِهِمْ** کا اور اک کر ہی نہیں سکتی وہ سب کا اور اک کر سکتا ہے۔ اب

وہا علیہ صاحب کے معنی کو اس آیت سے مطابق کیجئے۔ (منہ)

(۱۹) ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت کا ترجمہ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ جنہوں نے کلمہ (سُبْحَانَ اللَّهِ) کہا اور مرتے دم تک اس پر ثابت رہے وہ ہی مستقیم ہیں۔

یہ ہیں سب وہ اقوال جن کے متعلق علامہ سیوطی نے الاتقان میں کہا تھا کہ حضرت ابو بکر سے تفسیر قرآن کے متعلق بہت کم آثار وارد ہیں جو دوس سے زیادہ نہیں۔ اقوال کلیہ چھ ہیں۔ اب دس سے کم کہتے ہوئے ذرا شرم محسوس ہوئی کہ ادھر دعویٰ مشہور منتشر کا اور ادھر اقوال کل دس سے بھی کم۔ لہذا دس سے کم کہنا بارگاہِ خلافت میں توہین کا موجب سمجھا اور عوام کے اغرابا پھیل میں اور دس تک کے اشتباہ میں شاید خلافتِ مآب کی عزت افزائی سمجھی غیر! کل چار کا فرق ہے اتنی بڑی بات نہیں اب ذرا ان چھ اقوال کا تجزیہ کیجئے (۱) پہلے قول میں تو قصہ بالکل صاف ہے آیت کا معنی دریافت کیا گیا تو جواب دیا

کہ میں کیسے ایسی بات کہوں کہ مبادا منشاء خدا کے خلاف ہو اور اس صورت میں زمین و آسمان کے درمیان میں رہنے کے قابل نہ رہتا (۲) دوسرا قول فَالْكَهْفُ وَالْآبَاءُ کا معنی دریافت کیا گیا تو مثل سابق جواب دیا ان دونوں کا مطلب اپنی لاعلمی کے اظہار کے برابر کچھ بھی نہیں ہے حالانکہ ہر عربی دان اس کا معنی کتب لغت کی درج گردانی کئے بغیر سمجھ سکتا ہے کیونکہ اس کے فوراً بعد ہے (مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ) یعنی خاکہ اور اب تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کی منفعت کے لئے ہیں لطف و نشتر مرتب کے دستور کے مطابق ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ فاکہہ (میوہ) کا تعلق انسان سے ہے اور اب کا تعلق چوپائے سے ہے تو اس سے مراد یقیناً گھاس ہی ہوگا۔

(۳) تیسرا قول کلامہ کے معنی میں تفسیر بالرائے سے کام لے کر جرأت کا اظہار کیا۔ پہلے دونوں کے جواب میں اپنی لاعلمی کو سکوت کے لباس میں ملبوس رکھا۔ لیکن اس مقام پر زمین و آسمان کے درمیان بسنے کے قابل نہ رہنے کے خطرہ کو خدا معلوم کیوں دور کر دیا۔ حالانکہ صورت حال پہلے جیسی ہے اور وہی لاعلمی کا اظہار اس جرأت سے بدرجہا بہتر تھا فرماتے ہیں۔ مجھے آٹا بھی نہیں اور کتا بھی ضرور ہوں لیکن میری رائے اگر درست تو اللہ سے اور غلط تو مجھ سے اور شیطان سے۔ کلامہ کا معنی مَسَاخَدًا الْوَالِدَ وَالْوَالِدَاتِ کے علاوہ باقی رشتہ دار) اب اہل علم معنی کرنے والے کی علمی قابلیت کا خود اندازہ فرما لیں کیونکہ معنی بیان کرنے والا مشہور مفسر قرآن بھی ہے اور لوگ اس کو تاجدار رسالت کا ہانہ شہرہ بھی مانتے ہیں اور خود ان کو قرآن کے لفظی ترجمہ میں دقت ہو رہی ہے اور طرہ یہ کہ اس کے بعد ہونے والے خلیفہ حضرت عمر نے باوجودیکہ ان کی غلطی کو محسوس کر لیا۔ تاہم اس غلطی کا ازالہ کرنا خلیفہ اقل کی توہین سمجھا دفرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ حضرت ابو بکر کے قول کی تردید کروں) اب اندازہ فرمائیے کہ قرآن کی توہین ہو اس کی پروا نہیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ حضرت ابو بکر کو کوئی جاہل سمجھ بیٹھے (مَا شَأْنُكَ بَشَرِي اَحْتِيَاطًا مِنْكُمْ)

خلاصہ یہ ہوا کہ کل پانچ آیتوں میں سے تین آیتوں کے معنی نہ آئے۔ پہلے دو کے متعلق خوفِ خدا سے لاعلمی کا اظہار کر کے متقی بن بیٹھے۔ اور تیسری آیت میں اپنی جرأت کا مظاہرہ فرمایا اور لاعلمی کا اعتراف کرنے کے باوجود معنی کیا۔ باقی رہ گئیں

دو آیتیں ایک کا ایک معنی اور دوسری کے متعلق ان سے دو معنی نقل کئے گئے۔

یہ ہے مفسر قرآن خلیفہ رسولؐ کی ساری کی ساری قرآن وانی اور علیؑ پونجی۔ اور یہ ہیں باقی دونوں میں سے زیادہ علم اور مسند رسالت کے پہلے مقدار۔

اب سیوطی بیچارہ ہمیں گیا۔ ان کو عالم کہتا ہے تو حقیقت اس کے خلاف ہے اور واقعات مچھلتے ہیں اور اگرچہ اب کتاب ہے تو خلافت کی ناؤں میں آتی ہے۔ جو شخص تفسیر و تاویل تو درکنار صرف تحت اللفظی ترجمہ نہ کر سکتا ہو اس کے متعلق مشہور مفسر قرآن ہونے کا دھندورا پیٹنے کے بعد تقدم و فات کا عذر نہ کرنا تو اور بیچارہ ہی کیا تھا؟

چھ ہزار چھ سو سورہ آیات بقول ابن عباس میں سے صرف تین آیات کا تحت اللفظی ترجمہ اور مفسر قرآن مشہور العجب الاتقان کے اشتباہی الفاظ سے تو یہ اندازہ کر لیا گیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ ان کو پڑھنے والی قرآن کا علم تھا۔ لیکن تاریخ الخلفاء کے تفصیلی بیان سے معلوم ہوا کہ ۳۹۱ھ یعنی اسی قرآن کا پڑھنے والی قرآن کا علم ان کو تھا۔ یعنی ہم تک ان کا علم اس سے زیادہ نہیں پہنچ سکا۔

مسند خلافت کیسے ایسے ہی علمائے قرآن کا انتخاب شان شان تھا کیونکہ علیؑ کو تو پیچھے بٹانا ہی ہے نہ وہ قیام جو بھی ہو، اپنا اعتراف حضرت ابراہیمؑ کے متعلق جو نظریہ قائم فرماتے ہیں۔ کتاب الامامة والسياسة میں اہل سنت کے علامہ ابن قتیبہ دینوری تحریر فرماتے ہیں۔

قال في خطبة اعلما ايها الناس اني لعاجل لهذا المكان ان اكون خيركم ولو حدثت ان بعضكم كفانيه ولكن اخذت عني بما كان الله يقيم به رسوله من الوحي ما كان ذلك عمدا وما اننا الا كاحله فاذا رايتوني فتد استقمتم فاتبعوني وان زغت فقوموني واعلموا ان لي شيطانا يعترضيني

اے اے لوگو! میں نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ لوگو! جان لو کہ میں اس خلافت کے مقام کے لئے اس لئے منتخب نہیں ہوا ہوں کہ میں تم سے بہتر ہوں۔ میں تو جانتا ہوں کہ تم میں سے کوئی آدمی یہ کام نہ سجالے اور اگر تم مجھ سے وہ کام چاہو جس کے لئے خدا نے اپنے رسولؐ کو بذریعہ وحی کھڑا کیا تھا تو میرے پاس وہ بات نہیں ہے میں تو تم ہی جیسا آدمی ہوں۔ پس جب مجھے شکیں چلتا ہوا دیکھو تو میرے پیچھے چلو اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے بدھا کر لیا کرو اور یقین چنانچہ کہ میرے لئے ایک شیطان ہے جو مجھ پر ناب آجاتا ہے۔

گذشتہ تاریخ الخلفاء کے حوالہ میں کلام کی تفسیر کرتے ہوئے بھی آپ نے یہی فرمایا تھا کہ اگر غلط مطلب بیان کروں تو سمجھ

لے اس کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کا اپنے متعلق نظریہ صحت صحت پر ملاحظہ فرمائیے اور جناب رسالت کی فرمائش سے تطبیق کیجئے۔ یعنی مجھ سے احکام شریعت کی تبلیغ اور مقاصد رسالت کی ترویج جس طرح کہ جناب رسالت آگے فرماتے تھے، کی امید نہ رکھنا۔ میں خود تم جیسا ایک بے علم آدمی ہوں۔ اگر دیکھو شکیں چل رہی ہوں تو نہ پورا نہ مجھے تم خود شکیں کر لینا (منہ)

لینا کہ میری اور شیطان کی مشترکہ رائے سے ہے۔

حضرت ابوبکر خود ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس خلافت کا اہل نہیں ہوں اور نہ مجھ سے اس بات کی توقع رکھو۔ جس کے لئے خدا نے رسولؐ کو بھیجا تھا۔ غلط کرنے یا درست کرنے میں یا شیطان کے پھندے میں آجانے کے اعتبار سے میں تم جیسا ایک انسان ہوں۔

مدعی سست اور گواہ چست

اب ذرا چشم انصاف سے حضرت علیؑ کے کلمات کا مطالعہ کیجئے۔ اور

حضرت علیؑ کا مقام

المن تقسیر وینوری کی زبانی سنئے (الامامہ والسیاستہ)

پھر حضرت علیؑ کو م اللہ جہنہ کو حضرت ابوبکر کے پاس لایا گیا تو آپ کی زبان سے یہ لفظ جاری تھے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں پس آپ سے ابوبکر کی بیعت کے لئے کہا گیا۔ تو فرمایا میں تم سے خلافت کا زیادہ حقدار ہوں۔ لہذا تمہیں میری بیعت کرنا چاہیئے۔ میں تمہاری بیعت نہیں کرتا۔ تم نے جناب رسالتؐ کی قرابت کو پیش کر کے انصار سے امر خلافت لیا ہے اور ہم ایبیت سے اب خود غضب کر کے لے رہے ہو۔ (قرابت دار تو ہم تم سے زیادہ ہیں)

کیا تم نے انصار کو یہی نہیں کہا کہ چونکہ جناب رسالتؐ ہم میں سے تھے لہذا اس امر خلافت کے ہم ہی حقدار ہیں۔ پس انصار نے تمہاری اطاعت کرنی اور تمہیں حکومت دیدی۔ میں بعینہ ذہنی دلیل تمہارے

اد پر پیش کرتا ہوں جو تم نے انصار پر پیش کی تھی ہم جناب رسالتؐ کے زیادہ قریبی ہیں۔ زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی پس اگر تم میں ایمان ہے تو ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ ورنہ

دیدہ دان تہ ظالم بنے رہو۔ عمر نے کہا تمہیں چھوڑنا نہیں جائے گا۔ جب تک بیعت نہ کرو گے۔ پس حضرت علیؑ نے فرمایا تو یہ دودھ دودھ لے کیونکہ تیرا اس میں حصہ ہے۔ آج اس کے معاملہ کو مضبوط کرنے کیونکہ

کل وہ اس کو تیری طرف پٹا دے گا۔ پھر فرمایا خدا کی قسم لے عمر میں تیری بات نہ مانوں گا اور اس کی بیعت نہ کروں گا۔ پس ابوبکر نے کہا کہ اگر تم بیعت نہیں کرتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا میں

ثم ان علیا کوم اللہ وجہہ اقی بہ الی ابی بکر وهو یقول۔ انا عبد اللہ و اخی و سولہ فقیل لہ یا یح ابابکر فقال انا احق بهذا الامر منکم لا ابا یحکم اخذتم هذا الامر من الانصار واحتجتم علیہم بالقراۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم و تاخذونہ منا اهل البیت غضبا

الستمر زعتم للانصار انکم اولی بهذا الامر منکم لما کان محمد منکم فاعطوکم المقادۃ و سلوا الیکم الامارۃ و انا احتج علیکم ببثل ما احتجتم بہ علی الانصار نحن اولی برسول اللہ حیا و میتا فانصفونا ان کنتم تؤمنون و الا فبؤا بظلمہ و انتم تعلمون فقال لہ عمر انک لست متروکا حتی تبایع فقال لہ علی اطلب طلبا لک شطرا و اشد لہ الیوم امرہ یردہ علیک عندا ثم قال۔ واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابا یحما فقال لہ ابوبکر فان لم تبایع فلا اکوہک فقال ابو عبیدۃ بن جراح لعلی کوم اللہ وجہہ یا بن عمر

انك حديث السن وهو لاء مشيخة قومك
ليس لك مثل تجربتهم ومعرفةتهم بالامور
ولا امرئ ابابك الا اقوى على هذا الامر
منك واشد احتمالاً واضطراباً به فسلم
لابي بكر هذا الامر فانك ان تعش ويطل
بك بقاء فانك لهذا الامر خليف وبعدهم
في فضلك ودينك وعلمك وفهمك و
سابقك ونسبك وصهرك فقال علي
كرم الله وجهه - الله الله يا معشر المهاجرين
لا تخرجوا سلطان محمد في العرب عن
داره وقعر بيته الى دوركم وقعود بيوتكم
ولا تدفعوا اهل عن مقامه في الناس
وحقه فوالله يا معشر المهاجرين لنحن
احق الناس به لانا اهل البيت ونحن
احق بهذا الامر منكم ما كان فينا القارئ
لكتاب الله - الفقيه في دين الله - العالم
بسان رسول الله - المصطلع بالامر الراعية
الدافع عنهم الامور السيئة - القاسم
بينهم بالسوية والله انه لفينا فلا تتبعوا
الهموي فتضلوا عن سبيل الله فتزادوا من
الحق بعدا - فقال بشير بن سعد الانصاري
لو كان هذا الكلام سمعته الانصار منك
يا علي قبل بيعته لابي بكر ما اختلف عليك
اشان قال او خرج علي كرم الله وجهه يجعل
فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم

ابو عبیدہ بن جراح نے حضرت علیؑ کو کہا اے چچا کے بیٹے تم
نوجوان آدمی ہو اور یہ لوگ تیری قوم کے عمر رسیدہ ہیں۔ تیرے
پاس ان جیسا تجربہ اور معاملہ فہمی نہیں ہے اور میں ابوبکر کو اس
معاملہ میں تجھ سے زیادہ مضبوط اور صاحب برداشت اور حوصلہ مند
سمجھتا ہوں۔ پس اس معاملہ (خلافت) کو ابوبکر کے لئے چھوڑ دو پس
اگر تم زندہ رہے اور تمہاری حیاتی طویل ہوئی۔ تو تم اس (خلافت) کے
بوجہ فضل، دین، علم و فہم، سبقت الی الاسلام۔ قرابت داری
اور دامادی رسول کے سزاوار اور حقدار ہو۔ پس حضرت علیؑ نے
فرمایا۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اے گروہ مہاجرین حضرت
محمد مصطفیٰ کی حکومت کو عرب میں اس کے گھر اور مکان سے
نکال کر اپنے گھروں اور مکانوں کی طرف نہ لے جاؤ اور اس کے
اہل بیت کو اس کے مقام اور حق سے نہ ہٹاؤ۔ جو لوگوں میں معلوم
پس خدا کی قسم اے گروہ مہاجرین۔ بہ نسبت اور لوگوں کے ہم رسالت
کے زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ ہم اہل بیت ہیں اور ہم ہی اس امر (خلافت)
کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ ہمیشہ ہم میں قاری سرکن اللہ کے دین
کا فقیہ جناب رسالت کی سنتوں کا عالم، امور رعایا میں واقف کار
ان سے آمد مصائب کے دفع کرنے والا موجود ہے۔ اللہ کی قسم
وہ صرف ہم میں ہی ہے۔ پس خواہشات کے پیچھے نہ جاؤ۔ ورنہ اللہ
کے رستے سے گمراہ ہو جاؤ گے اور حق سے دور تر ہوتے جاؤ گے
پس بشیر بن سعد انصاری نے کہا کہ یا علیؑ اگر آپ کا یہ کلام انصار نے
ابوبکر کی بیعت کرنے سے پہلے سُن لیا ہوتا تو تیرے خلاف دو آدمیوں
کی آواز بھی نہ اٹھتی کہتا ہے (اس کے بعد) حضرت علیؑ
كرم الله وجهه چلے گئے اور ہر رات حضرت فاطمہ بنت
رسول اللہ کو سواری پر بٹھا کر انصار کے گھروں میں جا کر (اتھبانا)
ان سے اپنے حق کی نصرت کا سوال کرتے۔ وہ بی بیؑ کو یہ جواب

لے حضرت ابوبکر کے سابق امتزات اور ان کے وکیل ابو عبیدہ بن جراح کے بیان میں ٹھنڈے دل سے مطابقت پیدا کیجئے وہی بات ہی ہے۔ مدعی سست اور گواہ چست۔ و سہ

عَلِيٌّ دَابَّةٌ لَيْلًا فِي مَجَالِسِ الْأَنْصَارِ تَسْتَأْذِنُهُمُ
 الْمَنْصُورَةَ، فَكَانُوا يَقُولُونَ يَا بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ قَدْ
 مَضَتْ بَعِثْنَا هَذَا الرَّجُلَ وَلَوْ أَنَّ زَوْجَكَ وَابْنُ
 عَمَّتِكَ سَبَقُوا النَّبِيَّ قَبْلَ أَبِي بَكْرٍ مَا عَدَلْنَا بِهِ فَيَقُولُ
 عَلِيُّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ أَفَلَنْتَ أَرَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهِ لَمْ أَدْفَنْهُ وَأَخْرَجَ أَنَا زَع
 النَّاسِ سُلْطَانَهُ؟ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ: مَا ضَعَّ أَبُو الْحَسَنِ
 الْأَمَّاكَانَ يَنْبَغِي لَكَ وَلَقَدْ ضَعَّوْا مَا اللَّهُ حَسْبِهِمْ
 وَطَالِبِهِمْ (الْإِمَامَةُ وَالسِّيَاسَةُ الْحِزْبِ الْأَوَّلِ مَطْبُوعَةٌ مَطْرُوقَةٌ)

دیتے تھے کہ سے بنت رسول اب تو ہم اس شخص (ابوبکر) کی
 بیعت کر چکے ہیں۔ اگر تیرا شوہر و چچا زاد (علی) ہمارے پاس
 ابوبکر سے پہلے پہنچ جاتا تو ہم اس سے ردگردانی نہ
 کرتے۔ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ
 کیا میں جناب رسالت (کی میت) کو ان کے گھر میں بغیر
 دفن کئے چھوڑ آتا اور لوگوں کے ساتھ حکومت (خلافت) کا
 جھگڑا کرتا؟ پس حضرت فاطمہ فرماتی تھیں کہ جو کچھ ابوالحسن
 (علی) نے کیا ہے انہیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا اور البتہ ان لوگوں
 نے جو کچھ کیا خدا ان سے حساب لے گا اور مطالبہ کرے گا۔

اب حضرت ابوبکر کے کلام اور حضرت علی کے کلام کا موازنہ کیجئے۔

موازنہ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں اس مقام خلافت پر میں اس لئے نہیں لایا گیا کہ تم سے بہتر ہوں۔
 حضرت علی فرماتے ہیں۔ كُنْتُ أَحَقُّ بِهَذَا الْأَمْرِ مِنْكُمْ اس امر خلافت کے تم سب سے زیادہ حقدار میں۔ اور تم

خاص ہو۔
 حضرت ابوبکر میں تم جیسا عام انسان ہوں اگر مجھ سے مجھوں ہوک ہو جائے تو مجھے سیدھا کر دینا (میری رہبری کرنا)
 حضرت علی ہم اہل بیت رسول، قرآن کے قاری ہم۔ دین خدا کے فقیہ ہم اور سنت رسول کے عالم ہم ہیں۔
 حضرت ابوبکر انہی شیطانا بعت دینی میرے ساتھ ایک شیطان، جو مجھے راہ حق سے بھٹکاتا ہے (مجھ پر اس کا غلبہ ہے)
 حضرت علی۔ ہمارا ساتھ چھوڑنے سے گمراہی ہوگی اور راہ حق سے دوری نصیب ہوگی۔

حضرت ابوبکر قرآن کے علم میں سے پہ فیصدی ترجمہ ہم جانتے ہیں (جہاں تک سیریلی کی دسترس ہے) اور دو اہل بیتوں کے
 متعلق تو انہوں نے خود کبھی صاف کہہ دیا اگر میں اپنی طرف سے کوئی بات کہہ دوں تو ممکن ہے منشا ازیدی کے
 خلاف ہو اور زمین اور آسمان کے درمیان بسنے کے قابل نہ ہوں اور ایک آیت کا ترجمہ اپنی رائے سے کیا بھی تو
 حضرت عمر نے غلطی کا اس میں احساس کیا۔ گو تو بہن سمجھتے ہوئے تردید نہ کر سکے۔

حضرت علی تمام علم قرآن کو جانتے ہیں۔ چنانچہ اس فصل کے تہبیدی بیان ص ۱۵ پر ملاحظہ ہو۔ نیز فرمان رسول علی مع
 الْقُرْآنِ وَالْفُرْقَانِ مَعَ عَلِيٍّ مَث ۱۱۵ پر ملاحظہ ہو۔ اِنِّي تَابِعْتُكَ فِي كُمْرِ الثَّقَلَيْنِ حدیث نبوی پوری تفصیل سے گذر
 چکی ہے علی و عمار علی۔ علی میرے علم کا ظرف ہے کفایت الکسبی و شمس الاخبار سے پیش کی جا چکی ہے۔
 اِنَّمَا دِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا حدیث مشہور ص ۸۲ و ص ۱۱۴ پر ملاحظہ ہو۔

حضرت ابو بکر۔ بقول ابو عبیدہ بن الجراح صرف سن رسیدگی کی وجہ سے خلیفہ بنایا گیا۔ اس کے علاوہ کسی ملکہ فاضلہ میں اس کو امتیاز تھا
حضرت علیؑ۔ بقول ابو عبیدہ بن الجراح فضل، علم، فہم، دین قرابت رسولؐ، سبقت فی الاسلام اور دامادی پنجم سب کمالات
سے ممتاز تھے۔ نوجوان کہہ کر ان کو ہٹا دیا گیا اور حضرت علیؑ کے فرمان کے مطابق صرف خواہشات نفسانیہ کی وجہ
سے ان کو پیچھے کیا گیا۔

حضرت ابو بکر۔ ابن قتیبہ کی آخری عبارت کے پیش نظر جناب رسالتؐ کے کفن و دفن میں شریک نہ ہونے اور جلدی سے
خلافت کے معاملہ میں پڑ گئے، ورنہ جس طرح بشیر بن سعد انصاری کی بات سے معلوم ہوتا ہے اگر رسولؐ کے دفن
و کفن میں شرکت کرتے اور حضرت علیؑ کا احتجاج پہلے پیش ہو جاتا تو یقیناً خلافت ان کو نصیب نہ ہو سکتی۔
حضرت علیؑ۔ بمطابق قول ابن قتیبہ جناب رسالتؐ کی تجہیز و تکفین و تدفین میں مصروف رہے اور ان کی جنازہ نماز کو اللہ کے
سپرد کر دیا اور بعد میں بطور اتمام حجت ان پر احتجاج فرماتے رہے۔

حضرت علیؑ کی ہجرت ابو بکر اور حضرت عمر اور ابو عبیدہ بن جراح کے ساتھ باہمی گفتگو سے انعقاد خلافت کی صورت حال
بھی معلوم ہو گئی۔ جب عمر نے حضرت علیؑ جیسی شخصیت سے ان الفاظ میں بیعت کا مطالبہ کیا انک لست منذ و کاحتی تبایع
آپ کو چھوڑا نہ جائے گا۔ جب تک بیعت نہ کرو گے اور صراحتاً پر ہے فقال ان انالہ افعل فمہ ہ حضرت علیؑ نے فرمایا۔
اگر میں بیعت نہ کروں تو تم کیا کرو گے (قالوا اذا والله الذی لا الہ الا هو نضوب عنقک) انہوں نے کہا خدا کے دعوے
لا شریک کی قسم تم کو قتل کر دیں گے۔ خیر یہ تو حضرت علیؑ ہی تھے کہ فرمادیا والله یا بعد لا اقبل قولک ولا ابا بعد ا سے عمر
تیری یہ بات نہ مانوں گا اور بیعت نہ کروں گا۔ اسلامی جمہوری راج اسی دھکم دھکا کا نام ہے۔
حضرت علیؑ کے علاوہ باقی لوگوں سے جو انداز مبرتا گیا ہوگا۔ وہ صاف ظاہر ہے۔

نیز انصار سے جس اشتباہ کے ماتحت بیعت لی گئی۔ وہ حضرت علیؑ کے سابق بیان اور بشیر بن سعد انصاری کے
کلام سے صاف واضح ہے اس سے اگلی فصل میں انشاء اللہ اس پر قدرے مزید عرض کروں گا۔

عقیدت مند تو کہنے کو تیار ہو جائیں گے کہ حضرت ابو بکر نے اپنے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا۔ وہ سب کفری
اور انکساری پر مبنی ہے کیونکہ اپنی غرض اعتقادی سے ان کو عالم کہہ جو دیا ہے تو اب ان کو عالم ماننا ہے (نخواہ وہ عالم ہو
یا نہ ہوں) پیراں نے پرند مریاں سے پرانند) پیر نہیں اڑتے مرید زوری ان کو اڑاتے ہیں۔ وہ اپنے متعلق جن خیالات کا
اظہار فرما رہے تھے وہ یقیناً مبنی بر صداقت ہے۔ انہیں اپنی علمی بے مائیگی کا احساس تھا اور یہی وجہ ہے کہ مرنے سے
پہلے بھی انہوں نے اس بات کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ چنانچہ الامامہ والسیاستہ ص ۱۵ پر ملاحظہ ہو۔ مرنے سے
قبل فرماتے ہیں۔

والله ما اسی الا علی ثلاث فعلتھن یعنی کنت
خدا کی قسم مجھے تین کاموں کے کرنے پر افسوس ہے۔ کاش نہ کئے ہوتے

اور تین کاموں کے نہ کرنے کا افسوس ہے۔ کاش وہ کئے ہوتے۔
 اور تین کاموں کے متعلق کاش جناب رسولؐ سے پوچھ لیا ہوتا پس
 وہ تین کام ہو گئے اور کاش نہ کئے ہوتے، کاش! علیؑ کے گھر کی
 بے ادبی نہ کی ہوتی اگرچہ وہ کھلم کھلا میرے خلاف ہی تھے، کاش!
 سقیفہ بنی ساعدہ کے دن میں نے ابو عبیدہ یا عمرؓ میں سے ایک کی بیعت
 کر لی ہوتی پس وہ امیر ہوتا اور میں اس کا وزیر ہوتا۔ اس کے بعد
 بیان کو جاری رکھتے ہوئے آخری تین چیزوں کے متعلق فرمایا
 کاش! میں نے دریافت کیا ہوتا کہ ان کے بعد خلافت کا کون
 سقندر ہے؟ تاکہ کوئی جھگڑا نہ کرتا۔ کاش پوچھا ہوتا کہ آیا انصار
 کا بھی اس میں حق ہے؟ اور کاش مجتہبی اور مجھو بھی کی میراث
 کے بارے میں بھی دریافت کر لیا ہوتا۔ کیونکہ میرے دل میں اس
 مسئلہ کے متعلق کچھ شک سا ہے۔

ترکتھن وثلث ترکتھن لیتنی فعلتھن وثلث
 لیتنی سألت رسول الله منهن فاما التي فعلتھن
 وليتني لعا فعلهن فليتني تركت بيت علي
 وان كان اعلن علي بالحرب وليتني يوم
 سقيفة بنى ساعدة كنت ضربت علي
 سيدا عبد الزجلين ابى عبيدة او عمر فكات
 هو الامير وكنت انا الوزير والى ان قال
 فليتني سألتك لمن هذا الامر من بعد؟
 فلا ينازع فيه احد وليتني كنت سألتك
 هل للانصار فيها حق؟ وليتني كنت سألتك
 عن ميراث بنت الامم والعممة فان في
 نفسي من ذلك شيئا۔

- ۱۔ اس تقریر میں انہوں نے متعدد امور پر اظہار افسوس کیا۔ جس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔
- ۱۔ بیعت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے علیؑ کے گھر کی بے ادبی کی۔ چنانچہ اگلے بیان میں قدرے تفصیل آجائے گی۔
- ۲۔ حضرت علیؑ سے اچھی خاصی کشیدگی رہی (اعلن علی الحرب) کا صاف یہی مطلب ہے۔
- ۳۔ اپنے آپ کو خلافت کے لئے ناموزوں قرار دینے کے باوجود اڑھائی سال تک ڈٹے رہنے پر افسوس کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کاش! اس دن عمر یا ابو عبیدہ میں سے کسی کی بیعت کر لی ہوتی اور خود اس مسند پر نہ بیٹھتا۔
- ۴۔ دل میں یقین تھا کہ میرا خلیفہ ہونا مرضی رسولؐ کے خلاف تھا۔ لہذا اب افسوس کر رہے ہیں کہ کاش! دریافت کر لیا ہوتا۔
- ۵۔ انصار کی حق تلفی کا احساس رہا اگر اپنی خلافت کے بڑھتے ہوئے کا یقین ہوتا تو انصار کی حق تلفی کا احساس فضول تھا۔
- ۶۔ مسائل میراث میں لاعلمی کا اظہار، البتہ مسائل میراث میں سے حق فائل کو ضبط کرنے کے لئے ایک فرضی حدیث نبویوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا بنالی۔ جو کہ صریح حکم قرآنی کے خلاف تھی اس کے علاوہ باقی میراث کے مسائل سے بے خبر تھے حتیٰ کہ کلالہ کے لفظی معنی بھی ان کو تو نہ آتے تھے۔ (جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے۔

اب ذرا پیر و مرید کے منظر یا تباہی اختلاف کا جائزہ لیجئے :-

- ۱۔ پیر کہتا ہے مسائل میراث میں بالکل بے نمبر ہوں۔ حتیٰ کہ بعض الفاظ کے معانی بھی نہیں جانتا۔ لیکن مرید کہتا ہے

لہ اگلے بیان میں اس کے متعلق ۱۶۶ پر بیان ہوگا۔ (منہ)

نہیں جی وہ تو بڑے عالم تھے۔

۲۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآنی آیات کے معانی معلوم نہیں اگر اپنی طرف سے تفسیر بالرائے کر بھی دوں اور منشاءے ایزدی کے خلاف ہو تو سمجھ لینا کہ وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور یہ کہتے ہیں نہیں جی وہ مشہور مفسر قرآن تھے۔

۳۔ وہ کہتے ہیں میں خلافت کے اہل نہیں ہوں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ وہ سجا طور پر خلیفہ رسول تھے۔

۴۔ وہ کہتے ہیں میرے ساتھ ایک شیطان ہے جو مجھے راہ حق سے مہلکا تارہتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ نہیں وہ تو بڑے نیک تھے

۵۔ وہ کہتے ہیں ہماری علی سے دشمنی رہی اور ان کے گھر کی بے ادبی بھی ہم نے کی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ وہ تو آپس میں شیر و شکر تھے

یاد کرو جب برأت اور بیزاری کریں گے وہ لوگ جن کی (دماغ) اتباع

کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے ان کی (دماغ) اتباع کی۔ اور عذاب کو

دیکھ لیں گے اور ان کے باہمی تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے

دنیا میں ان کی اتباع کی تھی وہ کہیں گے کہ اے کاش! ہمارے لئے ایک دفعہ

دنیا میں دوبارہ پلٹنا ہوتا تو ہم ان سے ایسے بیزار ہوتے جس طرح کہ وہ اب ہم

سے بے زار ہو چکے ہیں اسی طرح دغلام ان کو اپنے اعمال دکھائے گا ہوان

کے لئے باعث نصرت ہوں گے اور وہ دوزخ سے نہ نکلنے پائیں گے۔

إِذْ تَبَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا آلَ

وَالْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ. وَقَالَ

الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَوْفَةٌ فَنَقَّبُوا مِنَّمْ

كَمَا تَبَّأُوا مَتَا كَذَلِكَ يُبْدِيهِمْ أَعْمَالَهُمْ

حَسْرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ

مِنَ النَّارِ ۝ پارہ ۲ قرآن مجید

صراطِ تقسیم کی تلاش

ادھر ادھر دور رہانے کی ضرورت نہیں اور نہ اندھی تقلید فائدہ مند ہے۔ تعصب اور جنبہ داری کے منظر یہ سے بالاتر

ہو کر ارشاد خداوندی پر نظر ڈالئے فرماتا ہے۔ اِذْ تَنَادَعْتُمْ فِي نَشِيحٍ فَكُرِّدُوهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ ۝ جب تم کسی چیز میں

نزاع کرو تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول پر چھوڑ دو۔

اب ذرا جناب رسالتا کی تصریحات کی طرف رجوع فرمائیے۔

۱۔ حدیث متواترہ۔ اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمْ النِّقْلَیْنِ کِتَابِ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلِ بَيْتِیْ (الحدیث) میں تم میں گرانقدر چیزیں

چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن اور دوسرے میرے اہل بیت یہ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے

پاس جو حق کو شکر پر لکھے وارد ہوں گے۔ اہل بیت کی تعیین کے متعلق صحیح ترمذی میں باب مناقب اہل بیت میں وارد ہے۔

عن عمر بن ابی سلمة: نزلت آية تطهير في بيت ام سلمة فدا النبي فاطمة وحسنا و

عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ آیت تطہیر حضرت ام سلمہ کے گھر آئی پس جناب رسالتا نے فاطمہ، حسنی اور

سے متعدد طرق سے تقمین کے عنوان میں بیان کی جا چکی ہے۔ (مسنہ)

حسینا و علی خلف ظہرہ فجعلہم یکساء
ثم قال اللہم ہولاء اہلبیتی فاذهب عنہم
الرجس و طہرہم تطہیرا قالت ام سلمة
وانامعہم یا رسول اللہ قال انت الی
مکانک وانت الی خیر

۱، انا علم اُمّتی ومن بعدتی علی بن ابی طالب
۲، علی و عآء علی
۳، علی حازن علی
۴، علی باب علی
۵، انا مدینة العلم و علی بابہا

حسین کو بظاہر حضرت علی ان کے پس پشت بیٹھے تھے۔ پس ان سب
کو چادر اڑھا دی۔ اور دُعا کی کہ اے میرے اللہ یہ میرے اہلبیت
ہیں۔ ان سے جس کو دُور رکھ اور ان کو پاک رکھ جس طرح سخی
پاکیزگی ہے۔ اتم سلمہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں بھی ان کے
ساتھ ہوں تو آپ نے فرمایا تو اپنے مکان پر رہ تو نیکی پر ہے۔

میرے بعد میری امت کا بڑا عالم علی بن ابی طالب ہے ص ۸۱ پرلاحظہ
علی میرے علم کا طرف ہے ص ۸۲
علی میرے علم کا خازن ہے ص ۸۲
علی میرے علم کا دروازہ ہے ص ۸۲
میں حکمت کا گھر اور علی اس کا دروازہ ہے ص ۸۳
میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے ص ۸۳

اس مضمون کی احادیث جناب رسالت سے تو اتر کے ساتھ منقول ہیں اور اکابر صحابہ کا اعتراف ہے کہ حضرت علی تمام

امت سے زیادہ عالم ہیں۔ ان ہی صفات پر مذکور ہو چکا ہے اور اس بیان کی ابتداء میں خود علامہ سیوطی کا اعتراف اور حضرت
علی کی علمی سبقت کے متعلق بعض صحابہ کی تصدیق غیر مبہم الفاظ میں بیان ہو چکی ہے۔ نیز حضرت علی کے حافظ قرآن ہونے کا ابن
یحییٰ جیسے متعصب کو بھی اعتراف ہے۔ نیز علی مع القرآن و القرآن مع علی ص ۱۲۵ حدیث رسالت بھی ان کے ساتھ
لا یجیے۔

اب چشم بعیرت سے اسی منہ انصاف میں حضرات صحابہ کا اعتراف، علامہ سیوطی و ابن حجر کی تصریحات خود میرا دراست
کی ہدایات اور واقعات و تاریخی حقائق کی شہادت کے ساتھ ساتھ ضمیمہ داری کے جذبات سے علیہ ہو کر عقل و خود کی روشنی میں
ملاحظہ فرمائیے ورنہ ایک واضح راستہ کو ترک کر کے ایک تاریک گڑھے میں پڑے رہنا دانائی نہیں۔

قرآن شریف کے سو فیصدی عالم، حافظ، قرین اور مفسر کو محکوم و مفضول بنانا اور بقول خود سخن و باستقرار سیوطی
۲۲ فیصدی مفسر کو حاکم و فاضل ماننا، عقل و انصاف کا ٹون نہیں۔ تو اور کیا ہے؟ اس کے علاوہ باقی کمزوریاں جن میں سے
مجموع طور پر بعض کا ذکر سیوطی و ابن قتیبہ کی سابقہ عبارتوں میں گذر چکا ہے وہ بھی زیر نظر رکھ کر انصاف فرمائیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی کے عذر کی وضاحت اور اس کا پس منظر واضح کرنے کے لئے بحث میں طول دیا گیا ہے۔
بوغالی از فائدہ نہیں مقصد یہ تھا کہ ان کے اشتباہی کلمات عوام پر اعزاز بالجہل کا سبب نہ ہوں اور حقیقت حال منظر عام
پر آجائے۔ لہذا ہذا من ہذا عن بئینہ ورنہ جو مفسرین علامہ موصوف نے مشاہیر سے شمار کئے ہیں اور وہ صرف اس

لئے کہ حضرت علیؑ کی امتیازی شان پر پردہ اُجائے اور لوگ یہ سمجھ لیں۔ کہ وہ بھی حضرت علیؑ کی طرح ہی عالم تھے۔ اگر ان سب کے جدوی حالات و واقعات کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی۔

مجھے اس کتاب میں خلفائے علم سے بحث کرنا مقصود نہیں۔ علامہ سیوطی کی تحقیقات کے پیش نظر اہل تقان و تاریخ الخلفاء کے مطالعہ سے مشہور مفسر اول کی علم قرآن میں دسترس جب معلوم ہوگی (حالانکہ وہ باقیوں سے افضل قرار دیئے جاتے ہیں) تو دوسروں کی علمی استعداد خود بخود معلوم ہوگی (بقول مشتے نمونہ از خردار) علامہ سیوطی نے بھی جب ان کی علمی تحقیقات کا جائزہ لیا تو طبیعت اتنی سیر ہوئی کہ باقیوں کے تذکرے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور سب کو تقدیم و نجات کے عذر میں معذور قرار دیکر عہدہ برآ ہو گئے۔

حضرت علیؑ کے متعلق صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ ان سے تفسیر قرآن بہت زیادہ مروی ہے اور دو تین روایات بھی حضرت علیؑ کی علمی پوزیشن واضح کرنے کے لئے ذکر کر دیں۔ حالانکہ پہلے دو بزرگواروں یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان کے مقابلہ میں ان کا زمان خلافت نصف سے بھی کم ہے اور وہ بھی اس قدر مہر آشوب کہ حضرت علیؑ کو پورے دور خلافت میں آرام و اطمینان کی سانس لینے کا موقع نہ مل سکا۔ پہلے پہل حضرت اتم المؤمنین عائشہ نے فوج کشی کرنے کے بصرہ پر حملہ کر دیا اور حضرت علیؑ کو ان سے پٹنا پڑا جس میں بروایت سیوطی تیرہ ہزار مسلمان قتل ہو گئے۔ یہ جنگ جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ آپ اونٹ پر سوار ہو کر جنگ میں فوج کی کمان کر رہی تھیں۔ اس کے بعد حضرت علیؑ مدینہ سے کوفہ میں تشریف لائے تو امیر شام معاویہ نے خون عثمان کے بہانہ سے جنگ صفین کا آغاز کر دیا۔ تقریباً ستر لڑائیاں یا اس سے بھی زیادہ لڑی گئیں۔ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان قتل ہو گئے اس کے بعد خراج کے ساتھ جنگ نہردان میں نبو اکزما رہے اور اسی دوران میں شہید کر دیئے گئے بایں ہمہ تفسیر قرآن اور علوم رسالت کے حقائق و دقائق اور رموز و اسرار کے جو نایاب ذخائر اس پاک وجود سے معرض ظہور میں آئے وہ انہی کا حصہ تھا۔ پچ ہے برتن سے وہی چیز برآد ہو سکتی ہے جو اس میں ہو اور دروازہ سے وہی چیز خارج ہوتی ہے جو گھر میں ہو۔

لیکن تعصب کا بڑا ہو۔ جب دیکھا کہ خلفائے ثلاثہ سے تو علم میں علیؑ کا پلہ بھارا نظر آ رہا ہے لیکن کہیں منصف مزاج طبقہ اور حقیقت آشنا گروہ علیؑ کو بنا برادعلیت و انصافیت کے خلافت بلا فصل کا حقدار نہ تسلیم کر لے۔ لہذا حضرت علیؑ کی علمی پوزیشن واضح کرنے کے بعد فوراً ابن مسعود کی فردی عنہ اکثر ماردی عن علیؑ۔ (یعنی ابن مسعود سے تفسیر قرآن کے متعلق) روایات علیؑ سے بہت زیادہ ہیں) اور انہر بیان میں ابی بن کعب سے بھی بہت کچھ تفسیر قرآن کے منقول ہونے کا اعتراف کر لیا۔ حالانکہ مفتاح السعاده سے (جبر اللامۃ) عبداللہ بن عباس کا قول منقول ہے کہ فرماتے ہیں ص ۱۷۸

ما علی و علم اصحاب محمدؐ فی علم علی
میر اور محمد مصطفیٰ کے تمام صحابہ کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا
ہے جیسا کہ ایک نظرہ آب سات سمندروں کے مقابلہ میں۔
الاقطرة فی سبعة ابحس

یہ معنی نہ رہے کہ بقول سیوطی ابی بن کعب کی وفات زبانِ خلافت حضرت عمرؓ میں ہوئی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی وفات زبانِ عثمان میں ہوئی۔
اب ایک دفعہ پھر پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ تقدم وفات اگر خلفائے ثلاثہ سے آثار تفسیر کے کم نقل ہونے کا سبب تھی۔ تو ابی بن کعب جس کی وفات حضرت عمر اور حضرت عثمان دونوں سے پیشتر ہے۔ ان سے تفسیر قرآن زیادہ کیوں منقول ہوئی اور اسی طرح ابن مسعود جس کی وفات حضرت عثمان سے پہلے ہوئی وہ حضرت علیؓ سے کیونکر بڑھ گئے حالانکہ آپ کے تقدم وفات والے قاعدہ سے تو ان کو حضرت عثمان سے بھی پیچھے رہنا چاہیے تھا۔ چہ جائیکہ وہ علیؓ سے بھی سبقت کر جائیں۔

گویا ان کی پوری نگ و دو کا نتیجہ یہ رہا کہ جہاں اصحاب ثلاثہ کی علمی کم مائیگی کی خفت کو مٹانا چاہا تو تقدم وفات کا بہانہ بنا لیا۔ اور جہاں علیؓ کو گھسانا چاہا۔ تو ابن مسعود کو بڑھانے کے لئے وہ بات بھول گئے اور ان کا تقدم وفات نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ ان دونوں متضاد بیانیوں میں کلیہ آٹھ دس سطروں کا فاصلہ ہے۔ اتنا جلدی نسین! خدا کی پناہ! اچھا اس کو جانے دیجئے آگے چل کر فرماتے ہیں۔

وقد وماذ عن جماعة من الصحابة غير
هؤلاء اليسير من التفسير كانس و ابی هريرة
وابن عمر و جابر و ابی موسى اشعري

ان صحابہ (دس گزشتہ) کے علاوہ باقی ایک جماعت صحابہ سے بھی معمولی تفسیر وارد ہوئی ہے۔ مثلاً انس، ابو ہریرہ، ابن عمر، جابر اور ابو موسیٰ اشعری۔

ادھر مشہور مفتہرین میں دسویں نمبر پر ابو موسیٰ اشعری اور یہاں شاذ مفتہرین میں بھی آخری نمبر پر ابو موسیٰ اشعری نہ معلوم کس ہوش و ہواس سے "الاتقان لکھ رہے ہیں۔ اتقان والی بات وہی ہوا کرتی ہے کہ جو منہ سے آئے کہتا جاے یہ خیال نہ کرے کہ پہلے کیا کہہ چکا ہوں اور اب کیا کہہ رہا ہوں (میں تو کہوں گا بغض علیؓ کا صلہ ہے۔) اچھا ممکن ہے کاتب کا سہو ہو۔ لیکن پھر بھی سوچنے کے قابل بات ہے۔ کہ یہ مفتہرین کو معمولی مفتہر کہا جا رہا ہے اگر تفسیر کا جائزہ لیا جائے تو ان سے نقل شدہ آثار بہ نسبت اصحاب ثلاثہ کے کہیں زیادہ ہیں۔ بایں ہمہ وہ عالم اور یہ ان کے مقابلہ میں کم علم۔ وہ مشہور مفتہر اور یہ شاذ راوی کیوں؟

وجہ یہ ہے کہ وہ چونکہ مسند اقتدار پر ہیں اور اکثریت کی ہا دوہ سے متاثر ہو کر بلا تحقیق ان کو خلافت کا اہل بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ اب واقعات موافق ہوں یا نہ ہوں۔ دلیل ساتھ دے یا نہ دے اس بات پر اڑ گئے ہیں کہ ان کو عالم کہیں گے اور ضرور کہیں گے۔ کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟ اکثریت اپنی ہے کسی کا کیا ڈر ہے؟
حالانکہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ حق کے ہوا اور متبع اور اللہ کے شکر گزار تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔

صحابہ رسول کے دلوں میں عزت و حرمت آل رسول

گذشتہ صفحات میں چونکہ وعدہ کر چکا ہوں۔ لہذا اس حقیقت کو صرف اہل سنت کے مشہور علامہ ابن قتیبہ نیری کے الفاظ سے پیش کرتا ہوں، تاکہ مسئلہ انعقادِ خلافت کے ساتھ صحابہ کا اہل بیت سے برتاؤ ذرا زیادہ واضح ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ جناب رسالت کی بے حد سفارشات کے بعد صحابہ نے عزت رسول کی حرمت کا کس حد تک لحاظ رکھا چنانچہ علامہ موصوف نے کتاب الامامة والسياسة مطبوعہ مصر کی جز اول ص ۱۱۱ سے بیان کو یوں شروع کیا ہے۔

كيف كانت بيعة علي بن ابي طالب كره الله وجهه

تحقیق حضرت ابو بکر نے ایک قوم کو نہ پایا جو ان کی بیعت سے کنارہ کش ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہما کے پاس جمع تھے۔ پس ان کی طرف سے عمر کو بھیجا چنانچہ وہ آیا اور ان کو آواز دی۔ درحالیکہ وہ حضرت علی کے گھر میں تھے پس انہوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ پس اس دعوت نے لکڑیاں منگوائیں اور کہا مجھے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، نکو در نہ میں اس گھر کو جلا دوں گا۔ ان آدمیوں سمیت جو اس کے اندر ہیں پس کہا گیا ابو حفص (عمر) اگر اس میں فاطمہ (بنت رسول) ہو تو بھی؟ (عمر نے جواب دیا۔ اگرچہ وہ بھی ہو۔ پس سب نکلے اور انہوں نے بیعت کی سوئے علی کے کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ باہر نہ آؤں گا اور اپنے کندھے پر چادر نہ ڈالوں گا۔ جب تک قرآن نازل نہ ہو کہ جمع نہ کر لوں گا اس دوران میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا دروازہ پر کھڑے ہو کر فرما رہی تھیں کہ ہمارے دروازہ پر آنے والوں میں سے تم سے

وان ابا بکر تفقد قوما تخلفوا عن بيعته عند
علي كرم الله وجهه فبعث اليهم عمر فجاء
فناداهم وهم في دار علي فابوا ان يخرجوا
فدعا بالخطب وقال والذئب نفس عمر
بيده لتخرجن اولاد حرقنها علي من فيها
فقليل له يا ابا حفص ان فيها فاطمة
فقال وان ، فخرجوا فبايعوا الا علياً فانته
ثم عمر انه قال حلفت ان لا اخرج ولا
اضمح توب علي ما تقي حتى اجمع القرآن
فوقفت فاطمة رضى الله عنها علي بابها
فقاتلت لاصهد لي بقوم حضروا اسوة محض
منكم تركتم رسول الله صلى الله عليه

سے آل رسول کی عزت و حرمت اسی کا نام ہے اور رسالت کی فرمائش کی قدر دانی کا یہ طریقہ ہے اور تقنین کے ساتھ تک پہنچنے کا یہ ہی کامیاب پہلہ ہے اور یہ ہے آپس میں شکر و شکر ہونے کا مطلب الفاطمہ بضعة مني من آذاهما فقد آذاني) کو ملاحظہ فرمائیے بلکہ یہ تھا اسلام کا پہلا جبراً طور پر ووٹوں سے حاصل شدہ منصفانہ طرز عمل۔ ڈرا دمکا کر گھروں کو جلا دینے کی قسمیں کھا کر مندر رسالت پر اسلامی تاجدار اور مقتدر امت کی حقیقت سنبھالنے کی عادلانہ روش مندر سے مرتے وقت حضرت ابو بکر اس بات کا انوسس کر رہے ہیں کہ کاش حضرت علی کے گھر کی بے ادبی نہ کی ہوتی ص ۱۶۲ پر ملاحظہ فرمائیے

وسلم جنازة بين ايدينا وقطعت امر
 كرميتكم لم تستامرونا ولم ترة والننا
 حقا - فاق عمرو بابكر فقال له الا تلخذ
 هذا المتخلف عنك بالبيعة فقال ابوبكر
 لقتنذ وهو موث له - اذهب فادع لي
 عليا قال فذهب الي علي فقال ما
 حاجتك فقال يدي عوك خليفة رسول
 الله فقال علي لسريع ما كذبتم
 علي رسول الله فرجع فابلى الرسالة
 قال فبكي ابوبكر طويلا فقال عمر الثانية
 الا تهمل هذا المتخلف عنك بالبيعة
 فقال ابوبكر رضي الله عنه لقتنذ عداليه
 فقل له امير المؤمنين يدي عوك لتبايح فجار
 قننذ فاذى ما امر به قرفع علي صوت له
 فقال سبحان الله لقد ادعى ما ليس له فرجع
 قننذ فابلى الرسالة - فبكي ابوبكر طويلا
 ثم قام فذقوا الباب فلما سمعت اصواتهم
 نادى باعلى صوتها: يا ابا رسول الله
 ما ذا لقينا بعدك من ابن الخطاب وابن
 ابى قحافة فلما سمع القوم صوتها وبكاهما
 الضرفوا باكين وكادت قلوبهم تنصدع
 واكبادهم تنفطر وبقى عمر ومعه قوم
 فاخرجوا علميا فمضوا به الى ابى بكر فقالوا

زیادہ بدترین انسان آج تک ہمارے دروازہ پر کوئی نہیں آیا۔ تم نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ ہمارے پاس چھوڑ دیا اور اپنے درمیان معاملہ
 (خلافت) طے کر لیا نہ ہم سے مشورہ لیا اور نہ ہمیں اپنا حق دیا۔ پس عمر ابوبکر کے
 پاس آیا اور کہا کہ اس پیچھے رہے علی سے تو بیعت کیوں نہیں لیتا۔ پس ابوبکر
 نے اپنے غلام قننذ کو حکم دیا کہ جا اور علی کو بلا لا۔ پس اس کا غلام قننذ،
 علی کے پاس آیا۔ تو آپ نے پوچھا کہ کیوں آیا ہے تو کہا کہ آپ کو رسول
 اللہ کا خلیفہ بلاتا ہے۔ پس حضرت علی نے فرمایا کہ بہت جلد تم نے
 رسول اللہ پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ پس اس نے واپس آکر حضرت
 علی کا پیغام پہنچایا۔ پس ابوبکر بہت دیر تک روتا رہا۔ پھر
 عمر نے دوبارہ کہا کہ اس بیعت سے پیچھے رہے ہوئے (علی کو)
 مہلت نہ دو۔ پس ابوبکر نے قننذ کو کہا کہ ان کے پاس دوبارہ جاؤ
 اور کہو کہ آپ کو امیر المؤمنین بیعت کے لئے بلا رہے ہیں۔ پس
 قننذ واپس آیا اور علی کا پینم پہنچایا۔ پھر ابوبکر بہت دیر تک
 روتا رہا۔ پھر عمر اٹھا اور ایک جماعت کو ہمراہ لے کر حضرت
 فاطمہ کے دروازہ پر پہنچے۔ پس انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب بی بی
 نے ان کی آواز سنی تو بلند آواز سے ندادی۔ لے ابا جان لے رسول اللہ
 تیرے بدمعہ کو عمر بن خطاب اور ابوبکر بن ابی قحافہ سے کیا کیا
 تکلیفیں پہنچی ہیں؟ جب لوگوں نے بی بی کی آواز اور رونا سنا تو
 روتے ہوئے واپس چلے گئے اور قریب تھا کہ ان کے دل پھٹ
 جائیں اور جگر شگافتہ ہو جائیں اور عمر اس کے ساتھ چند آدمی کھڑے
 رہے پس علی کو انہوں نے باہر بلایا اور اپنے ہمراہ ابوبکر کے
 پاس لے گئے۔ پس ان سے کہا کہ بیعت کرو۔ آپ نے فرمایا اگر میں نہ
 کروں تو کیا کرو گے؟ تو کہنے لگے کہ

لے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جنازہ رسول کو چھوڑ گئے تھے (منہ) لے حضرت علی کے نزدیک ان کا خلیفہ رسول
 کہلانا رسول پر مہمان تھا۔ منہ) لے حضرت علی کے نزدیک ان کا امیر المؤمنین کہلانا ناجائز تھا۔

بایع فقال وان انا لفاعل فمه؟ قالوا
 اذا والله الذی لا اله الا هو نصر ب عنقك
 قال اذا تقتلون عبد الله واخا رسوله قال
 عمر اما عبد الله فنعمة واما اخو رسوله
 فلا و ابوبکر ساکت لا یتکلم فقال له عمر
 الا تا مرفیه فقال لا اکرهک علی شیء ما
 کانت فاطمة الی جنبه فلاحق علی بقبر
 رسول الله صلی الله علیه وسلم یصیح
 ویبکی وینادی یا بن ام ان القوم استضعفونی
 وکادوا یقتلوننی

اس اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں تیری گردن اڑا
 دیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ پھر اللہ کے بندے اور اس کے رسول
 کے بھائی کو قتل کر دے؟ تو عمر نے کہا کہ اللہ کا بندہ تو ہم مانتے
 ہیں لیکن اس کے رسول کا بھائی نہیں مانتے اور ابوبکر چپکے سے
 یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس کو عمر نے کہا کہ تم اس کے متعلق کوئی حکم
 کیوں نہیں دیتے ہو۔ پس اس نے کہا کہ جب تک اس کے پہلو میں
 فاطمہ زہرا ہے میں اسکو کسی بات کیلئے مجبور نہیں کرتا۔ پس حضرت
 علی روتے ہوئے اور نالہ و زاری کرتے ہوئے جناب رسالت کی
 قبر پر شریفے گئے اور (قبر کو سینے سے لگا کر) عرض کرنے لگے۔ اے
 بھائی جان! قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں۔

حضرت علی نے جناب رسالت کی ساتھ اخوت کا دعویٰ کیا جس کو عمر نے رد کر دیا۔ اور کہا کہ ہم تم کو رسول کا بھائی نہیں مانتے اب ذرا کتب
 ال سنت میں سے اس کا جائزہ لیجئے۔ اور جناب رسالت کی فرمائش کے مقابلہ میں حضرت عمر کے قول کا حق بجانب ہونا یا سببی بر تعصب بغداد ہونا خود مجھے
 مسند احمد بن حنبل سے مستند طرق سے منقول ہے کہ جناب رسالت نے لوگوں
 کے درمیان مواخات و بھائی چارہ قائم کیا اور حضرت علی کو چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ
 یہ سب سے آخر تنہا رہ گئے اور کوئی باقی نہ تھا۔ جن کے ساتھ ان کا بھائی چارہ
 قائم فرماتے تو حضرت علی نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے تمام صحابہ کے درمیان
 صیغہ اخوت جاری کیا اور مجھے چھوڑ دیا تو حضور نے فرمایا کہ تجھے میں نے اپنے لئے
 باقی چھوڑا ہے تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں اگر کوئی تیرے ساتھ بات کرے
 تو تو کہہ دے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول کا بھائی ہوں اور اس پر
 کا دعویٰ تیرے علاوہ جو بھی کرے وہ جھوٹا ہے۔ مجھے برحق نبی مبعوث کرنے
 والے خدا کی قسم تجھے میں نے صرف اپنے لئے ہی باقی رکھا ہے اور تیری عجم
 سے وہی نسبت ہے جو ہارون کی موسیٰ سے تھی صرف فرق یہ ہے کہ میرے
 بعد نبی اور کوئی نہ ہوگا اور تو میرا بھائی بھی ہے اور وارث بھی۔

وفی حدیث قال مکتوب علی باب المجنة محمد رسول الله
 علی اخو رسول الله قبا ان یخلق الله السموات بالفی عام
 لے پہلے اسدی راجح کما انت کحال دیکھے اور انصاف کیجئے غالباً اس کا یہی مطلب ہوگا کہ وہ قتل کا حکم دے دے اور ہم اس پر عمل کریں (منہ)
 لے یہ وہی الفاظ ہیں جو حضرت ہارون نے اپنی قوم کی گوسہ پرستی اور مرتد ہوجانے کے بعد حضرت موسیٰ کے سامنے کہے تھے قرآنی الفاظ
 ہیں۔ ان الفاظ میں اس بات کا کیا یہ ہے کہ حضرت علی ان کو مرتد سمجھتے تھے۔ (منہ) فوطا حدیث مواخات ترمذی۔ مستدرک دیگر
 کتب صحاح سے بھی منقول ہے (منہ)

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ غلقت آسمان سے دو تہزار بری
 بیٹے سے جنت پر لکھا ہوا ہے محمد رسول الله و علی اخو رسول الله نقلاً عن ابی الصلی

یہاں پر پہنچ کر بخاری شریف کے گذشتہ نوٹ سے تلبیق دیجئے۔

وكان لعلي من الناس وجهه حياة فاطمة
فاطمہ کی موجودگی میں لوگوں کے درمیان کچھ نہ کچھ علی کی عزت تھی۔

فلما توفيت استنكوه على وجوه الناس
جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں کے چہرے علی سے پھر گئے۔

حضرت ابو بکر صبیہ یہی کہہ رہے ہیں کہ فاطمہ کے عین حیات علی کو ہم مجبور نہیں کرتے (پھر دیکھا جائے گا) تبخیر خود سچے ہیں
اس کے بعد ابن قتیبہ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا حضرت فاطمہ سے معافی طلب کرنے کیلئے جانے کا تذکرہ کیا ہے۔

فلما قعدا عندها حولت وجهها الى الحائط
جب یہ دونوں قریب جا کر بیٹھے تو بی بی نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔

فلما ساءا عليها فلو ترد عليهما السلام
پس انہوں نے سلام دیا تو بی بی نے ان کو جواب سلام تک نہ دیا۔

پھر بی بی نے اپنی میراث کے متعلق احتجاج کیا اور فرمایا۔

ما بال بيثلك اهلك ولا نوث محمدا
کیا تیرے اہل تیرے وارث ہوں اور ہم محمد کے وارث نہ ہوں۔

اس کا جواب اس فرضی حدیث سے دیا گیا کہ حضور کا فرمان ہے ہمارا کوئی وارث نہیں ہوا کرتا۔ پس بی بی پاک نے فرمایا۔

ارأيكم ان حدثتكم احدينا عن رسول الله تعرفانه
کیا میں اگر تم کو جناب رسالت کی حدیث سناؤں تو اس پر عمل کرو گے

ان دونوں نے کہا۔ ہاں! پس آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دیکر

سوال کرتی ہوں کہ کیا تم نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ

فاطمہ کی رضا میری رضا سے اور فاطمہ کی ناراضگی میری ناراضگی سے

ہے۔ جس نے فاطمہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے

فاطمہ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

دونوں نے کہا۔ ہاں! ہم نے رسول اللہ سے ایسا ہی سنا

ہے۔ پس فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے ملائکہ کو گواہ کر کے

کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا اور رضامند نہیں

کیا اور جب میں نبی سے ملاقات کروں گی۔ تو تم دونوں کی

ان کو شکایت کروں گی۔

یارسن کر حضرت ابو بکر رونے لگ گئے اور سخت رونے اور بی بی آخر تک یہی فرماتی رہی کہ

والله لا دعون الله عليك في كل صلوة
خدا کی قسم میں ہر نماز میں تیرے اوپر بدعا کرتی ہوں گی۔ اور وہ روتا

ہوا باہر چلا گیا۔

اصليها ثم خرج باكيا - الخبر

اے ملائکہ مسلمان کے سلام کا جواب واجب ہوا کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی کے نزدیک وہ اس قابل نہ تھے۔ منہ

احراق باب فاطمہ

ابن قتیبہ و نیوری کے مذکورہ روایت کے علاوہ باقی کتب تاریخ میں بھی جناب خاتونِ جنتِ سلام اللہ علیہا کے دروازہ کے جلانے کی روایات موجود ہیں۔ مختصر احوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) جناب فاطمہ نے ابن خطاب سے فرمایا۔ اَتَذَكُّ مَخْرَجًا عَلَيَّ يَا بَنِي عَيْبِي كَمَا تَمِيرُوا دَرَوَازَهُ جَلَانًا جَابِتًا هَبْهُ؟ قَالَ نَعَمْ اِسْ لَمْ يَجَابَ دِيَا۔ ہاں! انساب الاشراف بلاذری جلد ۱ ص ۵۷

(۲) اِنَّ عُمَرَ قَالَ لِفَاطِمَةَ۔ مَا أَحَدٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْكَ وَمَا ذَالِكُ بِمَا نَبِيٌّ اِنْ اجْتَمَعَ هَؤُلَاءِ النَّفَرُ عِنْدَكَ اَنْ اَمَرْتَهُمْ مَخْرُجُوا عَلَيْكَ الْبَابَ۔ یعنی حضرت عمر نے فاطمہ سے کہا۔ میں جانتا ہوں کہ تیرے باپ (رسول اللہ) کو تجھ سے زیادہ محبوب کوئی نہ تھا (اور تو ہی اس کی محبوب ترین شہزادی ہے) تاہم مجھے کوئی پرواہ نہیں اگر یہ لوگ (بیعت نہ کرنے والے) تیرے پاس جمع رہے تو میں حکم دوں گا کہ دروازہ کو جلا دیا جائے۔ کنز العمال ج ۱ ص ۱۳۷

(۳) حضرت عمر خاتونِ جنت کا دروازہ جلانے کے لئے آگئے۔ الریاض النضرہ ج ۱ ص ۱۶۶ ہاشمیہ تاریخ کامل ص ۱۱۴

(۴) قَالَتْ فَاطِمَةُ لَتَخْرُجَنَّ اَوْ لَا كَشَفْنَتْ شَعْرِي وَلَا عَجَبْتَنِي اِلَى اللّٰهِ فَخَرَجُوا يَعْنِي جَنَابَ فَاطِمَةَ لَمْ يَكُنْ لَهَا يَوْمَ سَمِيَّتْ فَرَمَا مِيرَةَ كَهْرًا نَكَلَ جَاوُ دَرْنَهٗ فِي سَرِّ كَبَالٍ پَرِيشَانِ كَرَّ كَاللّٰهِ كِي بَارْكَاهٖ فِي فَرَاوِدِ (بد دعا) کروں گی۔

تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۱۵۸

(۵) اِنَّ عُمَرَ صَرَبَ بَطْنِ فَاطِمَةَ۔ يَوْمَ الْبَيْعَةِ حَتَّى اَلَقَتْ مُحْسِنًا مِنْ بَطْنِهَا وَكَانَ يَصِيحُ اُخْرُفُوْنَا بِمَنْ فِيهَا وَمَا كَانَ فِي السَّكَاةِ غَيْرَ عَلِيٍّ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ۔ یعنی عمر نے حضرت خاتونِ جنت کے شکمِ اطہر کو ایسی تکلیف پہنچائی بیعت کے دن کہ جنابِ حسنِ شکمِ اطہر سے ساقط ہو گئے اور وہ لگاتار چیخ رہا تھا کہ اس گھر کو گروالوں سمیت جلا دو۔ حالانکہ گھر میں سولہ علی اور حسن حسین کے اور کوئی مرد نہ تھا۔ الملل والنحل شہرستانی ج ۱ ص ۱۶۸

معرفتِ خدا

اللہ سبحانہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔
تحقیق آسمان وزمین کی پیدائش، شب روز کا اختلاف لوگوں کی

قال سبحانه في كتابه الجيد
ان في خلق السموات والارض واختلاف

نفع رسانی کی خاطر دریاؤں میں کشتیوں کی آمد و رفت۔
اللہ کا آسمان سے آبِ باران نازل کر کے مژدہ و بنجر زمینوں کو
زندہ و آباد کرنا اور ہر قسم کے جانوروں سے اسے معمور کرنا
ہواؤں کا چلانا اور آسمان و زمین کے درمیان بادلوں کا مسخر
ہونا ان تمام چیزوں میں دانش مند انسانوں کے لئے معرفتِ خدا
کے دلائل ہیں۔

کیا اپنے دلوں میں سوچ نہیں کرتے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں
یا ان کے باہر جو اللہ نے خلق فرمایا سب برحق اور بجا ہے۔
یقین والوں کے لئے زمین میں اور خود تمہارے نفسوں میں (دلائلِ توحید)
موجود ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

واقعاً اگر انسان تدبیر صحیح کرے اور اپنے ذہن کو موجوداتِ عالم میں اور پھر اپنے جسم و روح کے مصالح و مفاسد
کی طرف متوجہ کرے تو جس طرح کوہ و جبل کا ہر سنگ، موجِ دریا کا ہر قطرہ، ریگِ صحرا کا ہر ذرہ، وسعتِ زمین کا ہر حصہ اور
شجر و نبات کا ہر پتہ اپنے خالقِ یکتا کا پتہ دیتا ہے۔ یا جس طرح آسمانوں کی بلندیاں زمینوں کی وسعتیں، شب و روز
کے اختلاف میں نور و ظلمات کا فرق، دریاؤں کی طغیانی اور ان کی موجوں پر کشتیوں کی روانی و نفع رسانی، آسمانوں سے
برستا ہوا پانی اور اس کی بدلت نہیوں کی سرسبزی و شادابی اور اس پر ہر ذی روح کی آبادی اور فیضِ یابی، ہواؤں کی
نگہت و سرسراہٹ اور سرعت و خفت میں فرمانبرداری اور آسمان و زمین کے درمیان بادلوں کی صف آرائی اور اطاعت
شعاری، یہ سب چیزیں خالقِ کائنات کے وجود و حکمت اور علم و قدرت کی غماز ہیں اور ان کا نظام اتم و اکمل اس کی بے بہائی
اور یکتائی کی برہانِ قاطع ہیں۔

اسی طرح خود وجودِ انسانی میں بدن کی رگ رگ خون کا قطرہ قطرہ اور جسم کا بال بال بھی خلاقِ عالم کے وجود
اور اس کی حکمتِ کاملہ اور قدرتِ شاملہ کا اثر خود معترف ہے۔ بشرطیکہ سلامتِ ذہن و دماغ اور تدبیر صحیح سے جائزہ لیا جائے۔
اس بنا پر قبلہ عارفین کعبہ دین متین، امام المتقین حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ آلاف التحية والسلام
ارشاد فرماتے ہیں: (رویان علی)

وَتَرَعْمَ اَنْتَ جَدُّمُ صَغِيرٌ وَفِيكَ اَنْطَوَى الْعَالَمُ الْاَكْبَرُ
كَانَتْ الْكِتَابُ الْمَلِيحُ الَّذِي - بِاَحْوَفِهِ يَطْفُرُ الدُّنْيَا
تو اپنے آپ کو ایک چھوٹا سا جسم خیال کرتا ہے۔ حالانکہ تجھ میں ایک عالمِ اکبر
پنہاں ہے تو وہ کتابِ مہین ہے۔ جس کے حرفوں سے رازِ ہائے پوشیدہ

محدود نہیں۔ بلکہ تو اسے باطنہ کا بھی یہی حال ہے نہ وہم و گمان اس کی تعیین کر سکتا ہے اور نہ عقل و دماغ اس کا حد بندی کر سکتا ہے۔

اور ان تمام چیزوں کے باوجود وہ ہے اور ضرور ہے۔ دلیل اس کے (درون کے) وجود کی یہی ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو یہ سب اعضاء بے کار ہو جاتے اور ان کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ ان کا باک اور زیر نظام ڈیوٹی کا انجام دینا اس (روح) کے وجود اور تدبیر کی کملی ہوئی دلیل ہے۔

جسم کے باقی تمام اعضاء غیر شعوری طور پر اس کے وجود و تدبیر کے قائل اور زبان بے زبانی سے اس کے مدح سرا ہیں اور عقل اپنے شعور و احساس سے اس کے وجود و تدبیر کا قائل و ثنا گر ہے۔ لیکن یہ بھی اس کی تحدید و تعیین کا خیال تک نہیں کر سکتا۔ صرف اس کے آثار و افعال سے اس کو جانتا ہے اور اس کی حسن تدبیر کا معترف ہے۔ یہ معلوم اسے نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا ہے اور کس نوعیت کا ہے؛ تاہم ہے ضرور کیونکہ اگر نہ ہوتا تو یہ تدبیر نہ ہوتی۔

پس ان تمام اعضاء کے کاروبار بعض شعوری طور پر اور بعض غیر شعوری طور پر اسی کے زیر حکم، محتاج فرمان اور تابع ارادہ ہیں۔ تو جب یہ چھوٹا سا عالم بغیر ایک مدبر کے نہیں رہ سکتا۔ جس کو نہ دیکھا۔ نہ سنا نہ سونگھا نہ چکھا اور نہ چھوا۔ بلکہ نہ وہم سے اس کا تصور ہوا اور نہ عقل و دماغ سے اس کا ادراک ہو سکا حالانکہ ہے پورے نظام کا مدبر اور ہے بھی ضرور۔ تو اتنا بڑا عالم جس کی دستوں کے تصور سے ہمارے عقول عاجز ہیں۔ اتنا بڑا آسمان بلکہ ایک نہیں کئی ہیں۔ اتنی وسیع زمین شمس کا اپنے مقام پر قمر کا اپنے محور پر گردش کرنا، دریاؤں کی روانی، بادلوں کی بارانی اور زمینوں کی آبادیاں۔ غرضیکہ تمام عالم اکبر کا وجود اور اس کے نظام اکمل کی بقا و بقا بغیر ایک مدبر کے کیسے ہو سکتا ہے؟

پس معلوم ہوا کہ عالم اکبر کے وجود کے تمام اعضاء کا اپنی اپنی جگہ پر جس و حرکت کرنا اور اپنی اپنی مخصوص ڈیوٹیوں پر مصروف کار رہنا اس امر کی واضح اور ناقابل تردید برہان ہے کہ ان کا موجد اور مدبر ضرور موجود ہے۔ ورنہ ان کا وجود بیکار اور نظام درہم برہم ہو جاتا۔ نیز اس عالم میں بھی اکثر موجودات غیر شعوری طور پر اس کی ذات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ گناں اور مدح سرا ہیں۔ اور بعض موجودات (ذوی العقول) شعوری طور پر اس کا اعتراف کرنے اور اس کی حمد کرنے پر بے بس ہیں۔ تاہم اس عالم اکبر کے اعضاء و افراد میں سے بھی کسی کو مجال نہیں کہ اُسے دیکھ سکے یا اس کی آواز سن سکے۔ یا دیگر آلات ظاہریہ اور حواس باطنہ سے اس کا ادراک کر سکے۔

جب اس عالم اصغر (وہو انسانی) کا مدبر ہوا اس و مشاعر کے ادراک سے باہر ہے تو اس عالم اکبر کا خالق و مدبر کس طرح ہوا اس و مشاعر کے ادراک میں آ سکتا ہے؟ پس وہ عقل کا اندھا اور بے بصیرت ہے جو یہ کہے کہ خدا منتظر آ سکتا ہے دنیا میں یا قیامت میں وہ خود فرماتا ہے۔ لَا تَدْرِي مَا كُنَّ الْأَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِي مَا كُنَّ الْأَبْصَارُ وَ هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔ جس طرح اس عالم اصغر (وہو انسانی) کا مدبر روح مگر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے توے تک ہر ہر عضو کے ہر ہر

حقیقت میں موجود ہے لیکن جی طور پر کسی جگہ گاپا بند نہیں کہا جاسکتا اور وہ اس عالم اصغر کی پوری کائنات میں بستا ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہیں۔ جہاں وہ نہ ہو۔ ہاں! جس حقیقت میں وہ نہ ہوگا وہ حقیقت جسم سے جدا کرنے کے قابل ہو جائے گا۔

اسی طرح عالم اکبر کے وجود میں عرش علی سے تحت الثریٰ تک بلکہ عرش کے ماوراء سے فرش کے ماوراء تک تمام موجودات کے ہر ہر حقیقت میں اس کی ذات جلوہ گر ہے۔ لیکن تحدیدی طور پر اس کا کہیں بھی ادراک و احساس نہیں کیا جاسکتا۔ پس یہ کہنا بجا اور درست ہے کہ قدرت و حکمت کے اعتبار سے ہر جگہ موجود اور تحدید و تعیین کے اعتبار سے ہر جگہ سے دور ہے قریب اتنا کہ شہرِ رگ سے بھی نزدیک تر اور آنکھ کی پستی سے قریب تر اور بعید اتنا کہ نہ ولمان و ہمہ گمان کی رسائی اور نہ عقل و خرد کی منیج۔ یعنی کہ ذاتِ منصورہ بھی بول اٹھیں مَا عَرَفْنَاكَ حَقًّا مَعْرِفَاتِكَ۔

بجاء الانوار جلد ۴ میں ہے۔ ایک شخص نے مولائے کائنات حلال مشکلات حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے خدا کو دیکھا بھی ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کبھی ایسے خدا کی عبادت نہیں کی۔ جسے دیکھا نہ ہو اس نے عرض کی کہ آپ نے کس طرح دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا اُس کو آنکھیں بصارتِ ظاہرہ سے نہیں دیکھ سکتیں۔ بلکہ اُسے دل بصیرت ایمانیہ سے دیکھتے ہیں یعنی آثارِ ظاہرہ اور افعالِ حکمیہ اس کے وجود، علم، حکمت، قدرت کے واضح کرشمے موجود ہیں جن کو دیکھ کر اس کی ذاتِ موصوفہ مجہمہ صفات کے وجود پر اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔

عن عبد اللہ بن سنان عن ابيه قال حضرت ابا جعفر فدخل عليه ساجل من الخوارج فقال له يا ابا جعفر اى شئ تعبد قال الله تعالى - قال سَأَيْتَهُ قَالَ بَل لَم تَرَ الْعَيْنَ بِمَشَاهِدَةِ الْبَصَارِ وَلَكِنْ لَمْ تَرَ الْقُلُوبَ بِحَقَائِقِ الْإِيمَانِ لَا يَعْرِفُ بِالْقِيَاسِ وَلَا يَدْرِكُ بِالْحَوَاسِ وَلَا يَنْبَغُ بِالنَّاسِ مَوْصُوفٌ بِالْأَيَاتِ مَعْرُوفٌ بِالْعَلَامَاتِ لَا يَجُوزُ فِي حُكْمِهِ ذَلِكَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَضْجَ الرَّجُلِ وَهُوَ يَقُولُ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ سَأَلْتَهُ - یعنی راوی حدیث کہتا ہے میں ایک مرتبہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک خارجی نے اگر سوال کیا۔ آپ کس کی عبادت کرتے ہیں؟ فرمایا صرف اللہ کی۔ تو اس نے کہا کہ آپ نے اللہ کو کبھی دیکھا بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ اس کو آنکھیں مشاہدہ سے نہیں دیکھ سکتیں؟ البتہ اس کو دل حقائقِ ایمانی سے دیکھ سکتے ہیں۔ نہ اس کو قیاس سے پہچانا جاسکتا ہے اور نہ اس کا حواس سے ادراک کیا جاسکتا ہے اور نہ وہ لوگوں کے مشابہ ہے وہ اپنے افعال و نشانیوں سے موصوف ہے اور اپنی علامات سے پہچانا جاتا ہے وہ اپنے حکم میں ظلم نہیں کرتا پس وہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں ہے یہ سن کر وہ شخص یہ کہتا ہوا نکلا کہ اللہ ہی جانتا ہے جن کو رسالت دیتا ہے۔

جس طرح اس عالم اصغر میں ایک عقل موجود ہے جو مشاعرِ باطنہ اور حواسِ ظاہرہ سے روح کا تعارف کراتی

اول مخلوق

ہے۔ عقل کے بغیر نہ تو حواسِ باطنہ و ماہمہ و متفکرہ و متخیلہ وغیرہ صحیح کام کر سکتے ہیں اور نہ حواسِ ظاہرہ میں ارتکابِ صحیح و غلط کی تمیز ہوتی ہے بس اسی عقل ہی کی بدولت ظاہری و باطنی ہر دو طاقتیں راہِ راست پر گامزن ہوتی ہیں

اسی طرح عالم اکبر میں عقل کُل یعنی نور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی کام ہے کہ اوصرف قدسین عالم بلائیں ان کی رہبری کے (درس توحید میں) محتاج اور اوصرف عالم سفلی میں یہ مخلوق فیوض روحانیہ میں ان کی دست نگر ہے۔ جس طرح عالم اصغر میں وجود انسانی میں اول مخلوق عقل ہے۔ یعنی نیچے کی ترتیب خلقت میں علقہ۔ مضغہ کی منازل طے کرنے کے بعد جب انسانی ڈھانچہ پورا تیار ہو جاتا ہے اور روح کی آمد ہوتی ہے۔ تو پہلے پہل روح عقل و دماغ میں آتی ہے اور اس کے بعد باقی اعضاء میں پہنچتی ہے۔

اسی طرح وجود عالم اکبر میں مخلوق اول نور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور ان کے بعد باقی مخلوق کی تخلیق ہوئی۔ چنانچہ فرمایا: **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِيَّ - اللَّهُ صَلَّى عَلَيَّ مُحَمَّدًا وَإِلَى مُحَمَّدٍ**

کتاب جامع الاخبار باب فضائل نبی میں جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسالت کو فرماتے ہوئے سنا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھے اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ اور باقی ائمہ کو ایک نور سے خلق فرمایا۔ اور پھر اسی نور سے ہمارے شیعوں کے نور کو پیدا کیا۔ پس ہم نے تسبیح ادا کی تو ہمارے شیعوں نے ہماری اتباع میں تسبیح ادا کی۔ ہم نے اس کی تقدیس بیان کی تو ہمارے شیعوں نے ہم سے سُن کر اس کی تقدیس زبان پر جاری کی ہم نے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** ورد زبان کیا تو انہوں نے بھی ایسا کیا۔ ہم نے اس کی عظمت کا ذکر کیا تو انہوں نے بھی ایسا کیا۔ ہم نے اس کی توحید کا اقرار کیا تو انہوں نے بھی اقرار کیا۔

پھر اس کے بعد خداوند کریم نے آسمانوں اور زمینوں کو خلق فرمایا اور فرشتوں کو پیدا کیا۔ پس فرشتے خلقت کے بعد ایک سو برس تک خاموش رہے۔ انہیں تسبیح و تقدیس و تجید کا علم نہ تھا۔ پس ہم نے تسبیح ادا کی تو ہماری اقدار میں ہلکے شیعوں نے اور فرشتوں نے تسبیح ادا کی۔

ہم نے تقدیس بیان کی تو ہمارے شیعوں اور ملائکہ نے ہماری تقدیس سن کر زبان پر تقدیس جاری کی۔

ہم نے اس کی عظمت و بزرگی کا ذکر کیا تو شیعوں اور ملائکہ نے ہم سے سُن کر اس کی عظمت کا ذکر زبان پر جاری کیا۔

ہم نے اس کی توحید بیان کی تو ہمارے شیعوں نے اور فرشتوں نے ہم سے سُن کر توحید بیان کی۔

اس سے پہلے ملائکہ کو تسبیح و تقدیس کا علم نہ تھا۔ پس ہم اس وقت سے خدا کی توحید بیان کرنے والے ہیں۔ تو

جس طرح اس نے ہمیں اور ہمارے شیعوں کو یہ خصوصی شرف مرحمت فرمایا ہے۔ منزاوار ہے کہ ہمیں اعلیٰ علیتیں میں جگہ مرحمت فرمائے۔ نیز باب فضائل ائمہ میں بطریق ائمہ اہلبیت جناب رسالت سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ائمہ میرے بعد

بارہ ہوں گے۔ پہلا ان میں سے علی بن ابی طالب اور آخری ان کا حضرت قائم ہوگا۔ یہ میرے جانشین اور اوصیاء و اولیاء

سے واضح رہے کہ حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک تمام انبیاء اہل محمد کے شیعیان کے زمرہ میں داخل ہیں۔ اور اسی طرح

ان کے اوصیاء بھی (منہ)

ہوں گے اور میرے بعد خدا کی طرف سے حجت علی الخلق ہوں گے۔ ان کی امامت کا اقرار کرنے والا مومن اور انکار کرنے والا کافر ہوگا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ میری اہلبیت مثل ستارگان آسمان کے ہے جس طرح ستارے اہل آسمان کے لئے امان ہیں اسی طرح اہلبیت اہل زمین کے لئے باعث امان ہیں۔

ان روایات کے نقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرات محمد و آل محمد ساری خلقت ارضی و سماوی کے مدرس و معلم ہیں جس طرح عالم اکبر کی قدسی مخلوق عالم انوار میں عقل کل اور مخلوق اول نور محمد مصطفیٰ و آل محمد کے انوار طاہرہ سے درس و توحید و تجہید اور تسبیح و تقدیس حاصل کر کے صمد و ثنائے ذات خدا میں رطب اللسان ہوئی۔ اسی طرح عالم ظاہر میں بھی تاقیامت انہی کی ذوات طاہرہ ہادی کل و حجت خدا ہیں۔

اول مخلوق کے متعلق جو روایات وارد ہوئی ہیں۔ بعض میں **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ مَنْوَرًا** یعنی سب سے پہلے سرکار رسالت کے نور کو خلق کیا گیا و بعض میں ہے **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلَ** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول مخلوق عقل ہے دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب وجود نوری سرکار رسالت کی جدا جدا تعبیریں ہیں یہی کائنات عالم کی عقل کل بھی ہیں اور نور اول بھی۔ لہذا کوئی منافات روایتوں میں نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات حضرت جبرئیل خدمت سرکار رسالت میں موجود ہوتے اور حضرت علی کی آمد پر ان کے لئے بہر تعظیم کمرے موبہاتے حضور کے استفسار پر جواب دیتے تھے کہ ان کا میرے اوپر حق تعظیم ہے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ تو جبرئیل نے عرض کی کہ ابتدائے خلقت میں مجھ سے خالق کا خطاب ہوا کہ **مَنْ أَنَا وَمَنْ أَنْتَ** میں کون اور تو کون ہے؟ تو میں نے جواب دیا **أَنَا أَنَا وَأَنْتَ أَنْتَ** میں میں ہوں اور تو تو ہے پھر دوبارہ یہی سوال و جواب ہوا جب سے بارہ سوال ہوا تو میں فوجیرت تھا کہ کیا جواب عرض کروں پس اچانک عالم انوار سے اسی جوان کو دیکھا اور اس نے مجھے صحیح جواب تعظیم کیا اور فرمایا کہ تو کہہ کہ تو ثرت جلیل ہے اور میں تیرا عبد ذلیل ہوں۔ تیرا نام جلیل ہے اور میرا نام جبرئیل ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تیری خلقت کب سے ہے؟ تو جواب دیا کہ جانب عرش سے ایک ستارہ تیس ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ طلوع کرتا ہے اور اب تک میں اس کو تیس ہزار بار دیکھ چکا ہوں۔

پس یہ ذوات مقدسہ عقل کل کی حیثیت سے جس طرح عالم اکبر کی سفلی مخلوق جن و انسان کے لئے ہادی ہیں۔ اسی طرح عالم کی علوی مخلوق ملائکہ و روحانیین کے لئے بھی رہبر و معلم ہیں اور ہمارے عقول چونکہ ان عقول کے مقابلہ میں ناقص ہیں لہذا جب تک ہم ان سے ربط تعلق پیدا نہ کریں تو فیوض قدسیہ اور انوار معرفت الہیہ تک رسائی ناممکن ہے۔ کیونکہ ہماری عقلیں تمام اشیاء کے جہاں صالح و مقاصد کا نہ ادراک کر سکتی ہیں اور نہ صحیح لائحہ عمل از خود مرتب کر کے صراط مستقیم

لے **لَوَاعِبِ الْاِحْزَانِ** ص ۲۵۰ جناب رسالتناک خود جانتے تھے لیکن اس بات کو منظر عام پر لانے کے لئے اس سے سوالات

کئے ممکن ہے کوئی اور وجہ ہو (واللہ اعلم منہ)

کی تعیین کر سکتی ہیں۔

مثال کے طور پر جس طرح ایک غیر تمیز بچہ عقل و دماغ رکھتا ہے جو بچے کے حواس کو اچھی دہری اشیاء کی نشاندہی کرتا ہے لیکن اس کی عقل میں جس قدر قوت ہے اسی مقدار کی موزونیت سے وہ فرائض رہبری انجام دیتی ہے اسے صرف اتنا بتا سکتی ہے کہ یہ کھانے کی چیز ہے اور یہ پینے کی چیز ہے۔ لیکن یہ صلاحیت اس کی عقل میں ہرگز نہیں کہ بچے کو اپنی دیگانی کے درمیان تمیز بھی بتا سکے۔ لہذا اس کا نظریہ ہر خود دنی و نوشیدنی شئی کے استعمال تک ہی محدود رہتا ہے۔ عقل کے اس شعبے کے نفع و نقصان کا فرق بھی نہیں بتا سکتی۔ کیونکہ اس میں اس کی بھی صلاحیت نہیں ہے وہ صرف شکم پری کی رہبری ہی کر سکتی ہے۔ اب چونکہ اس بچہ کی رہبر (عقل) رہبری کے درست فرائض انجام نہیں دے سکتی۔ کیونکہ اس میں قوت ہی نہیں۔ لہذا اس بچے کے افعال کی ترقی یا انجام کی برائی میں اس کو طاقت نہیں کی جاتی اور حکومت شرعیہ اور حکومت ظاہریہ دنیاویہ ہر دو کے نزدیک بچہ اپنے افعال کا ذمہ دار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اور نہ وہ جزا و سزا کا سزاوار گردانا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے افعال کی باز پرس اس کے مربی (ماں، باپ) وغیرہ سے ہوتی ہے اور وہی اس کے ذمہ دار قرار دیے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی عقل اس کے مقابلہ میں کمال ہیں۔

اسی طریق پر ہمارے عقل گو کمال کی انتہا کو پہنچ جائیں، عقل انبیاء خصوصاً محمد و آل محمد کے عقل کا ملکہ کے مقابلہ میں بالکل ناقص اور خورد سال بچے کی عقل کی مانند ہیں۔ پس یہ ہماری رہبری اپنی حد رسائی تک تو ضرور کر سکتی ہیں۔ لیکن اس سے آگے قدم بڑھانا ان کے لئے ناممکن ہے کیونکہ تمام اشیاء ضرورت اور امور حفاظت کے مصالح و مفاسد کا نہ ان کو علم ہو سکتا ہے اور نہ اس کے مطابق فرائض ہدایت انجام دے سکتی ہیں۔ بلکہ تمام روزمرہ کی چیزوں میں ہر مصلحت و مفیدہ کا ادراک بھی کلی طور پر ان کے بس سے باہر ہے۔ لہذا وہ انجام کے ذمہ دار کیسے قرار دیے جاسکتے ہیں۔ خود ذاتِ احدیت کا ارشاد ہے۔

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاكُمْ وَتَكْفُرُوا عَنِّي
أَنْ تُجِبُوا شَيْئًا وَهُوَ شَيْءٌ لَّكُمْ بِإِذْنِ

اور ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور درحقیقت تمہاری اس میں بھلائی ہو اور ممکن ہے تم ایک شے کو پسند کرو اور درحقیقت وہ تمہارے لئے بری ہو۔
ہماری عقل آیات مقدمہ کی روشنی میں دوزخ و آسمان کی ترتیب میں فکر یا جسمانی اعضاء کا نظام مرتب اور اس میں غور صرف اس مرحلہ تک پہنچ سکتی ہیں کہ اس کائنات کا خالق و مدبر ضرور ہے جو تمام صفات کمال، علم، قدرت، حکمت اور قدم حیات وغیرہ سے متصف ہے۔

لیکن یہ کہ اس کی ذات تک رسائی کیسے ہو؟ اور اس کی مرضات کی تحصیل کیونکر ہو؟ اور مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (میں نے جنوں اور انسانوں کو معرفت و عبادت کے لئے خلق کیا ہے) کے فرمان کی تعمیل و امثال کس طرح ہو؟

یہ چیز ہماری ناقص عقولوں سے دُور تر ہے۔ لہذا ہمیں عقل کل (حضرات محمد و آل محمد) کی فرمائشات پر عمل کرنا ہوگا۔
منازل معرفت پس معرفت کی پہلی منزل ہے خدا کی پہچان۔ یعنی آثارِ خارجیہ ظاہرہ کا مشاہدہ اور اعضاءِ جسمانیہ اور اس کے اسرار کا مطالعہ کرنے سے عقلِ انسانی وجودِ صانعِ حکیم کے اقرار کی رہبری کرتی ہے لیکن اب اس تک رسائی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آگے قدم بڑھانے کے لئے ایک واسطہ کی

ضرورت ہے جو اس کے اوامر و نواہی سے ہمیں روشناس کرے۔ لہذا معرفت کی دوسری منزل ہے نبی کی پہچان۔ تاکہ اس کی فرمائشات پر عمل کرتے ہوئے اور ان کی ہدایات کو لائحہ عمل قرار دیکر اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ لیکن ان کے گذر جانے کے بعد ان کی صحیح پہچان کیسے ہو؟ اور ان کی فرمائشات تک دسترس کیسے ہو؟ جبکہ علم و عدوان کے جاہر ہاتھوں نے ان کی اکثر تعلیمات کو زمانہ سے روپوش کر دیا۔ بہت سی بدعات کا آغاز کر دیا گیا۔ واقعات و حقائق چھپا دیے گئے۔ ان کی طرف جمہورٹی اور غلط حدیثیں منسوب کر دی گئیں۔ پس معرفت کی تیسری منزل شبہ امام برحقِ حجتِ خدا کی پہچان۔ جن کے ذریعہ سے ہم صحیح طور پر جنابِ نبی علیہ السلام کی تعلیمات حاصل کر کے ان پر عمل کرتے ہوئے خدا کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اسی بناء پر زمانِ غیبت میں اس دُعا کا پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے جو اصول کافی کے باب غیبت امام میں حضرت

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔
 اللَّهُمَّ عَرِّفْنِي نَفْسَكَ فَإِنَّكَ إِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِي
 نَفْسَكَ لَمْ أَعْرِفْ بِذِيكَ اللَّهُمَّ عَرِّفْنِي
 نَبِيَّكَ فَإِنَّكَ إِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِي بِنَبِيِّكَ لَمْ
 أَعْرِفْ حُجَّتَكَ اللَّهُمَّ عَرِّفْنِي حُجَّتَكَ
 فَإِنَّكَ إِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِي حُجَّتَكَ ضَلَلْتُ
 عَنْ دِينِي۔

اے میرے اللہ مجھے اپنی ذات کی معرفت عطا فرما۔ کیونکہ اگر تو نے مجھے
 اپنی ذات کی معرفت عطا نہ کی۔ تو میں تیرے نبی کی معرفت حاصل
 نہ کر سکوں گا۔ اے میرے اللہ مجھے اپنے نبی کی معرفت عطا کر۔
 پس اگر تو نے مجھے اپنی نبی کی معرفت نہ دی تو میں تیری حجت کی
 معرفت حاصل نہ کر سکوں گا۔ اے میرے اللہ مجھے اپنی حجت کی
 معرفت عطا فرما کیونکہ تو نے اگر مجھ کو اپنی حجت کی معرفت عطا نہ کی
 تو میں دین سے گمراہ ہو جاؤں گا۔

کیونکہ ترتیب معرفت یہی ہے کہ اولاً عقلیہ سے خدا کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کے احکام پر مطلع ہونے
 کیلئے نبی کی پہچان اور نبوت کی پہچان کے بعد اس کی تعلیمات صحیحہ حاصل کرنے کے لئے اس کے صحیح جانشین کی تلاش لازم اور واجب ہے
 توحید کی معرفت کے بعد ہی نظریہ قائم ہو سکتا ہے کہ خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ وہ ہی ہو سکتا ہے۔ جو انسانی
 امکانی کمالات میں سے انہی حد پر پہنچا ہوا ہو۔ ہماری طرح کا عام انسان قطعاً اس عہدہ پر فائز نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اسے پھر
 ایک اور واسطہ کی ضرورت ہوگی۔ وعلیٰ ہذا التیاس۔ اور یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا۔ پس اس کا انتخاب بھی اللہ ہی کی جانب سے

ہونا ضروری ہے اور جب نبی کی صحیح معرفت ہو جائے گی تو اس کے جانشین کی صحیح معرفت کا امکان ہو سکتا ہے ورنہ اگر نبی کو اپنے جیسا ایک عام انسان فرض کر لیا۔ تو اس کا قائم مقام بھی اپنے جیسا ہی تصور کریں گے لیکن جب نبی کو عام انسانوں سے مافوق حیثیت کا حامل قرار دیں گے تو اس کے جانشین کے متعلق بھی یہی نظریہ ہو گا۔ پس جب نبی کا انتخاب اپنی انسانی دسترس سے بالاتر سمجھیں گے تو اس کے حقیقی جانشین کا انتخاب بھی اپنی پہنچ سے بالاتر جانیں گے اور نبی کے انتخاب کی طرح اس کا انتخاب بھی خدا ہی کی جانب سے ضروری تصور کریں گے۔ پس جب امام کی معرفت جو نبی کا صحیح قائم مقام اور روحانی پیشوا ہے ہو گئی تو صراط مستقیم مل گیا۔ ورنہ گمراہی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

جس طرح عقل اس عالم اصغر (وجود انسانی) میں معصومانہ حیثیت کی حامل ہے اسی طرح عقل کل (وجود نبوت) وجود کائنات میں معصومانہ حیثیت کا حامل ہونا چاہیے اور یہ یاد رہے کہ گذشتہ انبیاء چونکہ محدود اور مختصر ماحول کے نبی تھے۔ لہذا وہ اپنے اپنے ماحول کے لحاظ سے اپنی امتوں کے جزوی عقول کے مقابلہ میں عقل کل تھے اور جناب رسالتا ب چونکہ کائنات عالم کے لئے کلی نبی اور رحمتہ للعالمین) ہیں۔ لہذا یہ کائنات اور عالمین کے مقابلہ میں عقل کل ہیں۔

عقل انسانی کو میں نے اس لئے معصوم کہا ہے کہ باقی تمام اعضاء کی غلطیوں پر اس کی نگاہ رہتی ہے اور جہاں تک اس کی قوت کی پہنچ ہے اور اس کے علم کا تعلق ہے۔ قطعاً فعل بد کے ارتکاب کو بڑی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور ہرگز افعال ناشائستہ کی دعوت نہیں دیتی ورنہ اگر نیکیوں کو پس پشت ڈال کر اس میں بھی برائیوں کی بجائے ادری کا جذبہ ہوتا تو اس کی وجود انسانی میں مبلغ کی حیثیت نہ ہوتی اور خدائی خطابات کا اس سے تعلق نہ ہوتا۔ حالانکہ خدائی خطابات سب عقل والوں کے لئے ہی ہیں۔ پس اس کا اپنا انداز معصومانہ ہے خواہ خواہشات نفسانیہ اس کو مغلوب کر کے کس مہر سی کی حالت میں ہی کیوں نہ چھوڑ دیں۔

نیز جس طرح عقل وجود انسانی میں اعلم ہے تمام اعضاء سے۔

اسی طرح ہر نبی اپنی امت سے اور حضرت رسالتا ب کل کائنات سے اعلم ہیں کیوں کہ وہ ان کے مقابلہ میں عقل

کل ہیں۔ جہاں تک پہنچ کر اب حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے دوسرے شعر کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔

تمام عالم کا وجود کتاب اکبر اور وجود انسانی کتاب اصغر

آسمان و زمین کتاب عالم کے دو بڑے باب ہیں۔ آسمان میں شمس و قمر ستارے وغیرہ جدا جدا عنوانات ہیں اور

ان کے جزوی حالات و فوائد پر از حکمت مصالح اور ان کی اوضاع و حرکات میں عجیب و غریب اسرار فکر کرنے والوں کے

لئے گریا ایک قسم کی بتیں و مفصل تحریریں ہیں اور زمین میں عناصر اربعہ موالید ثلاثہ وغیرہ جدا جدا فصولی و عنوانات ہیں اور ان

میں سے ہر ہر جنس و نوع پر تفصیلی تبصرے کتاب مہر سی کا مطالعہ ہے۔

اسی طرح وجود انسانی میں سر اور باقی جسم دو مستقل باب ہیں۔

ایک طرف سر میں ہر ہر عضو علیحدہ علیحدہ فصلیں ہیں اور دوسری طرف جسم کا ہر ہر حصہ جدا جدا عنوان ہے اور پھر ہر ہر عضو کی تشریحات و تفصیلات، غوامض و دقائق، فوائد و مصالح اور ان میں عجیب و غریب صنائع و بدائع کتاب وجود کی مبرہن تحریریں ہیں۔

جس طرح طبیعیات، فلکیات، عنصریات کا عالم ان حالات و واقعات اور رموز و اسرار پر ایک حد تک مطلع ہو جانے کے بعد پکار اٹھتا ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا مِيرے اللہ یہ چیز تو نے بے کار اور خالی از حکمت پیدا نہیں کی ہے۔ اسی طرح علم ابدان حاصل کرنے کے بعد اور پھر ہر ہر عضو کی وضع و ساخت پر نظر نائر ڈالنے کے بعد قہراً انسان کی زبان سے نکل جاتا ہے۔ تَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

اس مقام پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور طبیب ہندی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہندی طبیب سے مکالمہ

کا مکالمہ خالی از فائدہ نہیں جس میں زبان امامت سے خلقت انسانی کے نایاب اسرار و رموز منظر عام پر آئے۔ طبیب ہندی سے جب آپ کی ملاقات ہوئی۔ تو رسمی گفتگو کے بعد آپ نے طبیب ہندی سے سوال کیا۔ طب کا عالم میں زیادہ ہوں یا تو۔ اس کے عرض کی کہ اس فن میں مجھے زیادہ دسترس حاصل ہے۔ (یہ سن کر آپ نے اچھٹائے انسانی کی وضع و ساخت کے علل و مصالح کے متعلق انیس سوالات اس سے کئے جن کے جوابات سے وہ قاصر رہا ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ سر کے اندر چھوٹے چھوٹے گوشے کیوں موجود ہیں۔ یعنی کھوپری کی بڑی ہموار کیوں نہیں؟

۲۔ سر کے اوپر بال کیوں ہیں؟

۳۔ پیشانی بالوں سے کیوں خالی ہے؟

۴۔ پیشانی پر خطوط (بل) کیوں پیدا کئے گئے ہیں۔

۵۔ ابرو آنکھوں کے اوپر کیوں پیدا کئے گئے ہیں۔

۶۔ آنکھوں کی وضع باوامی نمونہ پر کیوں ہے؟ یعنی درمیان میں موٹی اور کنارے باریک۔

۷۔ ناک کو آنکھوں کے درمیان کیوں رکھا گیا ہے؟

۸۔ ناک کے سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہیں؟

۹۔ ہونٹ اور مونچھیں منہ کے اوپر کیوں پیدا کی گئی ہیں؟

۱۰۔ دانتوں کی تیزی، داڑھوں کی چوڑائی اور نابوں کی لمبائی کس لئے ہے؟

۱۱۔ مردوں کی داڑھی کیوں ہے؟

لے الدمعة الساکبہ

- ۱۲- ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں ہیں۔
- ۱۳- ناخنوں اور بالوں کے اندر زندگی کیوں نہیں ہے؟
- ۱۴- دل کی شکل صنوبری کیوں ہے؟
- ۱۵- پیپٹرو اور حصوں پر منقسم کیوں ہے؟
- ۱۶- جگر عذب کیوں ہے؟
- ۱۷- گردہ لوبیا کی شکل میں کیوں ہے؟
- ۱۸- گھٹنے پیچھے کو کیوں ٹرتے ہیں؟
- ۱۹- قدم درمیان میں اوپر کو کیوں اٹھا ہوا ہے۔
- ان سوالات میں سے ہر ایک کے جواب میں طبیب ہندی یہی کہتا رہا کہ حضور مجھے اس کا جواب معلوم نہیں، انوکھا حضرت نے فرمایا کہ اگر تو نہیں جانتا تو ان کے جواب میں تجھے خود بتلاؤں۔ طبیب ہندی نے عرض کی حضور! آپ بیان فرمائیں تو آپ نے ہر سوال کا جواب اسی ترتیب سے بیان فرمایا۔
- ج ۱- کھوپری اگر اندر سے ہموار ہوتی تو صداع کا اثر جلدی سے ہوتا۔ اس کے اندر کے گوشے صداع کو دُور رکھتے ہیں۔
- ۲- سر کے بال اس لئے ہیں کہ تیل یا دیگر روغنی ماسٹ کا اثر رساموں کے ذریعہ سے (اندر پہنچ سکے اور بخارات داغیہ راہی مسامات کے ذریعہ سے باسانی باہر نکل سکیں) نیز ٹھنڈک یا گرمی کے اثرات حسب ضرورت اندر جذب ہو سکیں۔
- ۳- پیشانی کو بالوں سے اس لئے خالی رکھا گیا ہے کہ آنکھیں اچھی طرح روشنی حاصل کر سکیں۔
- ۴- پیشانی پر خطوط دہل دشکن اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ گرمی کا پسینہ سیدھا آنکھوں میں نہ چلا جائے۔ بلکہ ان خشکوں میں رگ جائے۔ تاکہ ہاتھ کی مدد سے اس کو دہاں سے دُور کر دیا جائے جس طرح زمین میں زیادہ پانی کو دفع کرنے کے لئے نالے یا نہریں کھودی جاتی ہیں۔
- ۵- ابرؤں کو آنکھوں کے اوپر اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ ضرورت سے زائد دھوپ کو روکے رکھیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ دھوپ کی شدت کو آنکھوں سے کم کرنے کے لئے بعض اوقات ہاتھ کی پتیلی سے بھی مدد لی جایا کرتی ہے۔
- ۶- ناک کو آنکھوں کے درمیان اس لئے رکھا گیا ہے کہ روشنی برابر دونوں حصوں میں تقسیم ہو کر ہر آنکھ میں پہنچے۔
- ۷- آنکھ کو بارہا ہی شکل اس لئے دی گئی ہے کہ بصورت بیماری بذریعہ سلائی وغیرہ کے اس میں دوائی ڈالنا آسان ہو۔ اور اس کے ہر دو گوشوں سے مادہ غلیظہ خارج ہوتا ہے۔ ورنہ اگر مستطیل یا مربع یا مدور ہو تو مصلحت ختم ہو جاتی نہ دوائی ڈالنے میں سہولت رہتی اور نہ غلاط کا خروج آسانی سے ہو سکتا۔

- ۸۔ ناک کے سوراخ نیچے کی طرف اس لئے ہیں کہ دماغ سے مواد فاسدہ آسانی سے خارج ہو سکیں اور خوشبو سہولت کے ساتھ دماغ کی طرف جاسکے۔ اگر سوراخ اوپر کی طرف ہوتے تو نہ فضلات دماغ آسانی سے خارج ہو سکتے اور نہ خوشبو دماغ میں آسانی سے پہنچ سکتی۔
- ۹۔ ہونٹ اور مونچھیں منہ کے اوپر اس لئے قرار دی گئیں کہ دماغ سے خارج شدہ فضلات منہ کو گذر نہ کریں۔
- ۱۰۔ دارلصی مردوں کے لئے پیدا کی گئی تاکہ عورتوں اور مردوں میں امتیاز رہے۔
- ۱۱۔ دانت تیز اس لئے کر دیئے گئے ہیں تاکہ سخت غذا کے کاٹنے میں سہولت ہو اور ڈاڑھوں کا چپٹا ہونا چبانے کی سہولت کے لئے اور نابوں کا بلند ہونا دانتوں اور ڈاڑھوں کے درمیان ربط کی مضبوطی کے لئے ہے۔ جس طرح لمبی دیواروں کے درمیان منارے رکھ دیئے جاتے ہیں تاکہ دیوار زیادہ مضبوط رہے۔
- ۱۲۔ ہتھیلیاں بالوں سے خالی ہیں تاکہ قوت لامسہ صحیح کام کر سکے اگر بالی ہوتے تو یہ فائدہ کا حقہ حاصل نہ ہو سکتا۔
- ۱۳۔ ناخن اور بال بڑھ جانے کے بعد بد نما لگتے ہیں۔ لہذا ان کو کاٹنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس ان کو زندگی اس لئے نہیں دی گئی۔ تاکہ کاسٹے میں تکلیف نہ ہو۔
- ۱۴۔ دل کو صنوبری شکل کا اس لئے بنایا گیا ہے کیونکہ وہ اٹار رکھا ہوا ہے اور اس کا باریک کنارہ پھیپڑے کے اندر داخل کر دیا گیا ہے۔ تاکہ پھیپڑے میں آنے والی تازہ ہوا سے اس کو ٹھنڈک پہنچتی رہے اور دماغ کی حرارت اس کو نقصان نہ پہنچا سکے۔
- ۱۵۔ پھیپڑے کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے کہ ہوا کی آمد و رفت سے آسانی حرکت کر سکے۔
- ۱۶۔ جگر کو مدب (درمیان کا حصہ ابھرا ہوا) اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ اوپر سے معدہ کے بوجھ پڑنے سے اس کے نجارات آسانی کے ساتھ اتر سکیں۔
- ۱۷۔ گردہ کو لوبیا کی شکل اس لئے دی گئی ہے کہ مادہ منویہ کے گرنے کی جگہ ہے۔ منی اس پر قطرہ قطرہ ہو کر گرتی ہے اگر یہ مربع یا مدور شکل کے ہوتے تو قطرات منی کو ترتیب وار قطرہ قطرہ آگے نہ بھیجتے بلکہ یکجا اور اکٹھا کر دیتے اور وہ لطف جو حاصل ہوتا ہے اس صورت میں حاصل نہ ہو سکتا کیونکہ جب منی صلب سے گردوں پر گرتی ہے تو یہ متواتر سکر تے اور پھیلتے رہتے ہیں۔ پس اپنے پھیلاؤ سے باہر آنے والے قطرہ کو آگے بھیج دیا کرتے ہیں۔
- ۱۸۔ گھٹنوں کا موڑ پیچھے اس لئے ہے کہ اس کا اٹھ ہوتا تو آگے کی طرف چلا نہ جاسکتا بلکہ چلنے والا منہ کے بل گر پڑتا۔
- ۱۹۔ پاؤں کے تلوے درمیان سے اس لئے اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں کہ جب کوئی چیز زمین پر متوازی طور پر پڑ سکتی ہو تو اس کا زمین پر رکھنا اور اٹھانا ہر دو شکل ہوا کرتے ہیں۔
- ہندی طبیب نے جب امام عالی مقام حضرت صادق آل محمد علیہ آلاف التحیہ والسلام کی زبان ہالیوں سے

یہ تفصیل سنی تو فوراً کلمہ توحید و رسالت زبان پر جاری کیا اور آپ کے امام برحق ہونے کا اعتراف کیا۔ ہم نے تفسیر حلد بلا ص ۵۵ پر طبیب ہندی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

نیز کتاب الدمعة السکبہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ تو قیاس کرتا ہے۔ اس نے عرض کی! جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ تیرے اوپر وہیل ہو قیاس نہ کیا کر۔ کیونکہ پہلا قیاس کرنے والا شخص ابلیس ہے۔ جس نے آگ کو مٹی پر قیاس کر کے افضل ثابت کیا اگر آدم کے نور کا نار سے موازنہ کرتا تو اسے اپنی غلطی کا علم ہو جاتا۔ اچھا! تو مجھے اپنے سر کے متعلق قیاس کر کے بتا۔

۱۔ کانوں میں تلخی کا مادہ کیوں ہے (قیاس سے جواب دے)

۲۔ آنکھوں میں نمکینی کیوں ہے؟

۳۔ ہونٹوں کا مادہ شیریں کیوں ہے۔

۴۔ اور ناک میں ٹھنڈک کس لئے ہے (یہ چار مادے تلخ نمکین شیریں سرد اپنے مقامات پر مصلحت کی بنا پر ہیں) ابو حنیفہ نے عرض کی۔ حضور! مجھے معلوم نہیں کہ ایسا کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے بدن کے معاملہ تو قیاس نہیں کر سکتا۔ اور حلال و حرام کے معاملہ میں قیاس کرتا ہے وہ عرض کرنے لگا۔ حضور! مجھے (ازراہ کرم) سمجھائیے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

۱۔ اگر کانوں کا مادہ تلخ نہ ہوتا تو حشرات الارض ان کے سوراخوں میں داخل ہو کر نقصان دہ ہوتے۔ خداوند کریم نے ان کو تلخ مادہ دیدیا ہے تاکہ جو کبیر وغیرہ داخل ہونا چاہے اس مادہ کی تلخی سے متاثر ہو کر مر جائے اور آگے جا کر دماغ کو نقصان دہ ضرر نہ پہنچا سکے۔

۲۔ آنکھوں کو نمکین مادہ اس لئے دیا ہے کہ یہ دونوں چربی کے ٹکڑے ہیں اگر نمکین نہ ہوتے تو آنسو کی حرارت سے گلج جاتے

۳۔ ہونٹوں یا بعض روایات کی بنا پر ہونٹوں کے پانی کو۔ کھانے پینے کے ذائقے سے لطف اندوز ہونے کے لئے شیرینی کا مادہ دیا۔

۴۔ ناک کو ٹھنڈا مادہ اس لئے دیا گیا کہ حسب ضرورت فضلات دماغیہ کو سہولت سے خارج کر سکے۔ اگر اس کا مادہ گرم ہوتا تو جو قرب کے دماغ کو چھلکا کر ختم کر دیتا۔

ان کے علاوہ مفصل کتابوں میں آئمہ طاہرین نے انسانی اعضاء کے مصالح اور ان کی وضع و ساخت پر جو تبصرہ فرمایا

ہے اس کے ضبط کے لئے علیحدہ کتاب چاہیے۔ نیز کتاب وجود انسانی کی مفصل تحریرات کے مطالعہ کے لئے بھی ایک کافی وقت درکار ہے لیکن معمولی سے معمولی حد تک بھی معلومات کا حاصل ہو جانا صانع حکیم کی معرفت کا بہترین ذریعہ ہے اس لئے تو مولائے کائنات حلال مشکلات حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ لے انسان تو وہ کتاب مبین ہے جس کے ہر حرف کے اندر معارف و حقائق کے خزانے نہاں ہیں جو مطالعہ کرنے سے ظہور پذیر ہو کر منظر عام پر آتے ہیں۔

نتیجہ بحث | جب اس کتاب صغیر (وجود انسانی) کے مطالعہ اور اس کے اسرار و رموز پر اطلاع ملنے سے

اس کے کاتب (صانع حکیم) کے وجود جامع صفات کمال کا پتہ ملتا ہے کیونکہ اس کا ایک ایک حرف معرفت خدا کا بے پایاں نوزاد ہے۔

تو اس کتاب کبیر (وجود عالم) کی تفصیلات پر غور کرنے والا اور اس کے مطالعہ میں شغف رکھنے والا کیونکر تشنہ معرفت رہ سکتا ہے اسی بنا پر تو خالق کائنات نے آفاق اور انفس ہر دو کے مطالعہ کی طرف معرفت حاصل کرنے کے لئے یکساں طور پر دعوت دی ہے چنانچہ اس عنوان میں ابتدائی آیات قرآنیہ کا یہی مطلب ہے

پس جس ہستی کو ان دونوں کتابوں کے تفصیلی مضامین پر عبور حاصل ہو وہ کہوں نہ دعوت کرے سَتَدْعُوْنِي قَبْلَ اَنْ تَفْقَهُوْا وِفْوِيْ اور یہ بھی واضح ہے کہ مقام معرفت جس قدر بلند ہو مقام عبودیت میں بھی اسی قدر ارتقاء ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

كَفِيْ فِيْ فَعْمَا اَنْ تَكُوْمِيْنَ لِيْ سَابِقًا وَّ كَفِيْ
میرے فخر میں یہی کافی ہے کہ تو ہی میرا رب ہے۔
فِيْ عِيْنًا اَنْ اَكُوْنُ لَكَ عَبْدًا
اور میری عزت کے لئے یہی کافی ہے کہ تیرا ہی عبد ہوں۔

اس کلام پاک میں جو سرکارِ ولایت نے کوزے میں دریا بلکہ قطرہ میں سمندر کو سمو دیا ہے وہ صرف ذوقِ سلیم والے ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ سچ ہے کلام الامام - امام الکلام امام کا کلام باقی تمام کلاموں کا امام ہوتا ہے۔

پھر کیف اس کے صنایع و بدائع پر نظر ڈالنے کے بعد صاحبِ عقل سلیم کے لئے راہ انکار و فرار قطعاً مسدود ہو جاتی ہے۔ لیکن ساتھ یہ یاد رہے کہ جس طرح خدا تمام صفات کمال کا جامع ہے اور صفات اس کی عین ذات ہیں۔ اسی طرح یہ اعتقاد مزوری ہے کہ نہ وہ دنیا میں نظر آ سکتا ہے نہ آخرت میں نظر آسکے گا جو لوگ اس کے دنیا یا آخرت میں نظر آنے یا آسکنے کے قائل ہیں وہ خدا کی معرفت سے قطعاً بے بہرہ ہیں۔

ذرا اپنے گریبان میں نگاہ ڈال کر جائزہ لیں کہ جب اپنی رُوح جو اس چوڑے سے جسم کی مدد سے اس کو نہیں دیکھا جاسکتا تو مدبرِ عالمین کو کیسے دیکھا جاسکتا ہے؟ دیکھنے کے لئے آنکھ ہے اور وہ ہر اس شے کو دیکھ سکتی ہے جو رنگ و مادہ کثیف رکھتی ہو؟ اور جس میں نہ رنگ ہو نہ کثافت ہو آنکھ اس کا قطعاً ادراک کر ہی نہیں سکتی اور خداوندِ کریم نہ کثیف ہے اور نہ رنگ کا محل ہے فرماتا ہے کَيْفَ تَرَوْنَ شَيْءًا لَّا تَدْرِكُوْهُ اَلْاَبْصَارُ وَ هُوَ يَدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ الَّذِيْ يُظْهِرُ الْخَيْاطُورَ جَبَّامٍ لَّطِيْفٍ مَخْلُوْقٍ كَيْفَ تَرَوْنَ شَيْءًا لَّا تَدْرِكُوْهُ اَلْاَبْصَارُ وَ هُوَ يَدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ الَّذِيْ يُظْهِرُ الْخَيْاطُورَ جَبَّامٍ لَّطِيْفٍ مَخْلُوْقٍ

دیکھنے پر کیسے قادر ہوگی؟

یہ بھی خیال رہے کہ عالم خواب میں بھی وہی چیز دیکھی جاتی ہے جو عالم بیداری میں دیکھی جاسکتی ہو پس خدا کا دیکھنا نہ خواب میں ممکن ہے اور نہ بیداری میں۔ نہ اس کی مثال ہے نہ شبیہ۔ نہ وہ تصور میں سما سکتا ہے اور نہ وہم میں آسکتا ہے انسان کے وہم و گمان و عقل سے اس کی ذات کا ادراک بند و بالا ہے چہ جائیکہ آنکھ اس کو ادراک کر سکے تَعَالَى اللهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

البتہ بعض وہ آیات قرآنیہ جن کے پیش نظر لوگ اشتباہ میں مبتلا ہیں ان کا تفصیلی بیان تو اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ اس مقام پر اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جب عقل و نقل سے ثابت ہو چکا ہے کہ خالق کائنات، مماثلت و مشابہت مخلوقات سے برتر و بالا ہے۔ جسم و جسمانیت سے متبرک ہے تو اگر کوئی آیت ایسی آجائے جس سے اس کی حسیت یا مماثلت کا وہم پڑے پس اس کی صحیح تادیل ضروری ہے مثلاً یَوْمَ کَشَفْتُ عَنْ سَاقِ کَیْ لَیْمَ عِلْطِیْہِ کہ وہ اپنی پنڈلی کو ظاہر کرے گا۔ بلکہ یہ لفظ یعنی کشف عن الساق اس دن کی شدت سے کنایہ ہے عَلٰی الْعَرُوضِ السَّوْیِ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے بلکہ استوی کا معنی استوی ہے یعنی غالب و مسلط ہے اسی طرح ید اللہ، و ہب اللہ سے مراد اس کی قدرت و نعمت ذات وغیرہ مراد لئے جاسکتے ہیں بعض مقامات پر صرف مضاف مانا جاسکتا ہے۔ و علیٰ ذلک یاقین۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلیت عصمت کے دروازہ سے کنارہ کرنے کی دہرے لوگوں نے توحید کا راستہ کھو دیا ہے۔ بخاری وانے نے تو صاف کھو دیا ہے کہ جب دوزخ هل من مسزید کی آواز بلند کرے گی تو خدا اپنے قدم جنہم میں رکھیگا تب وہ کہے گی بس میں ہیں سیر ہو گئی) صحیح بخاری تفسیر سورہ قی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ اِنَّمَا الَّذِیْنِ فِیْ قُلُوْبِهِمْ رِیْبٌ فِیْئْتِیْہُمْ عَوْنٌ مَّا تَشَابَہُ مِنْہُ اُولٰٓئِکَ (جن لوگوں کو دلائل میں کچی ہے وہ تشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں)

ضرورتِ نبوی

وہ خدا جو کل کائنات کا خالق اور ہر شے پر قادر ہے اس کی ہر صنعت عین حکمت، اس کا ہر فعل عین عدل ازلی ابدی قدیم قیوم، اس کی صفات عین ذات، نہ دیکھنے میں نہ سُننے میں، نہ سونگنے میں نہ چھوتنے میں اور نہ چکھنے میں آتے۔ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے بے نیاز ہے، باوجود انتہائی قریب کے انتہائی بعد بھی رکھتا ہے اور باوجود بعید تر ہونے کے قریب تر بھی ہے نہ زبان کا محتاج اور نہ مکان کا خواہشمند ہے۔ چنانچہ بخاری الانوار ص ۱۰ میں ہے کہ جب حضرت امیر المؤمنین علیؑ سلام نے برسرِ منبر دعوے (مسکوئی) کیا تو ایک شخص غلب نامی نہایت طرار، بلیغ اللسان اور جہری القلب حاضرین میں سے یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا کہ آج علیؑ نے بہت اونچی اور مشکل جگہ پر قدم رکھا ہے میں ان کو جواب کر کے (معاذ اللہ) شرمسار کرتا ہوں، پس عرض کی: یا امیر المؤمنین! کیا آپ نے کبھی اپنے

لئے ایک شاعر جاہلی سعد بن مالک نے جنگ بوسرا کی شدت کے متعلق کہا ہے: کَشَفْتُ لَہُمْ عَنْ سَاقِہَا وَبَدَا مِنْ الشَّرِّ الصَّرَاحُ (ازحمامہ) منہ

رب کو دیکھا بھی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ لے ڈغلب! میں ایسا نہیں ہوں کہ ان دیکھے خدا کی عبادت کروں۔ اس نے عرض کی پھر کیسے دیکھا؟ ذرا تشریح فرمائیے۔ آپ نے فرمایا؛ اس کو آنکھیں مشاہدہ بصارت سے نہیں پاسکتیں بلکہ دل بصیرت ایمان سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

لے ڈغلب! میرے رب کو نہ بعید، نہ متحرک، نہ ساکن، نہ قائم یعنی کھڑے ہونے کے کہا جاتا ہے اور نہ وہ اندر رفت کی صفت سے متصف ہے، تمام لطافتوں سے لطیف تر لیکن اس کو باریک نہیں کہا جاسکتا۔ تمام عظمتوں سے عظیم تر لیکن جسمیت کے اعتبار سے نہیں تمام بڑوں سے بڑا لیکن عمر کے اعتبار سے اس کو اس صفت سے متصف نہیں کیا جاسکتا۔ مقام جلال میں جلیل تر نہ جسمانی مخلوق کے معنی میں مقامات رحمت میں رحیم تر لیکن نہ رقت قلبی کے اعتبار سے مومن ہے لیکن نہ اقرار لفظی سے مد رک ہے لیکن نہ احساسات سے متکلم ہے لیکن بغیر تلفظ زبانی کے وہ چیزوں کے اندر ہے لیکن نہ خلط کے رنگ میں اور ہر شے سے خارج ہے لیکن نہ مغایرت کے طور پر اس کے اوپر کوئی شے نہیں کہی جاسکتی۔ وہ ہر شے سے پہلے کوئی شے اس سے پہلے نہیں۔ اشیاء میں داخل لیکن نہ منظر و فیت کے طریق پر اور اشیاء سے باہر ہے لیکن نہ اس طرح کہ جیسے ایک شے سے دوسری شے باہر کر دی جاتی ہے۔

آپ اس مقام پر پہنچے تو ڈغلب ہوش ہو کر زمین پر گر گیا۔ ہوش سنبھالنے پر عرض کرنے لگا۔ خدا کی قسم ایسا جواب میں نے کبھی نہیں سنا تھا اور خدا کی قسم اس قسم کا سوال آئندہ ہرگز نہ کروں گا۔

علاوہ ازیں مقام توحید کو بیان کرنے کے لئے بیچ السبلانہ یاد دیگر کتب خاصہ و عامہ میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی زبان درخشان سے معرفت کے جو دریا جاری ہوئے ہیں وہ صرف آپ ہی کا حصہ تھا اس بلکہ مقام توحید کی طرف اشارہ کرنے کے بعد مجھے یہ کہنا ہے کہ پس ایسی ذات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اور اس کی رضا مندی کی تحصیل اور اس کے غضب سے بچاؤ کے لئے کیا طریق اختیار کرنا چاہئے؟ اس غرض کے لئے کیا ہم خود اپنا راستہ معین کر سکتے ہیں یا کسی ایسے واسطہ کی ضرورت ہے جو وہاں سے لاکر یہاں پہنچائے؟ جن کا تعلق اس کی ذات سے بھی ہو اور ہماری پہنچ بھی اس تک ہو سکتی ہو۔ نہ وہ اس کی مثل کیونکہ کیسے کیسے شے اور نہ وہ پوری طرح ہمارے مشابہ ہو۔ ورنہ وہ بھی فیوض قدسیہ الہیہ کی تحصیل میں ہماری طرح عاجز و محتاج غیر ہو جائے گا۔ پس وہ ایسا ہو جو خدا سے ادھر ہو اور ہم سے ادھر ہو۔

ادھر سے لانے کی اہلیت رکھتا ہو اور ادھر پہنچانے میں بصیرت تامہ کا حامل ہو۔ خدا ارشاد فرماتا ہے۔

اللہ کی طرف پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔

ابْتَعُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (محمد کی) اطاعت کرو الخ

(۱) قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَوْلِيَّيَ

جو تم کو رسول سے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اسے رگ جاؤ الخ

(۲) مَا أَسْأَلُكُمْ مِنَ الشَّيْءِ لِيُخَدِّعَكُمْ وَأَنَا سَأَلُكُمْ عَنْهُ فَاتَّبِعُوا

وہ (رسول) خواہش نفس سے نہیں بولتا وہ تو وحیِ خدا ہی ہوتی ہے۔

(۳) وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

۵۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ
رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ
كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝
(۶) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
(۷) فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ
(۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَلَا تَوَلَّوْا أَعْتَابَهُمْ وَانْتَهُرُوا السَّمْعُونَ

البتہ اللہ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا ہے کہ ان میں انہی کے نفسوں
میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت
کرتا ہے اور ان کو پاکیزہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت (شریعت)
کی تعلیم دیتا ہے اور تحقیق وہ اس سے پہلے پوری طرح گمراہی میں تھے
اسے لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بھیجا ہوں (الحجہ
پس اللہ اور اس کے رسول اُمی کے ساتھ ایمان لاؤ الحجہ
اسے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس
سے روگردانی نہ کرو۔ حالانکہ تم سنتے ہو۔

(۹) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ الْآيَةَ

اسے رسول! پہنچا دے وہ چیز جو تیری طرف نازل کی گئی ہے۔

ان قرآنی اقتباسات سے معلوم ہوا کہ انسان خوشنودی خالق کے حاصل کرنے میں اس کے رسول کا محتاج ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے شعر سابق (جو اس سے پہلی فصل میں بیان کیا جا چکا ہے) کی تمثیل کی بنا پر جس
طرح بدن انسانی میں عقل انسانی رسول باطنی ہے۔ اسی طرح وجود عالم میں خدا کا فرستادہ مبلغ عقل کل (رسول ظاہری)
ہے اور وہ اعضاء بدن کا بادی ہے اور یہ افراد عالم کا رہبر ہے۔ جس طرح عقل انسانی انسان کے اعتقاد و عمل دونوں پہلوؤں
میں رہبری کے فرائض انجام دیتی ہے۔

اسی طرح خدا کا رسول افراد عالم کی ہر دو پہلوؤں سے ہدایت کرتا ہے۔ گو گزشتہ بحث میں اس پر روشنی ڈالی جا
چکی ہے لیکن اس مقام پر اعادہ خالی از افادہ نہ ہوگا۔ رسول کے دو کام ہوا کرتے ہیں۔ ایک اصلاح عقیدہ اور دوسرے
اصلاح عمل وہ ایک طرف تو معبود کے متعلق کج مع اعتقادات کو مٹا کر روح معرفت پیدا کرتے ہیں اور دوسری طرف فرائض
عبادت کی تعلیم کے ساتھ تمدن و معاشرہ میں پیدا شدہ خرابیوں کا قلع قمع کر کے اصلاحی طرز عمل کا نفاذ کرتے ہیں۔

دیکھئے! حیوانات میں روح ہے لیکن عقل نہیں۔ پس وہ روح کا احساس رکھتے ہیں لیکن عقل نہ ہونے کی بنا پر
عمل میں صحت و خطا کی تمیز ان میں ناممکن ہے اور انہیں حلال و حرام سے آگاہ کرنا محال ہے۔

پس عقل وجود انسانی میں روح اور باقی اعضاء کے درمیان واسطہ کی حیثیت سے ہے جس کی بدولت انسان کو حیوانات سے امتیازی
شان حاصل ہے لیکن عقل نہ تو روح کے مشابہ ہے بلکہ اس کی مثل ان اعضاء میں کوئی ہو ہی نہیں سکتی اور نہ باقی اعضاء سے اس کی مشابہت
ہے۔ ان البتہ روح کی رعایا ہونے میں باقی اعضاء بدن کے ساتھ شریک ضرور ہے۔ روح سے خود بلا واسطہ استفادہ کرتی ہے اور باقی اعضاء کو فائدہ

پہنچاتی ہے اور باقی تمام اعضاء پر اس کو حق حکومت حاصل ہے اور ان کی اصلاح کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق اس کو کئی امتیازات حاصل
ہیں اگر عقل درمیان میں نہ ہو تو باقی اعضاء کو عام حیوانات کی طرح روح کا احساس تو ضرور ہوگا۔ لیکن نفع و نقصان کا ادراک

مصلحت و مفیدہ کا علم یا حلال و حرام، اپنی و پرائی میں تمیز بہرگز نہ ہو سکے گی۔ پس عقل رُوح اور باقی اعضاء ہر دو کے درمیان واسطہ ہے اور ہر دو کی حقیقت سے جدا ہے اور ہر دو کے ساتھ اتصال کلی بھی اس کو حاصل ہے۔ نہ اس کے مشابہ ہے، نہ ان کے مشابہ ہے اُس سے ادھر ہے اور اُن سے ادھر ہے۔

اسی طرح رسولؐ۔ خدا اور خدائی کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ نہ وہ اُس جیسا ہو سکتا ہے اور نہ اُن جیسا اس کو کہا جاسکتا ہے۔ ہاں اس کی مخلوق عبد رعایا ہونے میں ان جیسا ضرور ہے۔ ہر دو طرف اس کو اتصال حاصل ہے ادھر سے لاتا ہے اور ادھر پہنچاتا ہے اور تمام مخلوق کی اصلاح کے لئے اختیارات وسیعہ کا حامل ہے۔ مَا آتٰكُمْ التَّسْوُلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا جو بھی حکم دیں اس کی اطاعت کرو اور جس سے منع کریں۔ اُس سے رُک جاؤ۔

جس طرح بدن انسانی میں رُوح کی پہلی منزل عقل ہے۔

اسی طرح بدن عالم میں معرفتِ خدا کی پہلی منزل رسولؐ ہے۔

جس طرح بدن انسان میں عقل انسانی مخلوقِ اول ہے۔

اسی طرح ہم عالم میں نور نبوتِ مخلوقِ اول ہے۔

جن انسانوں کو عقل نہیں دی گئی۔ ان سے بڑا و سزا ساقط ہے۔ (جس طرح بچے یا دیوانے)

کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ جب خدا نے عقل کو پیدا کیا۔ تو اس کو گویا کیا۔ پھر فرمایا آگے بڑھ تو وہ بڑھا پھر فرمایا پیچھے ہٹ تو وہ ہٹا۔ پھر فرمایا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم تجھ سے محبوب تر کوئی مخلوق میں نے پیدا نہیں کی اور میں نے محبوب ترین انسان میں ہی تجھے کامل کر کے بھیجا ہے۔ میرے اوامر و نواہی کا تعلق بھی تجھ ہی سے ہوگا۔ اور سزا و جزا کا مورد بھی تو ہی ہوگا۔

فی الکافی عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما خلق الله العقل استنطقه ثم قال اقبل فاقبل ثم قال له ادب فادب ثم قال وعزق و جلالی ما خلقت خلقا هو احب الی منک ولا کم لتک الافی من احب اما فی ایاک امر و ایاک انہی و ایاک اعاقب و ایاک اثیب۔

اسی مضمون کی اور احادیث بھی وارد ہیں۔ جن کو جمع کرنا کتاب میں طول کا باعث ہے۔

ذاتِ احدیت کا عقل سے خطاب کرنا غالباً امر تکوینی ہے نہ کہ تشریحی۔ جس طرح زمین و آسمان سے فرمایا۔ کہ اُوّ پس وہ اطاعت کرتے ہوئے آگئے اور انہوں نے کہا رَاٰنٰی سَا طَاعٰی (جس طرح روزِ ازل تمام ارجح سے خطاب فرمایا اَدَاکُمْ بِسَبِّکُمْ) تو سب نے کہا ربلیٰ (غرض اس سے معرفت و اطاعت کی استعداد کا حسبِ حیثیت ان میں تفریق کرنا ہے۔ واللہ اعلم

لیکن حدیث کے الفاظ ہیں ”اگے آگے“ تودہ آیا اور ”پیچھے ہٹ“ تودہ ہٹا۔ اس اقبال و ادبار کے فرمان کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کے متعلق متعدد توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ میں اس مقام پر صرف چھ ہی عرض کرتا ہوں۔

(۱) عقل سے مراد عقل انسانی ہو تو مقصد یہ ہے کہ عقل سے یہ عہد لیا گیا کہ جب اس کو اپنی حیثیت کے مطابق نفع و نقصان معلوم ہو جائے۔ پھر ایک صورت میں اس کو صاف نفع معلوم ہو اور اسی کام کا دوسرا پہلو اس کی نگاہ میں باعث نقصان ہو تو دریں صورت خدا کا حکم بذریعہ رسول بھی اسی صورت کے موافق ہو جائے۔ جس کے نفع مند اور مطابق مصلحت ہونے کا اس نے خود فیصلہ کیا تھا۔ پس اس صورت میں عقل کی اطاعت کا نام ہے۔ اگے آنا (اقبال) اور اگر خدا کا حکم بذریعہ رسول صورت نفع کے خلاف ہو بلکہ عقل کی نگاہ میں اس کام کا کرنا باعث نقصان ہو تو اپنے نظریہ کے ماتحت ذاتی جذبات کو کہا کہ حکم خدا اور رسول کے سامنے تسلیم خم کرنے کا نام ہے۔ ”ادبار“ پیچھے ہٹنا۔

میبلی صورت کی مثال۔ جیسے نکاح کرنا۔ تجارت کرنا وغیرہ عقل کے نزدیک بھی نافع اور مصلحت دار اور حکم خدا بھی ایسا ہی ہے پس اس قسم کے امور میں اطاعت شغری کا نام اقبال ہے اور دوسری صورت کی مثال جیسے جہاد میں سرکھانا اپنے گائے ہوئے ذاتی مال سے خمس و زکوٰۃ ادا کرنا۔ حج کرنا وغیرہ۔ ظاہری اعتبار سے عقل کے نزدیک جانی یا مالی نقصان کا موجب اور خلاف مصلحت ہیں۔ پس اپنے جذبات کو زیر کر کے خدائی حکم کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے ادبار۔ پس عقل نے عالم کوئی میں دونوں صورتوں میں اطاعت کو قبول کیا اور اب عالم تشریح میں اس سے ہر دو صورتوں میں اطاعت مطلوب ہے۔

واللہ اعلم۔

(۲) عقل سے مراد نور نبوت ہو۔ تو ممکن ہے کہ اقبال سے مراد عالم علوی میں اپنے تقدس و تسبیح کے فریضہ کو ادا کرنا اور ادبار سے مراد عالم سفلی میں جا کر تسبیح و تقدس کے علاوہ فرائض تبلیغ انجام دینا۔

(۳) اقبال کا معنی امت کی اطاعت کی صورت میں فرائض تبلیغ کا انجام دینا اور ادبار سے مراد مخالفت و نافرمانی بلکہ ایذا رسانی کے باوجود اپنے عہد کو نبھاتے رہنا۔

(۴) سنجیدہ و دانا طبقہ کو تعلیم دینا اقبال سے مراد اور نااہل، اکثر مزاج اور کند ذہن طبقہ کو صحیح سلیقہ دہن و لطف کے ساتھ راہ راست پر لانا ادبار سے مراد ہو۔

(۵) تندرستی و صحت کے زمانہ میں اور بیماری و دکھ کی حالت میں نوحہ خودی خالق کو تہ نظر رکھتے ہوئے اس کی اطاعت کو ہر کام میں ملحوظ رکھنا علی الترتیب اقبال و ادبار سے مطلوب ہوں۔

(۶) حالت تجرد میں یعنی مادہ نفسانیہ، غضب و شہویہ کے بغیر صبی اطاعت خدا کو مقدم قرار دینا اور ان فوائد نفسانیہ کو اگر ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ تب بھی اطاعت خالق کو ہی ملحوظ رکھنا علی الترتیب اقبال و ادبار ہوں۔ ان کے علاوہ اور توجیہات بھی بیان کی جاسکتی ہیں اور ہر دو صورتوں میں عقل نے اطاعت کا عہد کیا۔

ورنہ ظاہر کے اعتبار سے اقبال و ادبار کی لفظوں کا کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اور ان توجیہات سے معنی صاف واضح ہے واللہ الموفق۔ بہر کیف میرا مقصد حدیث مذکور سے یہ تھا۔ کہ سزا و جزا عقل سے ہی وابستہ ہے۔ اگر عقل نہیں تو نہ سزا ہے نہ جزا۔ اسی طرح اگر مخلوق میں نبی نہ ہو۔ یا کہیں دعوت نبوت نہ پہنچی ہو تو وہ لوگ بھی معذور ہیں اور ان سے بھی ثواب و عقاب ساقط ہے جس طرح بدن انسان میں عقل بلا واسطہ علم کا مورد ہے اور باقی اعضاء اس کے محتاج ہیں۔ اسی طرح وجود عالم میں نور نبوت بلا واسطہ مورد علم ہے اور باقی لوگ ان سے مستفید و مستفیض ہیں۔ وجود انسانی میں اگر عقل نہ ہو تو انسانیت نہیں رہتی۔

اسی طرح وجود کائنات میں اگر نور نبوت نہ ہو تو کائنات نہ رہے۔ (لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفلاكِ) عقل انسانی وجود انسانی میں سید الاعضاء ہے۔

اسی طرح نور محمدی جو عالمین کی عقل کل میں وہ سید کائنات ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ سے لے کر حضرت حجت تک سب اسی ایک ہی نور کے حصے ہیں۔ جس طرح کہ حدیث نور میں صاف تصریحاً موجود ہے۔ پس سرکار رسالت کے گزربانے کے بعد کائنات کی بقا صرف اس لئے ہے کہ ابھی اس نور کا ایک حصہ دنیا میں باقی ہے ورنہ کائنات ختم ہو جاتی۔ اور قیامت آجاتی اور وہ حضرت حجۃ العصر صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ علیہ السلام ہیں۔ جن کی بقا سے دنیا باقی ہے۔ عقل وجود انسانی میں بے لوث بغیر طمع کے اپنا فریضہ منصبی سمجھ کر الفرض تبلیغ انجام دیتی ہے۔

اسی طرح نبی محمدی اپنی رعایا کے لئے بے لوث مبلغ و مدرس ہوتا ہے۔

عقل وجود انسانی میں پردہ غیبت میں رہ کر اپنی رعایا (اعضائے جہانیا) پر تبلیغ کے فرائض انجام دیتی ہے

اس کے رعایا کی مجال نہیں کہ اس کے وجود کا انکار کر سکیں۔ کیونکہ اس کے آثار و علامات، فیوض و برکات

تنبیہ

قطعاً اس کے جود و انکار کی اجازت نہیں دیتے۔

اسی طرح عقل کل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری جانشین پردہ غیبت میں رہ کر خلق خدا کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ لہذا کسی ہوشمند انسان کے لئے ان کے وجود مسعود کے انکار کی بھی گنجائش نہیں۔

جناب محمد مصطفیٰ خلقت نوری کے بعد سے لے کر حضرت عیسیٰ کے دور نبوت کے اعتقاد تک گو تمام کائنات میں غائبانہ وجود رکھتے تھے لیکن تمام گذشتہ انبیاء اور ان کی امتوں پر ان کی تصدیق واجب اور ان کا انتظار لازم اور ان کی آمد کی صورت میں ان کی نصرت کے لئے تیار رہنا ضروری تھا اور بجز اس کے سابق انبیاء کے نبوتیں متزلزل تھیں چنانچہ قرآن مجید میں میثاق نبیین والی آیت اس امر کا صاف اعلان کر رہی ہے پس بعینہہ اسی طرح ان کے آخری وصی و جانشین کے زمان غیبت میں ان کی امامت کا اقرار اور ان کی نصرت کا عہد بھی واجب و لازم ہے۔ اور بغیر اس کے دعویٰ اسلام

و ایمان بے سود اور لغو ہے۔

سبحان اللہ! حضرت امیر المؤمنینؑ کے مختصر سے جملہ (وفیک النظمی العالم الاعلیٰ) میں معرفت توحید و نبوت و امامت کے کس قدر درس ملتے ہیں۔ "کلام الامام امام الکلام"

نتیجہ بحث خدا کی معرفت کے بعد انسان کو انسانی کمالات حاصل کرنے اور اپنے خالق کی خوشنودی کے اسباب مہیا کرنے میں نبوت کے دروازہ پر جتنی سائی ضروری ہے اور ضمنی طور پر یہ معلوم ہو ہی گیا ہے کہ نبی کو کن کن صفات سے متصف ہونا چاہیے۔

- ۱۔ اپنی تمام رعایا سے اعلم ہو۔ ورنہ فرائض تبلیغ کی انجام دہی میں ناکام رہے گا۔
- ۲۔ اپنے قول و فعل میں معصوم عن الخطا ہو۔ ورنہ تبلیغ بے اثر ہوگی۔
- ۳۔ تمام امت سے صفاتِ گناہیہ میں ممتاز ہو۔
- ۴۔ دعویٰ نبوت کے ساتھ صاحبِ اعجاز بھی ہو۔ تاکہ اس کے دعویٰ کی مقبولیت ہمہ گیر ہو اور ہمارے نبی کے معجزات میں سے قرآن شریف قیامت تک کے لئے باقی و دائم معجزہ ہے۔ اس کے اعجازی پہلوؤں پر ایک مستقل عنوان کے تحت میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

عصمتِ انبیاء

مذہبِ حقہ شیعہ آٹھ عشرہ پر کا عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سید الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کل ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی برحق تھے اور ہدایتِ خلق کے لئے مبعوث کئے گئے تھے پس وہ اپنی امتوں میں جمیع خصالِ حمیدہ کے لحاظ سے ان سے افضل و اکمل تھے اور صاحبانِ اعجاز تھے۔ علمی و عملی افضلیت کے ساتھ وہ اپنے جملہ اقوال و افعال میں اولیٰ سے آخر تک بچنے کے دور سے دمِ آخر تک قبل از بعثت اور بعد از بعثت تمام گناہانِ کبائر و صغائر سے معصوم تھے۔

عصمتِ انبیاء کے متعلق ہمارے علمائے اعلام نے متعدد دلیلیں پیش فرمائی ہیں۔ حتیٰ کہ اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی تحریر کی گئی ہیں۔ اس جگہ میں نے صرف آسان اور عام فہم سادہ طریق پر چند دلیلیں پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ آسانی سے استفادہ کیا جاسکے۔ علمائے اعلام نے علمی مذاق کے ماتحت جو استدالات ذکر فرمائے ہیں وہ کافی دقت طلب اور اصطلاحاتِ خصوصیہ کے جاننے پر موقوف ہیں۔ لہذا اس مقام پر ان کو ترک کر دیا گیا ہے۔

- (۱) اگر نبی معصوم نہ ہو تو اس کی تبلیغ ناقابل قبول ہوگی۔ کیونکہ بغیر عصمت کے اس کی ہر بات میں جھوٹ کا احتمال ہوگا۔
- (۲) نبی کے لئے دعویٰ نبوت کا اثبات بغیر عصمت کے محال ہے کیونکہ اگر اس سے گناہوں کا سرزد ہونا جائز ہو تو مجملہ گناہوں کے ایک کذب بھی ہے تو جب اس کی ہر بات میں کذب کا احتمال پیدا ہو گیا تو دعویٰ نبوت میں بھی یہی احتمال رہے گا۔ لہذا اس کی نبوت تسلیم نہ ہو سکے گی۔
- (۳) اگر نبی گنہگار ہو اور جملہ افعال و کردار میں خدا کا تابع فرمان نہ ہو۔ تو عام رعایا پر اس کی تبلیغ کا کیا اثر ہوگا؟ وہ تو صاف کہہ دیں گے کہ جو کام خود نہیں کرتے ہو دوسروں کو کس منہ سے کہتے ہو؟ بلکہ خود عمل نہ کرنے والے کی نصیحت موثر ہونے کی بجائے مضحکہ خیز ہوا کرتی ہے۔
- (۴) جو شخص عامل نہ ہو لوگوں کے دلوں سے اس کا وقار اٹھ جایا کرتا ہے اور وقار کے بغیر نہ کوئی بات سنتا ہے نہ مانتا ہے۔
- (۵) بعثت انبیاء کی غرض ہے اصلاح اور جس شخص کو نبی بنایا گیا ہے اگر گنہگار ہو تو وہ خود قابل اصلاح ہے۔ لہذا اس کی اصلاح کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔ اب یا تو ایسا ہو کہ وہ امت کی اصلاح کریں اور امت ان کی اصلاح کرے تو یہ ناممکن ہے اور اگر ان کی اصلاح کے لئے کوئی اور نبی مبعوث ہو جو فقط اسی کی اصلاح پر ہی مامور ہو تو اس کے بغیر معصوم ہونے کی صورت میں اس کیلئے ایک اور نبی درکار ہوگا اور پھر یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا۔
- (۶) اگر نبی میں عصمت نہ ہو تو وہ گنہگار ہونے میں امت کے ساتھ برابر ہو جائے گا تو اس صورت میں بلا تزییح اس کو نبی بنانا اور باقی امت پر اس کو فوقیت دینا منافی عدل ہے۔
- (۷) اگر نبی خود گناہ سے کنارہ کش نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے احکام کی اہمیت اس کے اندر نہیں درندہ ایسا نہ کرتا تو اس صورت میں ممکن ہے کہ ارتکاب گناہ میں دوسروں کا ہمراہ ہو جائے تو پس بجائے ترویج کے تخریب دین کا موجب ہو جائے گا اور یہ حکمت خداوندی کے خلاف ہے۔
- (۸) اگر خود گنہگار ہوگا تو رعایا کے باہمی نزاعات کے فیصلوں میں عدل سے کام نہ لے گا اور تمدنی زندگی خراب ہو جائے گی۔
- (۹) اگر بالفرض قبل از بعثت گناہ کرتا ہو اور بعد از بعثت گناہ نہ کرے۔ تاہم رعایا جو بات سے کہے گی کہ کل تک تو تم خود ایسا کیا کرتے تھے اور آج ہم کو منع کرتے ہو۔ لہذا نہ رعب نہ وقار نہ اثر اور تبلیغ بے کار ہوگی۔
- (۱۰) اگر نبی گناہ صغیرہ کرتا ہو اور وہ قبل از بعثت ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں خوف خدا اور عدالت کا ملکہ راسخ نہیں اور اس صورت میں بعد از بعثت بھی اس سے ارتکاب گناہ ممکن ہو سکتا ہے۔ پس وہی خرابیاں لازم آئیں گی جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔
- ان کے علاوہ اور دلیلیں بھی کتب مفصلہ میں مذکور ہیں۔ اس مقام پر انہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔
- مہر کیف انبیاء کی بعثت کے لئے ضروری ہے کہ خداوند عالم جس شخص کو ہماری ہدایات کیلئے بھیجے وہ ہم سے

ہر طرح افضل و اکمل ہو رہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء اپنے اپنے زمانہ میں پوری امت سے اعلم اور گناہانِ صغیرہ و کبیرہ سے معصوم تھے۔ اور ہزار رسول چونکہ تمام کائنات کا نبی بلکہ گذشتہ نبیوں کا بھی نبی ہے۔ لہذا وہ ماسوا اللہ تمام کائنات سے افضل و اعلم و اکمل ہیں اور ان کے بارہ جانشین ان کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے آنحضور کے علاوہ باقی تمام کائنات سے افضل و اعلم ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک تمام انبیاء بھی ان کی رعایا کی حیثیت سے ہیں۔ جس طرح کہ وہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رعایا ہیں۔ کیونکہ بادشاہ کے دراز یا قائم مقام بادشاہ کی پوری رعایا کے حاکم و سردار ہوا کرتے ہیں اور اس کی تصدیق خود حضرت عیسیٰ اپنے عمل سے کریں گے۔ جب حضرت محمد مصطفیٰ کا آخری وصی و جانشین گذشتہ تمام انبیاء کے آخری ممتاز نبی کا مقتدا ہوگا جس کی کتاب و شریعت گذشتہ انبیاء کی شریعتوں کی ناسخ تھی تو اس سے پہلے کے انبیاء کا مقتدا کیونکر نہ ہوگا؟

اور جب آخری وصی ان سے افضل اور ان کا مقتدا ثابت ہوا تو اس سے پہلے گیارہ اوصیائے رسالت کیونکر افضل نہ ہوں گے۔ اس مقام پر پہنچ کر بعض شکوک و شبہات کا ازالہ ضروری ہے جو بعض آیات قرآنیہ سے عصمت انبیاء پر حریف گیری کا موجب قرار دیئے جاتے ہیں۔ گوان کی تفصیلی بحثیں اپنے اپنے مقامات پر انشاء اللہ مذکور ہوں گی۔ پس یہ جاننا چاہیے کہ جب رسول باطنی (عقل) کے صریح فیصلہ سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ حجت خدا یعنی نبی و رسول کے لئے ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے معصوم ہونا ضروری ہے تو جس جس مقام پر کسی آیت قرآنیہ سے اس کے خلاف کاشبہ ہو تو وہاں مناسب توجیہ و تاویل ضروری ہے حکمت کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑ جانا کجی قلب کی نشانی ہے۔ ائمہ اہلبیت نے اس قسم کے مقامات پر ازالہ شبہات کے لئے نہایت بسط کے ساتھ ردشنی ڈالی ہے۔ جو مصنف طبائع کے لئے موجب اطمینان ہے۔ کاشنِ امتِ اسلامیہ کا ثقلین (کتاب و عترت) ہر دو کے ساتھ تک ہوتا۔ صرف انراضِ دنیاویہ کی خاطر صرف قرآن کو کافی سمجھنا اور عترتِ رسول سے کنارہ کرنا ہی عقائدِ اسلامیہ کی تباہی کا موجب ہوا۔ جیسی تو صیغہ بخاری میں حضرت ابراہیم (جیسے بزرگ پیغمبر پر بھی جھوٹ کے الزامات سے گریز نہیں کیا گیا۔

۱۴۵
چنانچہ بخاری شریف ج ۲ مطبوعہ مصر

کتاب الانبیاء میں ہے۔

حضرت ابراہیم پر کذب کا اتہام اور اس کا جواب

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف تین مقامات پر جھوٹ بولا ہے ان میں دو تو اللہ کے لئے ہیں، ان کا کہنا کہ میں بیمار ہوں، ان کا کہنا کہ یہ کام ان کے جوں میں بڑے نے کیا ہے (پہلے مقام پر بیمار نہ تھے اور کہا بیمار ہوں اور دوسرے مقام پر کیا خود تھا اور بڑے بت پر تھوپ دیا) ۳، ابو ہریرہ نے کہا

عن ابی ہریرۃ قال لمریکذب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام الا ثلاث کذبات تلبین منہن فی ذات اللہ عن وجہ۔ قوله انی ستقیم وقوله بل فعلہ کبیرہم هذا وقال باین ہودات یوم وسارة اذاتی علی جیبار

چیز مستم ہے کہ ہدایتِ خدا اور اخلاصِ دونوں بڑیں اور اصل ہیں۔ تمام نیکیوں کی اور اسی طرح اضلال اور اغواشیطانی بڑیں اور اصل ہیں تمام بدکاریوں اور برائیوں کی۔

پس جب حضرت آدم سے ضلال اور غواہیت جو من جانب شیطان ہیں۔ کی نفی ہو گئی تو ظلم اور عصیان جو۔ ان کے فروعات میں سے ہیں خود بخود منتفی ہو گئے۔

باقی رہا حضرت آدمؑ کا جنت میں رہنا یا وہاں سے چلا جانا اس بات کا تعلق نہ حقوقِ اناس سے ہے اور نہ حقوقِ اللہ سے بلکہ اس کا تعلق صرف اس کے ذاتی نفع و نقصان سے تھا جو دنیاوی زندگی سے وابستہ ہیں پس نہ ان سے امر و نہی کا تعلق امورِ دینیہ کی طرف راجح تھا اور نہ ان کے خلاف کرنا حقوقِ العباد یا حقوقِ اللہ کی پامالی کا موجب تھا۔

حضرت آدمؑ کی خلقت ہی زمین کے لئے تھی جس طرح ارشاد ہے (رَبِّ جَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ مِنْ خَلْقِكَ) میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ پس ان کو ابتداءً ایک مقام خاص (جنت) میں سکونت دی گئی کیونکہ ابتداءً آفرینش سے ان کو اتنی وسیع و عریض زمین میں بھیجا ان کے مقصدائے بشریت کے اعتبار سے ان کے لئے باعثِ وحشت تھا۔ لہذا ایسی جگہ ان کی ابتدائی رہائش کا انتظام کیا گیا جہاں ملائکہ کی تسبیح و تقدیس (میل جول یا باغِ جنت کی سیر و تفریح سے ان کی طبیعتِ قدرے مانوس ہو جائے اور ان کو بشری قوتیں سہویہ، غضبیبہ و اہمہ، عاقلہ وغیرہ سب عطا کر دی گئی تھیں اب اس مقام پر یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ہدایتِ دو قسم پر ہے ایک ہدایتِ عقلِ انسانی اور دوسرے ہدایتِ خدا جو انبیاء کو بذریعہ وحی و الہام اور عامۃ الناس کو بذریعہ انبیاء ہوا کرتی ہے۔

عقلِ انسانی کی ہدایت صرف امورِ ظاہر یہ تک محدود ہوتی ہے جو تجربہ کے بعد انسان کو عمل میں مضبوطی کی دعوت دیتی ہے اور بخلاف اس کے ہدایتِ الہیہ وہ تجربہ کی محتاج نہیں بلکہ پہلی مرتبہ سے ہی اطمینانی طور پر اس کو ماننا اور اس کو واجبِ العمل قرار دینا عقلِ انسانی کا فریضہ ہے اس سے ذرا بھر ادھر ادھر ہونا خطا کاری و عمدی غلطی قرار دی جاتی ہے کیونکہ ہدایتِ خدا میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہوتا تاکہ محتاجِ تجربہ ہو پس اس کے خلاف کرنا گناہ اور ظلم ہے۔

ہدایتِ عقل گو وہ بھی خدا کی عطا کردہ استعداد ہی سے ہوتی ہے۔ لیکن اس میں پختگی خدا خود ہی بعد تجربہ کے پیدا کرتا ہے اور یہی دستور خداوندی ہے ورنہ اگر اس میں بھی غلطی کا امکان نہ ہوتا اور پہلی دفعہ سے ہی پختہ و استوار ہوتی تو کبھی کوئی انسان کسی معاملہ میں خطا کار نہ ہوتا۔

ایک حکیم بڑی محنت سے معجون تیار کرتا ہے یا کوئی کشتہ یا دوائی بناتا ہے اور اسے تسلی و اطمینان ہے کہ یہ دوا فلاں مرض کے لئے سو فیصدی مفید ہے بلکہ اکیسرا عظم ہے دوائی کے تیار ہو جانے کے بعد اگر اس کے دل میں ایک دوسرے سا پیدا ہو جائے مثلاً اس کی فلاں جز شاید درست حل نہ ہوئی تھی یا اشیاء کے اوزان کی مناسبت میں فرق تھا تو اس دوسرے کے

پیدا ہوتے ہی وہ اس دوائی کو بے کار قرار دیکر رڈی کی ڈوکری میں پھینک دے گا اور جس بیماری کے لئے وہ نسخہ اس نے اپنی محنت شاقہ سے تیار کیا تھا وہ اس کو اپنے کسی عزیز دوست کو لاجت ہو جائے اور اس حکیم سے اسی دوائی کا مطالبہ کیا جائے تو ہرگز وہ یہ دوائی استعمال کرنے پر تیار نہ ہوگا۔ گو عقل اسے پکار پکار کہے کہ دوائی بالکل درست تیار ہے۔ اس میں کوئی خرابی نہیں۔ لیکن وہم کی وجہ سے اس کو قطعاً اطمینان نہ آئے گا۔

ہاں اگر یہی دوائی ایک دفعہ یا چند مرتبہ استعمال ہو چکی ہو اور مفید نتیجہ اس سے برآمد ہو تو اب ہزاروں دوسرے آتے رہیں۔ اوہام کا مقابلہ ہوتا رہے شکوک پڑتے رہیں۔ اس کا تجربہ سے پیدا شدہ اطمینان قطعاً زائل نہ ہوگا اور عقل کے قطعی فیصلہ پر عمل کرنے میں اسے کوئی تامل نہ ہوگا (خواہ اس دفعہ نتیجہ خاطر خواہ نہ بھی ہو)

اسی طرح ایک زمیندار محنت شاقہ سے زمین کو نرم و مہوار کرے اور عقلی نظریہ کسی خاص جنس کے متعلق رکھتا ہو پس پوری محنت کر چکنے کے بعد اس زمین کے زرخیز ہونے کے متعلق اس کو شک پڑ جائے تو ہرگز اس میں قیمتی جنس کی کاشت کرنے سے اولاً گھبرائے گا کہ کہیں بیج ہی تلف نہ ہو جائے لیکن تجربہ کے بعد ہزار وہم آئیں۔ پرواہ نہ کرے گا۔ بہر کیف مقصد یہ ہے کہ قوتِ عاقلہ کی دنیاوی امور میں ہدایت گو اللہ کی جانب سے ہی ہے لیکن اس کے نظریہ کا راسخ ہونا تجربہ کا محتاج ہے۔ آپ دنیاوی امور میں جس جس چیز کو لیں گے عموماً آپ کو یہ یقین کرنا پڑے گا کہ عقلی نظریہ محتاج تجربہ ضرور ہے۔

پس حضرت آدم کا اسی عقلی نظریہ کئے ماتحت یہ فیصلہ تھا کہ اس درخت کے پاس نہیں جانا۔ اور یہ اس لئے کہ انہوں نے دیکھا کہ اس ماحول میں رہنے والے اس سے گریز کرتے ہیں اور اس کے پاس نہیں جاتے اور یا اس لئے کہ ابتدائی دور کے پیش نظر ان کو اللہ نے ہی بذریعہ وحی بتلا دیا کہ یہ باعث نقصان ہے اس کے قریب نہ جانا فَتَكُونُ نَارًا مِنَ الظَّالِمِينَ ورنہ تم کو خسارہ رہے گا۔ ظلم کا معنی خسارہ ہے۔

ان کے اس عقلی نظریہ کو اللہ نے اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا کیونکہ استعدادات عقلیہ بھی اللہ کی جانب سے ہیں اور عقل بھی اللہ ہی کی طرف سے انسان کے لئے رسولِ باطنی ہے اور اس عقلی حکم کو اللہ کا حکم کہا جاتا ہے۔ مثلاً عام کہتے ہیں اللہ کا حکم ہے۔ کہاؤ اور کہاؤ۔ مقصد یہ ہے کہ چونکہ استعداد عقل اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا یہی فیصلہ ہے تو پس اللہ کا یہی حکم ہے۔

ابلیس چونکہ حضرت آدم سے حسد کرتا تھا۔ کیونکہ زمین کی خلافت قوم جن سے لے کر حضرت آدم کو دی جا رہی تھی اور پھر حضرت آدم کی عزت و وقار یہ کہ ملائکہ کو ان کے سامنے جھکا دیا گیا جس سے وہ اور زیادہ جل جہنم گیا اور خود انکاری و فراری ہو گیا۔ اور تیسرے ان کی تعظیم نہ کرنے کی وجہ سے زائدہ بارگاہِ مستحق تعظیم بھی ہو چکا تھا۔

اپنے حسد کی بھڑاس کسی اور ذریعہ سے تو نکال نہیں سکتا تھا اسے معلوم تھا کہ یہ جہدی خدا اور مخلص و مصطفیٰ

نہی ہے لہذا اس کو ضلال دغی میں پھنسانا محال ہے خود اس کا اپنا اعتراف بھی ہے کہ مخلص و برگزیدگان خدا کو میں گمراہ نہ کر سکوں گا اور ذات احدیت کا بھی ساتھ ساتھ اعلان ہو چکا تھا کہ میرے مخصوص بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہ ہوگا پس امور دنیویہ میں حضرت آدمؑ کو دھوکہ دینا اور ان کو صراط مستقیم سے ہٹانا اور عبادت الہیہ سے ان کو منحرف کرنا قطعاً اس کے لئے ناممکن تھا۔ اب اس نے یہ سوچا کہ دنیاوی زندگی میں ان کی تلخی پیدا کر دوں تاکہ کئی دن مبتلائے مصیبت رہیں۔

ان کے عقلی نظریہ میں چونکہ بذریعہ وسواس کے رخنہ اندازی کی گنجائش تھی کیونکہ حد تجربہ کو نہ پہنچا تھا۔ لہذا اس کو بدلنے کی کوشش میں لگ گیا وہ اس معاملہ میں پرانا خزانہ تھا اور تجربہ سے اس کا باعث نقصان ہونا جانتا تھا۔ لگایا ان دونوں کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنی خیر خواہی بتلانے۔ آخر کار حضرت آدمؑ نے اس کی قسموں سے متاثر ہو کر اس کے وسواس کی وجہ سے ہمشورہ حضرت ہوا اس عقلی نظریہ کو نظر انداز کر کے اس کی خلاف ورزی کر لی جس کے نتیجہ میں انہیں ڈورا اکیلا اس بجز زمین پر آنا پڑ گیا۔ اگر ایسا نہ کرتے تو کچھ عرصہ اور بھی وہاں گزار سکتے تھے۔

بہر کیف ان کا وہاں رہنا دیکھ ہی عارضی تھا۔ وہ پیدا ہی صرف زمین پر آنے کے لئے کئے گئے تھے اور انہوں نے ایک وقت یہیں آنا تھا صرف چند روزہ مانوسیت حاصل کرنے کے لئے ان کو وہاں ٹھہرایا گیا تھا اور اس عمل کی وجہ سے چند روز قبل ان کو یہاں آنا پڑ گیا۔ جس کا کافی عرصہ تک احساس کرتے رہے اور روتے رہے۔ پس عصیان سے مراد ہدایت عقل کی خلاف ورزی اور ارشادی میں کوتاہی ہے۔ جس کا خسارہ صرف دنیاوی زندگی تک ہی محدود ہوا کرتا ہے اور اس کے متعلق نہی ارشادی تھی جس طرح کہ عرض کر دیا گیا ہے۔

عصیان سے مراد ہدایت الہیہ شرعیہ کی مخالفت نہیں ہے یعنی یہ نہی مولوی نہیں تھی تاکہ مخالفت کا وبال آخرت پر رکھا جائے۔ نہ اس فعل کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور نہ حقوق اللہ سے ہے بلکہ اس کا تعلق صرف ان کے ذاتی نفع و نقصان سے ہے پس ان کی طرف غواہیت اور ظلم کی نسبت سے مراد خسارہ دنیاوی ہے جو نا تجربہ کاری کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک باپ بیٹے کو نصیحت کرتا ہے کہ دیکھو بیکار بیٹھنا اچھا نہیں۔ تجارت کرو لیکن رستے دو نہیں اگر فلاں کام کرو گے تو اس میں تکلیف زیادہ ہوگی اور فلاں کام کرو گے تو تکلیف کم ہوگی آمدنی دونوں صورتوں میں یکساں ہی ہے۔ صرف تیری اپنی سہولت و تکلیف میں فرق ہے۔ پس اگر بیٹا کسی کے کہنے سے یا اپنی ذاتی رائے سے اس راستہ کو اختیار کر لے جس میں باپ کے خیال میں تکلیف زیادہ تھی تو یہ باپ کی نافرمانی نہیں ہے بلکہ ہے وہ دونوں صورتوں میں باپ کا اطاعت گزار۔ فرق یہ ہے کہ اس کے مشورہ پر چلتا اور دوسری صورت اختیار کرتا تو وہ خود ذرا سہولت سے رہتا اور تکلیف سے بچ جاتا۔

اس مقام پر حضرت آدمؑ کا قصہ بعینہ یہی ہے کہ اگر وہ کام نہ کرتے تو کچھ عرصہ زیادہ اس جگہ رہ کر ملازمت اعلیٰ کی

صحبت میں خوشنود ہوتے اور اس کام کے کرنے سے ان کی ذہاں رہنے کی مدت کو جلد ختم کر دیا گیا۔ بہر کیف آنا ہر دو صورت میں زمین پر ضرور تھا کیونکہ وہ پیدا ہی اس لئے کئے گئے تھے اور زمین پر ان کا آجانا سزا نہیں تھا۔ بلکہ ڈیڑھی تھی صرف عدم تجربہ عقلی کی بنا پر (چونکہ پہلا ہی موقع تھا) ناہموار رستہ اختیار کرنے کی وجہ سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اور طلاء اعلیٰ کی صحبت سے بہت جلد محروم ہو جانے کی وجہ سے بہت عرصہ تک کعبہ انوسس ملتے رہے اور روتے رہے۔ پس اس بیان سے ثابت ہوا کہ نہ حضرت آدمؑ کی طرف راجع نہی (مولوی) تھی اور نہ اس کی خلاف درزی باعث گناہ تھی بلکہ وہ نہی ارشادی تھی جس کی موافقت یا مخالفت نفع و نقصان دنیاوی زندگی تک محدود ہے۔ پس نہ وہ مخالف امر خدا ہوئے نہ گناہگار نہ ان سے عصیان سرزد ہوا نہ ظلم نہ ان کا یہ فعل مہدی و مخلص ہونے کے منافی تھا اور نہ مصطفائی میں حلی تھا۔

پس وہ مصطفیٰ بھی تھے اور معصوم بھی اور نبی بھی۔

والحمد لله رب العالمین

ضرورت کتاب اللہ (قرآن مجید)

جب یہ ثابت ہو گیا کہ خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہمیں خدا کے فرستادہ پیغمبر معصوم کی تعلیمات حاصل کر کے ان کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو نبی وہ اپنی طرف سے ہماری راہنمائی کے لئے بھیجے اس کو اس قسم کے معجزات بھی عطا کرے جس سے اس کی من جانب اللہ مبعوث بعہدہ نبوت ہونے کا اطمینان ہو سکے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ خداوند کریم جس کو عہدہ نبوت کرامت فرما کر ہماری راہنمائی پر مامور فرمائے اس کو معجزات کے علاوہ ہماری اصلاحات کے لئے ایک ایسا ضابطہ قوانین بھی اپنی جانب سے عطا فرمائے جو ہمارے لئے لائحہ عمل کی حیثیت سے ہو اور جس کو وضع کرنے سے ہمارے عقول قاصر ہوں۔

گذشتہ انبیاء کو معجزات بھی عطا ہوئے اور ضابطہ قانون (کتاب یا صحیفہ) بھی عنایت ہوا اور ہر دو جہاں خدا یعنی معجزہ الگ اور کتاب یا صحیفہ الگ۔ معجزہ ہر نبی کو اس قسم کا دیا گیا جو زمان حاضر کے ترقی یافتہ طبقہ کے نزدیک ایک ناشدنی امر تھا۔ اور غیر شعوری طور پر ان کی طبائع کا مطمح نظر تھا اور اس کے علاوہ ان کے موجودہ خیالات و جذبات کے اس طرف رجحان کا اور کوئی موثر و کارگر ذریعہ نہ تھا اور نہ ان کی جاذبیت کا اس سے زیادہ مفید تر کوئی اور اقدام تھا۔

حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جادو کا چرچا تھا اور اس زمانہ کا ماحول اس کو انتہائی کمال انسانی خیال کہتا تھا اور غیر شعوری طور پر اس سے بلاطقت کے منتظر تھے کہ جو اس سے قدم آگے بڑھا کر دکھ دے اس کے گردیدہ ہو جائیں۔ کیونکہ اس سے آگے بڑھنا ان کے نزدیک ایک ناشدنی جیسا امر تھا پس حضرت موسیٰ کو اس نوعیت سے جداگانہ رنگ کا کوئی معجزہ عطا ہوتا تو وہ اتنا جاذب و موثر نہ ہوتا۔ جتنا کہ عصا کا سانپ بن کر دوسرے جادوگروں کے مفروضہ سانپوں کو کھا کر مضمحل کر کے پھر اصلی حالت میں پلٹ کر عصا بن جانا، ٹرٹر دکارگر ثابت ہوا اور جس کی بددلت تمام صاحبان کمال جادوگر مسلمان ہو گئے کیونکہ ان لوگوں کے دماغ اس دور کے جادوگروں کے موجودہ کمال کے ارد گرد پکڑ لگا رہے تھے اور وہ اس کو آخری کمال سمجھتے تھے پس اس سے بڑھ کر اسی جنس کا خارق عادت اقدام ہی ان کا جاذب بن سکتا تھا۔ دوسرا کسی نوعیت کا معجزہ ان کی نظر اتفاقات سے اجنبی رہتا۔ لہذا مقبولیت عامہ میں اس کو وہ مقام حاصل نہ ہو سکتا جو اس کو حاصل ہوا کیونکہ اس کو غیر شعوری طور پر وہ خود تلاش کر رہے تھے پس منظر عام پر آجانے کے بعد وہ ان پر اثر انداز کیونکہ نہ ہوتا؟ حضرت عیسیٰ کے دور میں افتاد طبع فن طب پر تھی۔ اہل زمانہ کے اذہان افلاطون، ارسطو، جالینوس وغیرہ کے طبی کمالات کے شیفتہ و شیدائی تھے اور غیر شعوری طور پر اس سے مافوق کمال کے طالب تھے۔ لہذا خدائی عہدہ دار نبوت کے لئے ضروری تھا کہ ان کے موجودہ رجحانات کے پیش نظر ان کے سامنے ایسی چیز پیش کرے جس کو موجودہ طب و حکمت کا کمال ادراک نہ کر سکے۔ ماہرین زمانہ ہر مرض کا علاج کر سکتے تھے۔ اپاہج کو تندرست کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی نسخہ نہ تھا۔ مُردہ کو زندہ کرنا ان کے بس سے باہر تھا وہ معجزین اور کشتے تیار کر سکتے تھے لیکن مٹی کا بوتہ بنا کر اس میں رُوح پھونک کر جاندار نہ بنا سکتے تھے۔

پس حضرت عیسیٰ کو ایسا معجزہ عطا ہوا کہ موجودہ دور کے کمالات اس کے سامنے ماند پڑ گئے
 وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہر زمانہ کے انبیاء کو اس قسم کا معجزہ عطا ہوا جو دور حاضر کے صاحبان کمال کی گردنیں جھکا دے
 بنا بریں تصدیق نبوت کے بعد قوانین شریعت کی کتاب انہیں علیحدہ عطا کی گئی۔ لہذا ان کی کتابیں اور صحیفے اعجازی
 حیثیت کے حامل نہ تھے۔

لیکن جناب رسالت کے دور پر آشوب میں اس زمانہ کا موجودہ ترقی یافتہ گروہ فصاحت و بلاغت کا دلدادہ
 تھا۔ یہاں تک کہ عرب اپنے خطبات فصیحہ اور اشعار بلغیہ پر اس قدر نازاں تھے کہ اپنے مقابلہ میں باقی اقوام عالم کو بچم گنگ
 پزبان کی لفظ سے تعبیر کرتے تھے۔ دریں صورت اگر خدائی پیمانے سے روشناس کرنے کا طریقہ عام گفتگو قرار دے کر معجزہ اس
 سے الگ نوعیت میں عطا ہوتا تو ہرگز ہرگز اس میں کامیابی کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ عام گفتگو اگر دیگر فصحاء نے
 عرب اور بلغائے زمانہ کے معیار کلام سے پست ہوتی تو ادعا کے نبوت محل تمسخر و مزاح کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا اور اگر
 عام فصحاء و بلغائے کلام کے برابر ہوتی تو پھر دوسرے اس جیسی کلام کرنے والے ہزاروں ختم ٹھوک کر اس میدان میں

کو دپڑتے اور دعوائے نبوت کر لیتے اور جناب رسالتاً کو امتیازی حیثیت قطعاً حاصل نہ ہو سکتی۔ کیونکہ باقی معجزات کو جادو کی لفظ سے تعبیر کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

پس اتمام حجت اور تبلیغ رسالت کے لئے اس ماحول میں اس سے زیادہ مؤثر اور کامیاب کوئی طریقہ نہ تھا کہ جس گفتگو کو دعوت توحید کا ذریعہ قرار دیا جائے وہ عام انسانی طاقت سے بلند ترین معیار پر فائز ہو جس کے سامنے فصحاء و بلغاء زمانہ اپنی گردنیں جھکا دیں اور اس کو خدا کی کلام تسلیم کرنے کے علاوہ ان کے لئے کوئی اور راہ نہ نکل سکے پس وہ کلام معجزہ بھی ہو اور ضابطہ قوانین شرعیہ بھی قرار پائے۔

تاریخ عرب سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اس دور میں انتہائی مشکل سے مشکل کام نکلانے کے لئے فصیح و بلیغ کلام جس قدر مفید و کارگر تھی۔ مال و زر یا قوت و زور کو وہ مقام حاصل نہ تھا۔ چنانچہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ عرب کا ایک مشہور شاعر ایک دفعہ ایک بادیہ نشین عرب کے ہاں مہمان ہوا۔ اس نے اس کی بڑی تواضع کی۔ اس شاعر نے رخصت ہوتے ہوئے بطور صلہ کے اس کے سامنے اپنی خدمات پیش کیں۔ وہ بادیہ نشین تین لڑکیوں کا باپ تھا اور بوجہ گناہی و مغرب کے اس کے ساتھ رشتہ و نااطہ کے لئے کوئی خاندانی آدمی تیار نہ تھا۔ پس اس نے اس شاعر کے سامنے اپنی حالت زار کا تذکرہ کیا اور اس تکلیف کے رفع کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس شاعر نے وعدہ کیا کہ عرب کے مشہور اجتماع (میلہ عکاظ) میں تیری اس مشکل کو حل کر دوں گا۔ چنانچہ جب وہ وقت آیا تو اس نے شرفائے عرب کے بھرے مجمع میں اس بادیہ نشین عرب کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا اور بڑھا پڑھا کر اس کے فضائل و اوصاف کا تذکرہ کیا۔ پس قصیدہ کیا تھا۔ ایک جادو کی ہر مجمع میں دوڑ گئی، قصیدہ سنتے ہی اس بادیہ نشین کو شرفائے عرب، عزت و حرمت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے اس کی شرافت و برتری کا پورے مجمع میں غل پڑ گیا۔ لوگ اس کو دیکھنے کے لئے اور اس سے تعارف کے لئے اس کے مکان پر حاضر ہوئے۔ آخر کار اس سے رشتہ کی درخواستیں کی گئیں چنانچہ اس کے نتیجہ میں چند دنوں کے اندر اس کی تینوں لڑکیاں شرفائے عرب میں بیابھی گئیں۔

اور یہی وجہ تھی کہ امراء و رؤسا اپنی شہرت و بلندی کی خاطر مشاہیر شعراء کی بڑی خدمت کرتے تھے اور کس قیمت پر ان کی دل شکنی گوارا نہ کرتے تھے اور ان کے مطالبات کو تسلیم کرنے میں ذرا مبریس و پیش کرنے کی ان میں جرأت نہ تھی۔ بنا بریں دعوت توحید، جو اس دور باطل میں بہت پرستی اور خود ستائی کے موجودہ وقتی رجحانات کے لئے کھلا ہوا چیلنج تھی۔ عام کلام سے قطعاً اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ خواہ حضرت رسالتاً اپنی تصدیق کے لئے اس کے علاوہ دوسرے ہزاروں قسم کے معجزات ہی کیوں نہ پیش کرتے۔ ان کی نگاہوں میں انسانی کمالات سے مافوق کمال صرف معیار کلام کی ایسی بلندی میں مضمر تھا جو موجودہ صاحبان کمال کی دسترس سے بالاتر ہو جس کو سن کر مشاہیر فصحاء و بلغاء نے عرب اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سامنے گردن خم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ وہ گویا غیر شعوری طور پر اس کمال کے منتظر تھے

جس کو قرآن مجید نے اگر طشت از باہم کر دیا۔ جس کی ضرورت ارتقاء کے سامنے مشاہیر دور کی آنکھیں نہیہ ہو گئیں اور جس کے اوج کمال کے مقابلہ میں ان کا موجودہ کمال بالکل ہیچ پوچ معلوم ہونے لگا۔ اور اس کا کمال بالائے کمال یہ کہ یہ کلام ایسی ذات کی زبان حق ترجمان پر جاری تھا۔ جو موجودہ فصحاء و بلغاء عرب سے راہ و رسم کا دوسرے بھی واسطہ نہ رکھتا تھا۔ جس کو رسمی تعلیم و تعلم کے طریقوں سے قطعاً کوئی وابستگی حاصل نہ تھی۔ بایں ہمہ اس کلام نے اتنے ہی عرب عرباً کو اپنے خالق کی کلام ہونے کے ثبوت کے لئے مقابلہ کی عام دعوت دیدی اور بار بار پیکار پیکار کر عدا بند کی آؤ اگر یہ اللہ کا کلام نہیں تو تم بھی اس جیسا بناؤ۔ چلو پورا قرآن نہ سہی۔ اس کے ایک سورہ کی مثل بناؤ۔ یہ بھی نہ سہی۔ تو اس کی ایک آیت کا مقابلہ کر کے دیکھو، صرف ایک ایک سے تنہا نہیں ہو سکتا۔ تو پورے ملک عرب کے فصحاء و بلغاء، خطباء و شعراء کو ایک دوسرے کی امداد و تعاون سے، مجموعی طاقت و استعداد سے، اس کا مقابلہ کر لیں۔ بلکہ جن و انسان مل کر اس کلام کے مثل ایک چھوٹا ٹکڑا ہی پیش کر دیں اور اس تحدی بالائے تحدی، چیلنج در چیلنج کے بعد ان کے عجز کا بھی کھلے لفظوں میں اعلان فرما دیا کہ خواہ کتنا ہی زور لگائیں، تنہا کریں یا مل جل کر کرنا چاہیں اس کی مثل ہرگز لا سکتے ہی نہیں۔ یہ سب کچھ سنتے رہے اور مبہوت و ششدر سے ہو کر ایک دوسرے کا منہ ہی تکتے رہے اور دنگ کے دنگ ہی رہ گئے۔ اس کے مقابلہ کے لئے ان کی زبانیں گنگ یا شل ہو گئیں۔ صرف حیرت سے انگشت بدندان ہونے کے سوا ان کے پاس اور چارہ ہی نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ عکاظ کے میلہ کے موقع پر سورہ کوثر کی تین آیتیں لکھ کر دیوار کعبہ سے لٹکادی گئی تھیں۔ فصحاء عرب دیکھتے ہی غر حیرت ہو گئے اور مقابلہ میں کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ آخر کار ایک شاعر نے بار بار پڑھ کر کچھ اضافہ کی جرأت کی تو وہ صرف اس قدر کہ آخر میں لکھ دیا۔ مآہذا

كَلَامَ الْبَشَرِ (یعنی یہ انسان کا کلام نہیں ہے)

اب ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات پوری طرح بیٹھ گئی کہ انسانی طاقتوں کے مافوق ایک ایسی طاقت ضرور موجود ہے جس کے سامنے انسان کی ذہنی کاوشیں ایک انسانہ باطل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسانی افکار رساکی روشن قندیلوں کے مافوق ایک ایسا نور کیا موجود ہے جس کی ہمہ گیر ضیاء پر پاشیوں کے مقابلہ میں یہ چراغ سحری ہیں بلکہ بالکل مدھم و خاموش ہیں۔ یہ تصور جب پیدا ہو گیا تو کلام اللہ قرآن مجید کی ہمہ گیر جاذبیت نے معیاری کلام ہونے کے دیوانوں کو اپنا پروانہ بنا لیا جب سُننے تک نسبت اگئی تو ساتھ ساتھ کلام مقدس نے اولہ توحید کے وہ ناقابل تردید براہین سامنے رکھ لئے۔ جس کو فطرت سلیمہ بلا پس و پیش قبول کئے بغیر دم نہ لے سکے بس سنتے گئے اور پر کھتے گئے اور سمجھتا ہوتے گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر شرک و کفر کے مضبوط آہنی جبال، ظلم و باطل کے حکم فولادی پھندے، تاریک بخت بن کر معمولی بد اللہی جنیٹوں سے ٹوٹنے لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے مستقبل قریب میں سب کا خاتمہ ہو گیا۔

جب عرب اذبان نے اس کلام کے مقابلہ میں ہار تسلیم کر لی۔ اس کے متعلق اللہ کا کلام ہونا تسلیم کر لیا تو دیگر اقوام

عالم جو ان کے مقابلہ میں عجم (گنگ) کی حیثیت سے تھیں کس طرح اس کی صداقت کے تسلیم کرنے سے اعراض کر سکتے تھے؟ پس دینِ خدا کا مھوڑی مدت کے اندر چارواگ عالم میں، ڈھنگا بچ گیا اور فوج فوج ہو کر اطراف و نواح سے حضور رسالت اکب کی بارگاہِ فیض میں آکر لوگ اسلامی تعلیمات سے دامنِ مراد پر کر کے جانے لگے اور قرآنی فیوض و برکات سے تشنگانِ معرفت نے وہ استفادہ کیا کہ پھر اور لوگ ان سے سیکھ سیکھ کر دُور دُور تک اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے چونکہ اس کلامِ مقدس کی فصاحت و بلاغت کا معیار انسانی دماغی صلاحیتوں سے بلند و بالاتر ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس کی فصاحت و بلاغت کے لئے جن لطائف و رموز اور اصول و نکات کو ملحوظ قرار دیا گیا ہے، ان کا اسکشاف بھی انسانی ادہام و ذنون یا افکار و عقول کی انتہائی بلند پروازی اور نازک خیالی سے ہو سکتا ناممکن اور محالِ قطعی ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے التحلیل انسا یكون الی ما منہ التركیب (کسی شے کی تحلیل انہی اجزا کی طرف ہی ہو سکتی ہے جن سے ابتداً ترکیب واقع ہوئی تھی، یعنی جن لطائف و نکات اور دقائق و اسرار کو ابتداً ملحوظ قرار دیکر خالقِ کلام نے ان کے مطابق کلامِ مقدس (قرآن مجید) کی ترکیب تشکیل فرمائی ہے) ناممکن ہے کہ انسانی فہم صاحب اور ذہن ثاقب اپنی انتہائی اور انتھک جدوجہد سے اپنی غیر معمولی نکتہ سنجی و دقائق رسی کی بنا پر ان کا ادراک کر سکے کیونکہ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو ابتداً سے اس قسم کے لطائف و نکات کا لحاظ رکھ کر ان کی مطابقت سے کلام کرنا اور مرکب کرنا کیوں محال ہوتا؟ اور اگر ابتداً ان کے دماغوں سے یہ بات ادھیل تھی تو اس پاک کلام کے مطالعہ یا سماعت کے بعد تو وہ سب نکات و رموز سامنے آچکے تھے پھر تمدنی و چیلنج کے باوجود غلطیوں کیوں رہتے؟ یا اس کے مافوق البشر ہونے کا اعتراف کیوں کرتے؟

پس معلوم ہوا کہ نہ ابتداً ان کی رسائی مافوق البشر لطائف تک تھی تاکہ اپنے کلام کو اس معیار پر سے جاسکتے اور نہ قرآن اُجانے کے بعد اور اس کا بار بار مطالعہ و مذاکرہ کرنے کے بعد ان لطائف تک ان کا پہنچ سکتا ہے تاکہ اس کلام لاجواب کا جواب پیدا کرنے کی جرات کریں۔

تو جس طرح جناب رسالت اکب قدرت کے انتخاب لاجواب سے اس کلام کے لانے کے اہل تھے بس وہ ہی اس کلام کے سمجھنے اور سمجھانے کے اہل بھی تھے اور باقی تمام لوگوں نے اس کے معانی و اسرار کو جناب رسالت اکب سے اپنی اپنی استعداد و قابلیت سے حاصل کیا۔ بعض صرف سہ سہری ترجمہ سمجھنے کے اہل تھے بعضوں نے کچھ تفسیر و تاویل سیکھ لی۔ گویا جس قدر استعداد اسی قدر استفادہ۔ یہاں تک کہ بعض لوگ تو لفظی ترجمہ سے ذرا بھر آگے قدم نہ رکھ سکے اور آسان سے آسان اشارہ تک پہنچنے کیلئے بھی ان کا دماغ وقت محسوس کرتا تھا چہ جائیکہ مزید دقائق کی طرف قدم بڑھاتے۔

چنانچہ صحیح بخاری کتاب الصوم میں ہے کہ جب ماہ مبارک رمضان میں روزہ کے سحری کے وقت کی تعیین کیلئے یہ آیت اتری کَلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَبْلُغَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ (کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سفید تاگیاہ تاگے سے متمیز ہو جائے) تو بعض صحابہ نے یہ دستور بنا لیا کہ اپنے پاؤں میں دو تاگے ایک سیاہ اور دوسرا سفید بانڈھ لیا کرتا تھا اور

۱۰ فَاَسْكُرُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنَّ كَثِيرًا مِّنْكُمْ لَا يَعْلَمُونَ

وعن ابن عباس - هم محمّد وعلی وفاطمہ
والحسن والحسين هـ اهل الذکر والعلم
والعقل والبيان وهم اهل بيت النبوة
ومعدن الرسالة ومختلف الملائكة والطلائع
ماسی المؤمن مومنا الاكفامة لامير المؤمنين

اہل ذکر سے دریافت کرو جو تم نہ جانتے ہو۔

ابن عباس سے مروی ہے، اہل ذکر سے مراد، حضرت محمد مصطفیٰ اور علی اور
فاطمہ اور حسن اور حسین ہیں۔ یہی اہل ذکر، اہل علم، اہل عقل، اہل بیان
اور اہل بیت نبوتہ۔ نیز رسالت کی کان اور ملائکہ کا محل نزول ہیں۔ اللہ
کی قسم مومن کو مومن ہی حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی
کرامت کے لئے کہا گیا ہے۔

اور نیا بیع المودۃ سے بروایت تفسیر ثعلبی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے منقول ہے۔

قال علیؑ تحن اهل الذکر

ثُمَّ اَوْسْنَا الْكُتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ
عِبَادِنَا - الآية - قال الفضل بن رزبهان
في البطل النهج - علي من جملة ورثة الكتاب
لانه عالم بجملة الكتاب فهذا يدل على
علمه ووفور توعده في معرفة الكتاب استه
ويؤيده قول النبي علي مع القران والقران
مع علي -

حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اہل الذکر ہم ہیں
اور شاد قدرت ہے) پھر ہم نے وارث کتاب بنایا۔ ان لوگوں کو
جن کو اپنے بندوں میں سے چُن لیا۔ فضل بن رزبہان جو علمائے
اہل سنت میں سے ہے اس نے اپنی کتاب البطل النهج میں لکھا ہے
کہ علی واران کتابیں سے ہے کیونکہ وہ حقائق کتاب کا عالم ہے پس یہ چیز
ان کے علم اور معرفت کتاب کے راسخ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔
اور جناب رسالت کا فرمان کہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ
ہے اس کا موجد ہے۔

۱۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ
الصَّادِقِينَ - عن السيوطي في الدر المنثور
عن ابن عباس وكونوا مع علي بن ابي طالب
۱۳) وَمَنْ عِنْدَنَا عِلْمُ الْكِتَابِ -

ارشاد خداوندی ہے) ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ جاؤ
اس کے متعلق درمنثور سے بروایت ابن عباس منقول ہے۔ یعنی
علی بن ابی طالب کے ساتھ جاؤ۔
جس کے پاس کتاب (قرآن) کا علم ہے۔

عن الثعلبي عن عبد الله بن سلام قال هو علي
۱۵) اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ
روى العلامة عن الجوهري عن ابن عباس
قال قال رسول الله انا المنذر وعلی الهادي
وبلغ يا علی يهتدي المهتدون

ثعلبی سے بروایت عبد اللہ بن سلام مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت علی سے
سوائے اس کے نہیں کہ تو ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کیلئے ایک ہادی ہے
علامہ نے بطریق جہور حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ
جناب رسالت نے فرمایا۔ میں منذر ہوں اور علی ہادی ہے اور فرمایا
اے علی طالبان ہدایت تجھ ہی سے ہدایت پائیں گے۔

یہ پانچ آیات مجیدہ قرآنیہ کے اقتباسات نقل کئے ہیں۔ جن کے متعلق روایات سے ثابت ہے کہ ان کا مصداق حضرت

کھانے میں مشغول رہتا تھا۔ پس جب وہ دونوں تاکے اپنے اپنے رنگ میں دکھائی دینے لگتے تھے تو کھانا وغیرہ بند کر دیتا تھا۔ پس جب (صَبَّ الْفَجْرِ) کی لفظ اتری تو معلوم ہوا کہ اس سے تو صبح صادق مراد تھی۔

اور بعض صحابہ تو پورے قرآن مجید کا لفظی ترجمہ ہی نہ سیکھ سکے جیسا کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں بعض اکابر صحابہ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ ان کو ذِکْرُ الْكِتَابَةِ "ذِکْرُ الْكِتَابَةِ" کا معنی نہیں آتا تھا تفصیل کے ساتھ صفحہ ۱۵۶ تا ۱۵۷ پر ملاحظہ فرمائیں مالا کراہی کو "الاتقان" میں علامہ موصوف نے مشہور مفسرین قرآن کی فہرست میں پہلے نمبر پر جگہ دی ہے۔

علاوہ اُن رموز و اسرار کے جو معیار فصاحت و بلاغت قرار دیئے جائیں قرآن کے ظاہر و باطن اور باطن در باطن سستی کہ سات باطن تک موجود ہونے کی روایات بھی ہیں۔ پھر اس میں خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مبین، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ بھی ہیں۔ تو اگر جناب رسالت اکبر کے بعد یہ تمام چیزیں پردہ مخفی میں رہ جائیں اور ان کے سمجھنے سمجھانے والا کوئی نہ ہو تو قرآن مجید کا قیامت تک انسانوں کے لئے باعث ہدایت ہونے کا کیا مطلب رہ جائے گا؟ بلکہ پھر تو منہ پر قرآن قرآن کی لفظی رٹ ہی رہ جائے گی اور بس۔

لہذا عقل کی روشنی میں اس نتیجہ تک پہنچنا ضروری ہوگا کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ قیامت تک کے لئے امت میں حضرت رسالت اکبر کا ایک جانشین موجود ہو۔ جو قرآن مجید کی جملہ باریک گتھیوں کو سمجھانے کی اہلیت تامل اور اس میں بصیرت صادقہ رکھتا ہو اور وہ سوائے معترت طاہرہ کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا جس طرح کہ "ثقلین" "معجزنا" اور دیگر متفرق عنوانات کے تحت میں قدرے تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے۔

اس وقت حضرت رسالت اکبر کا جانشین موجود ہے جس کے وجود مسعود سے زمانہ قائم ہے۔ جب پردہ غیبت اٹھے گا وہ عالم ظہور میں تشریف فرما ہو کر قرآن مجید کی صحیح تعلیمات سے دنیا والوں کو روشناس کرائیں گے۔ باطل کا دور یکسر ختم ہو جائے گا اور دین خدا مقبول عام ہوگا۔ ظلم و جور کا قلع قمع ہو جائے گا۔ عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔

اللَّهُمَّ عَجِّلْ لَنَا ظَهْرَهُمْ كَمَا فَاتَهُمْ سَيْرُهُمْ بَعِيدًا وَ شَرَّاهُ قَرِيْبًا۔ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَ عَلِيٍّ وَ آلِهِمَا عَلَيْهِمُ السَّلَامُ آمِينَ يَا أَلَمِينِ

قرآن کے ساتھ ضرورت امام

متعدد عنادین کے ذیل میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ ایک ایسے عالم قرآن کا ہونا بھی ضروری ہے جو قرآن کے ظاہر و باطن بلکہ اس کے جملہ علوم پر بھی حادی ہو۔ اب اس مطلب کی تائید کے لئے قرآن مجید کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں تاکہ ارباب بصیرت ان کی روشنی میں اپنے نظریات کا جائزہ لے سکیں۔

امیر المؤمنینؑ ہے۔ پس ان سے ثابت ہوا کہ جناب رسالتؐ کے بعد امت اسلامیہ پر حضرت علیؑ کی اطاعت واجب ہے اور چونکہ قرآن کے خطابات صرف اسی دور تک محدود نہیں لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ تاقیامت ان آیات قرآنیہ کا مصداق امت میں باقی ہونا واجب ہے جو جناب رسالتؐ کی تعلیمات کا ذمہ دار قرار دیا جاسکے اور آیات قرآنیہ کی وضاحت کرنے میں وہ ان کا صحیح قائم مقام ہو۔

- (۱) پہلی آیت کی رُود سے تاقیامت اہل ذکر میں سے ایک فرد کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ فَاَسْتَأْذِنُكَ اِذَا كُنَّا اِلَيْهِمْ اَوْ كُنَّا اِلَيْهِمْ
- (۲) دوسری آیت کے اعتبار سے وارث کتاب کا تاقیامت موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ کتاب کی حد قیامت ہے۔
- (۳) تیسری آیت میں چونکہ خطاب قیامت تک کے ایمان والوں سے ہے۔ لہذا ہر دور میں تاقیامت ایک صادق کا وجود ضروری ہے جس کے ساتھ تک پہنچا جاسکے۔
- (۴) چوتھی آیت کا مصداق (عالم کتاب) بھی قیامت تک ہونا لازم ہے کیونکہ آیت قیامت تک زندہ ہے اور قرآن بھی قیامت تک ہے۔
- (۵) پانچویں آیت کی رُود سے قیامت تک اقوام عالم کے لئے ایک ہادی کی بقا ضروری ہے۔
- (۶) چونکہ قرآن معجزہ باقیہ ہے لہذا اس کے ساتھ تاقیامت ایک معجزہ کا وجود ضروری ہے جو قرآن کے اعجاز کو منظر عام پر لائے۔

- (۷) چونکہ قرآن قیامت تک کیلئے ضابطہ قرآنیہ ہے۔ لہذا اس کے نافذ کرنے والے کا وجود بھی تاقیامت لازم ہے۔
- (۸) حدیث متواتر (ثقلین) سے چونکہ قرآن اور اہل بیت رسولؐ میں تلازم وجود ثابت ہے جس کی مفصل بحث سابقہ مذکور ہو چکی ہے پس جب تک قرآن موجود ہے اہل بیت رسولؐ کی ایک فرد معصوم بھی ساتھ ساتھ موجود ہے۔ اور وہی مخلوق پر حجت خدا ہے۔

پس جس طرح سورج بادلوں میں رد و پیش ہو کر دنیا والوں کو اپنا فیض پہنچا دیا کرتا ہے اسی طرح امام زمانہ بھی غائب رہ کر اپنے فیوض سے خلق خدا کو بہرہ ور کر سکتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ عَجِّلْ فَرَجَهُمْ

قرآن اور مسئلہ تقلید

میان تک تو یہ ثابت کر دیا جا چکا ہے کہ قرآن کے ساتھ ایک عالم قرآن کا وجود ضروری ہے جو تعلیمات اسلامیہ سے روشناس کراسکے اور یہی سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔

جناب رسالتاؑ اپنے زمانہ میں مرجع علوم قرآنیہ تھے اور خود ہی بنفس نفیس مسائل قرآنیہ کے حل کرنے کے کفیل تھے لیکن خود چونکہ ایک ہی مقام پر قیام فرما رہا کرتے تھے۔ لہذا اطراف و نواح میں صحابہ کرام بفرمان سرکار رسالتاؑ فرائض تبلیغ احکام پر مامور ہوا کرتے تھے۔ جس حد تک وہ خود علم رکھتے تھے ان کے مسائل حل کر دیا کرتے اور جو نہ جانتے تھے۔ جناب رسالتاؑ کی خدمت میں مشرف ہو کر سیکھ لیا کرتے تھے اور پھر جا کر دوسروں کو سکھایا کرتے گویا وہ لوگ اطراف و نواح میں حضور کے زمانہ میں نیابت کے فرائض اپنے مخصوص علاقہ تک انجام دینے پر مامور تھے۔

اسی طرح جناب امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے دور حکومت میں چونکہ عالم قرآن تھے۔ لہذا علوم قرآنیہ کا مرجع وہی تھے لیکن وہ خود بنفس نفیس ایک مقام پر مثلاً کوفہ میں تشریف فرما تھے اور اطراف مملکت میں ان کے نائبین فرائض تبلیغ و نظام ملکی انجام دیا کرتے تھے۔ مثلاً بصرہ میں عبداللہ بن عباس، مصر میں محمد بن ابی بکر، مدائن میں سلمان پاک اور مدینہ میں قثم بن عباس وغیرہ اور ان سب کے اُپر حضرت علیؑ خود نگران اعلیٰ تھے اور یہ سب نائبین مسائل مشککہ میں آنحضرتؐ کی طرف بذریعہ ملاقات یا بطریق مکاتبت رُجوع کر لیا کرتے تھے۔ یہ لوگ نیابت خاصہ کے حامل تھے۔

ان ہر دو مقامات پر تو سلطنت ظاہریہ و باطنیہ ہر دو یک جانتھیں۔ معاملات دنیاویہ اور مسائل دینیہ ہر دو کا حل نبی یا امام یا ان دو کے نائبین کے ہاتھ میں تھا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کا ابتدائی چھ ماہ کا زمانہ بھی اسی طرح تھا۔ لیکن جناب رسالتاؑ کے بعد سے لے کر حضرت علیؑ کی خلافت ظاہریہ کے دور تک اور حضرت امام حسنؑ کی صلح سے لے کر حضرت امام حسن عسکریؑ کے زمانہ تک ائمہ اہلبیت کے پاس حکومت ظاہریہ نہیں تھی۔ لہذا اس مدت میں حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام اپنے شیعوں کے لئے صرف مسائل دینیہ کا مرجع تھے۔ اطراف عالم سے شیعہ لوگ ان کی خدات عالیہ میں پہنچ کر ان سے احکام قرآنیہ مسائل شرعیہ کا درس حاصل کرتے اور ان پر عامل ہوتے تھے اور جو لوگ خدمت ائمہ میں شرف باریابی حاصل نہ کر سکتے وہ اپنے مقامی علمائے شیعہ سے جو ائمہ طاہرین سے پڑھ کر گئے ہوئے ہوتے تھے۔ اپنے مسائل دینیہ سیکھ لیا کرتے تھے چنانچہ کتب رجال میں بہت سے اصحاب ائمہ کا ذکر ہے جو ائمہ کی اجازت سے دُور دراز کے شیعوں کے لئے مرجع مسائل دینیہ قرار دیئے گئے جس طرح کہ جناب رسالتاؑ کی سلطنت اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے دور حکومت میں ان کے نائبین مرجعیت رکھتے تھے۔ متعدد اصحاب ائمہ جن کو شرف مرجعیت حاصل تھا وہ زمان حضور ائمہ میں مسائل دینیہ حل فرمایا کرتے تھے۔

۱، حضرت زرارہ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا شاگرد خاص تھا۔ آپ نے ایک شخص کو ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب تم کو ہماری حدیث کی ضرورت ہو تو زرارہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اس بیٹھنے والے کی طرف رجوع کر لیا کرو۔ ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا کہ اگر زرارہ نہ ہوتا تو ہمازی احادیث کہنے ہو جاتیں۔

۲، حضرت محمد بن مسلم، ابن ابی یعفور سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر

ہو کر عرض کی، مولانا میں ہر دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں اور لوگ مجھ سے مسائل دینیہ کا سوال کرتے ہیں تو چونکہ ہمیں بعض مسائل میں علم نہیں ہوتا۔ لہذا ایسے مقامات پر ہمیں کیا کرنا چاہیے تو آپ نے فرمایا۔

فما یمنعک عن الثقفی یعنی محمد بن مسلمہ تجھے ثقفی سے کیا مانع ہے (محمد بن مسلمہ ثقفی) پس تحقیق اس نے میرے باپ سے کافی احادیث سنی ہیں اور یہ ان کا خاص طور پر منظور نظر تھا (اس سے مسائل دریافت کر لیا کرو) وجہاً۔

(۳) ابان بن تغلب سنیانچہ مسلمہ بن ابی حبیب سے روایت ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے مجھے ابان بن تغلب کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔

(۴) ابولصیب شعیب عقر قوتی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ حضور ہمیں مسائل دینیہ دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے متعلق حضور کا ارشاد ہو ہم اس کی طرف رجوع کر لیا کریں تو آپ نے فرمایا علیک بالاسدی یعنی ابابصیر (ابولصیب اسدی سے دریافت کر لیا کرو)

(۵) زکریا بن آدم، علی بن مسیب سہلانی روایت کرتا ہے کہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی میرا وطن دُور ہے اور ہر وقت خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر (مسائل دینیہ دریافت نہیں کر سکتا) فرمائیے ہم کیا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زکریا بن آدم قمی جو دین و دنیا میں امین ہے سے دریافت کر لیا کرو۔

(۶) یونس بن عبدالرحمن، عبدالعزیز بن مہدی نے عرض کی کہ ہر وقت (بوجہ دوری مسافت کے) آپ سے مسائل دینیہ حاصل کرنے سے قاصر ہوں کیا یونس بن عبدالرحمن موثق ہے اس سے پوچھ لیا کروں؟ فرمایا ہاں! یہ لوگ جو احادیث ائمہ کی ترویج اور عوام شیعہ کی مشکلات مسائل دینیہ میں رہبری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان پر

ائمہ طاہرین علیہم السلام کو پورا وثوق تھا۔ حتیٰ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یزید بن معاویہ ابولصیب لیث بن بختری، محمد بن مسلم اور زرارہ۔ یہ چار ائمہ کے نجباء (بگزیدگان) اور ائمہ ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو آثار نبوت کہنہ ہو جاتے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا جس طرح ان چار شخصوں نے ہمارے ذکر اور احادیث کو زندہ کیا اسی طرح کسی اور نے نہیں کیا۔

اسی طرح زمان غیبت صغریٰ میں نواب اربعہ حضرت جت ج علیہ السلام کی طرف سے خصوصی عہدہ دار نیابت تھے، عثمان بن سعید، محمد بن عثمان بن سعید، ابوالقاسم حسین بن روح، علی بن محمد سمیری یہ بزرگوار جن کو ذکر کیا جا چکا ہے ان کا حضرت ائمہ طاہرین علیہم السلام سے ربط ظاہری قائم تھا اور ان کی جانب سے تبلیغ مسائل دینیہ و احکام قرآنیہ میں نائب خاص تھے۔

لیکن عہدہ نیابت صرف انہی پر منحصر نہیں تھا۔ بلکہ زمان ائمہ میں اطراف ممالک کے شیعہ لوگ اپنے ہاں کے

علمائے شیعہ اور راویانِ احادیث ائمہ کی طرف مسائلِ دینیہ میں رجوع کرنے پر مامور تھے فرق صرف یہ ہے کہ جو لوگ ائمہ کی خدمت میں پہنچ کر مشرفِ زیارت ہو سکے انہوں نے ازراہ اطمینان دریافت کر لیا کہ مسائلِ دینیہ اور امور شرعیہ میں جبکہ ہم آپ سے بہت دُور ہیں، کیا کریں؟ تو معصوم نے ایک عالمِ راوی حدیث کا نام سے لیا جو ان کے قریب ترین تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے مختلف سائلین کے جواب میں علیحدہ علیحدہ مراجع کا نام لیا۔ اگر سب کے لئے ایک مرجع کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تو جس مشکل اور دشواری کی وہ شکایت پیش کر رہے تھے اس کا ازالہ قطعاً نہ ہو سکتا اور اس سے دُور دراز والوں کے لئے پھر انہی مشکلات کا سامنا ہوتا اور یہ چیز قابلِ برداشت ہوتی تو کسی اور کو مرجع بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی بلکہ ہر اک پر خود امام کی خدمت میں پہنچنا اور ان سے ہی دریافت کرنا ضروری ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ شیعوں کی سہولت و آرام کے لئے اور تعلیماتِ قرآنیہ کو عام کرنے کے لئے ہر شہر کے عالم اور راوی حدیث کو اس شہر کے شیعوں کا مفتی نامزد فرمایا یا ہر علاقہ کے عالم و راوی حدیث کو اس علاقہ والوں کا مرجع قرار دیا۔

رجال کثی، سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے آپ کی خدمت میں خط لکھا کہ مسائلِ دینیہ میں ہم کس پر اعتماد کریں؟ تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا کہ تم اپنے دینی معاملات میں ہر اس شخص کی طرف رجوع کر سکتے ہو جو ہماری محبت میں سن رسیدہ ہو اور ہمارے امر میں (مسائلِ دینیہ میں) تجربہ کار ہو۔

عن الکثی عن ابی الحسن الثالث فیما کتبہ جواباً عن السؤال عن من یعتد علیہ فی الدین، اعتماداً فی دینکما علی کلّ مسنّ فی حبنا وکلّ کثیر القدر فی امرنا۔

تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد ہے کہ تمہارے شہر یا علاقہ میں قریب ترین لوگوں میں سے جو اس صفت سے متصف ہو۔ اس کی طرف رجوع کرو اسی طرح زمانہ غیبت امام علیہ السلام میں چونکہ امام کی خدمت میں رسائی تو ہو نہیں سکتی تھی کہ مسائلِ دینیہ کا جواب براہِ راست ان سے حاصل کیا جا سکتا۔ پس اس زمانہ کے شیعوں کو بلکہ ہر دور کے شیعوں کو ائمہ نے اس زمانہ کے علماء کی طرف رجوع کرنے کا حکم عام دیدیا۔ تاکہ ہر شہر یا علاقہ میں وہاں کے باشندے اپنے قریب ترین عالم دین سے راوی حدیث کی طرف رجوع کر کے آسانی سے دینِ خدا و احکامِ قرآن کی تعلیم حاصل کر کے اس پر عمل کر سکیں اور اسی کا نام ہے تقلیدِ چنانچہ اسٹیج بن یعقوب کے سوالات کے جواب حضرت حجت عجل سے تحریراً ارشاد فرمایا۔

واما اللّٰھ واثّ الواقعة فارجعوا فیھا الی رواۃ احادیثنا فانہم حجّتی علیکم وانا حجّۃ اللّٰم علیہم
پس ائمہ کے مسائل میں ان لوگوں کی طرف رجوع کرو جو ہماری حدیثوں کے راوی ہیں وہ میری جانب سے تم پر حجّت ہیں اور میں ان پر حجّت خدا ہوں۔
نیز حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:

فاما من کان من الفقہاء صائناً لنفسه
پس جو شخص فقہاء میں سے اپنے نفس پر قابو رکھنے والا، دین کا نگہبان

لے عن اکمال الدین لے عن الاحتجاج

حافظ الدینہ مخالفاً علی ہواہ مطیعاً لامر

مولانا فللعوام ان یقلدوا

خواہش کا مخالف اور مولانا کا فرماں بردار ہو پس عوام کو چاہیے کہ اس کی تقلید کر لیں۔

نیز کافی میں بروایت عمر بن حنظلہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں مروی ہے کہ ایک سوال کے

جواب میں ارشاد فرمایا۔

من کان منکر من قد سوی حدیثنا ونظرفی

حلالنا وحرماننا وعرّف احکامنا فلیرضوا بہ

حکما فانہ قد جعلتہ حاکما فاذا حکم

بجکنا فلم یقبلہ منہ فانما استخف بکلم

اللہ وعلینا ردّ والہا دعلینا التواذ علی اللہ و

هو علی حد الشریک باللہ الخ

جو شخص تم میں سے ہماری حدیثوں کا راوی ہو اور ہمارے حلال و حرام کو جانتا ہو اور ہمارے احکام کی معرفت رکھتا ہو (پس شیعوں کو چاہیے) کہ اس کے حکم پر راضی ہو جائیں۔ میں نے اس کو تمہارے ادب پر حاکم بنایا ہے پس جب وہ ہمارا حکم سنائے اور اس کو قبول نہ کیا جائے۔

پس گویا وہ اللہ کے حکم کی توہین اور ہماری تردید ہے۔ اور ہمدردی تردید اللہ کی تردید ہے اور وہ حد شرک ہے۔

پس ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زمان غیبت میں مجتہدین عظام کی وہی حیثیت ہے جو ائمہ کے ظہور کے زمانہ میں ان کے اصحاب کی تھی۔ صرف فرق یہ ہے کہ ان میں بعض خاص طور پر نامزد تھے اور بعض عمومی طور پر مجاز تھے اور زمان غیبت امام علیہ السلام میں سب علمائے امامیہ (مجتہدین عظام) یکساں طور پر عمومی لحاظ سے مامور ہیں اور شیعوں کو بھی بالعموم حکم ہے کہ ان کی طرف رجوع کریں اور ان کی تقلید کر کے اعمال بجالائیں۔

اس مقام پر پہنچ کر تائید مزید کے لئے آیت قرآنی پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ پلّٰع میں ارشاد ہوتا ہے۔

مَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً - فَذَرِكُوا

نَفَرًا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا

فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوا

اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ -

مومنین سب کے سب تو (دینی مسائل طلب کرنے کیلئے) باہر نہیں جاسکتے لیکن ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر قوم کی طرف سے ایک ایک گروہ جا کر مسائل فقہیہ دینیہ حاصل کر لیں۔ اور واپس آکر اپنی قوموں کو خوف خدا کی تلقین کریں۔ شامدردہ ڈرجائیں اور اعمال صالحہ کی طرف توجہ کریں)

اس آیت شریفہ میں ہر ہر قوم سے ایک ایک گروہ کو فقیہ بننے کی دعوت دی گئی ہے۔ محض اس سہولت و آسانی کیلئے جس کو ائمہ طاہرین نے ملحوظ قرار دیا تھا۔ تاکہ عوام مومنین احکام قرآن سیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس نہ کریں۔ پس بنا بریں ہر وہ شخص جو جامع شرائط فتویٰ ہو۔ متدین ہو، شہوات و خواہشات کا دلدادہ نہ ہو۔ یعنی نیک و صالح ہو۔ عوام پر واجب ہے کہ اس کی تقلید کریں یعنی مسائل دینیہ سیکھنے میں اس کی طرف رجوع کریں۔

مسئلہ تقلیدِ اعلم

اس مقام پر پہنچ کر یہ بات خود بخود واضح و عیان ہو جاتی ہے کہ تقلیدِ اعلم کا مسئلہ جو عام مشہور ہے۔ بالکل غالی اور دلیل اور بے بنیاد ہے۔ البتہ اگر ایک ہی شہر یا علاقہ میں متعدد فقیہ موجود ہوں اور ان کے فتاویٰ میں اختلاف ہو تو اس صورت میں اعلم کی طرف رجوع ضروری ہے جیسا کہ کافی میں عمر بن خطاب کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔

ورنہ جب زبانِ اکثرت میں یہ سہولت ملحوظ تھی کہ ہر شہر و علاقہ کے لوگ اپنے قریب ترین اعلم کی طرف مسائلِ دینیہ میں رجوع کر کے اعمال کی صحت کریں اگر اعلم کی طرف رجوع واجب ہوتا تو اس زمانہ کے شیعوں کے لئے سوائے امام علیہ السلام کے اور کسی کی طرف رجوع کی اجازت نہ ہوتی۔ جیسا کہ زبانِ رسالت میں یہ چیز صرف سرکارِ رسالت تک ہی محدود رہتی اور اور اسی طرح حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے زمانہ میں آنحضرت تک محدود ہوتا اور نائبین کی صورتِ اول سے آخر تک سب باطل ہوتی کیونکہ ہر دور کے نائبین اپنے اپنے مقامات پر ناقلاً فتویٰ نہیں تھے بلکہ خود اپنے اجتہادات سے فتویٰ دیا کرتے تھے حالانکہ ان سے اعلم خود نبی یا امام معصوم موجود تھے۔

خداوند کریم نے ہر قوم میں متعدد فقیہ پیدا کرنے کا حکم صادر فرمایا کہ مرجع تقلید کو عام قرار دیا ہے تاکہ احکامِ شریعت کے سیکھنے اور سکھانے میں عسر و ہرج نہ رہے اور دینِ خدا آسان و سہل ہو اور اسی بنا پر زبانِ رسالت سے تازبان حضرت امام حسن عسکریؑ اسی سہولت کو برقرار رکھا گیا اور عوام کی مرصحت کو عام کیا گیا اور یہ پابندی نہ رکھی گئی کہ معصوم ہی سے دریافت کیا جائے اور بس۔ ورنہ عوام پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہوتا۔ جس کو روا رکھنا تکلیف مالا یطاق کے مترادف ہے پس جب اس وقت اس آسانی کو ملحوظ رکھا گیا تو زمانہ غیبت میں شیعوں سے بلاوجہ یہ سہولت کیوں سلب کر لی گئی؟

نیز قرآن میں ہر قوم کو متعدد فقیہ پیدا کرنے کا کیوں حکم ہوا؟ جب کہ پوری روئے زمین پر صرف ایک ہی مفتی کی تقلید واجب تھی؟ جب ایک کے علاوہ باقیوں سے مسئلہ پوچھنا ناجائز ہو تو ان پر بتانا کیسے واجب ہو سکتا ہے؟ تو پھر ان کا فقیہ بننا کس کام کا؟

جن جن احادیث میں تقلید کا حکم دیا گیا ہے ان میں کہیں نہیں کہ صرف ایک ہی اعلم کی تقلید واجب ہے۔ بلکہ روایات میں صاف طور پر ہے کہ جو بھی حرام و حلال جاننے والا، خواہش نفس کا مخالف، اللہ کا اطاعت گزار وغیرہ شرائط رکھتا ہو عوام کو ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

ابتداءً زمانہ غیبت سے آج تک ہر دور میں ہزاروں کی تعداد میں نہیں تو سیکڑوں کی تعداد میں تو ضرور مجتہدین رہے ہیں اور ہر مجتہد اپنے حلقہ تقلید میں فتویٰ دیتا رہا ہے اور اس کے فتاویٰ پر ان کے مقلدین عمل کرتے رہے ہیں۔ اس دور

میں تو یقیناً ہزاروں کی تعداد میں مجتہدین موجود ہیں اور بہت سوں کے رسائل عملیہ طباعت شدہ ہیں۔ ان کے مقلدین بھی موجود ہیں اگر صرف ایک اعلم کی تقلید واجب ہو تو مندرجہ ذیل چند خرابیوں کا لازم آنا ضروری ہے جن کا علاج بھی سوچنا پڑے گا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا عالم (اعلم) تو ایک زمانہ میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ پس اس ایک کی تقلید واجب ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ دوسروں کی تقلید حرام ہو۔ لہذا اللہ کے نزدیک تو اسی ایک ہی مجتہد (اعلم) کے مقلدین کے اعمال درست اور قابل قبول ہوں گے۔ پس وہ مجتہد (اعلم) بھی مستحق نجات اور اس کے مقلدین بھی ناجی اور اس مجتہد اعلم کے علاوہ جتنے مجتہدین نے اعلم کی موجودگی میں فتویٰ دیا انہوں نے غلط اور ناجائز کیا اور جن لوگوں نے ان سے فتویٰ لیا انہوں نے بھی غلط کیا اور فعل حرام کیا۔ لہذا ان تمام اعمال باہگیاں مبراہوں کے پس نہ غیر اعلم مجتہد ناجی ہوئے اور نہ ان کے مقلدین: گویا۔ دور حاضر میں ہزاروں کی تعداد میں ایک اعلم کے علاوہ سب مجتہدین اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ان کے تمام مقلدین غلط راستے پر ہوئے اور ان سب کے اعمال ضائع و بے کار ہوئے۔

اور یہ ممکن ہے کہ جس شخص کو ایک آدمی نے اعلم سمجھ کر اس کی تقلید کی ہے۔ اللہ کے نزدیک وہ اعلم نہ ہو اور دور حاضر میں اکثر صاحبان رسالہ مجتہدین کے رسائل عملیہ کے ٹائٹل پیج (سرورق) پر جس مجتہد کا وہ رسالہ ہوتا ہے اس کے نام کے ساتھ اعلم لکھا ہوا ہوتا ہے۔ گویا ہر صاحب رسالہ اپنے آپ کو اعلم قرار دیتا ہے۔ ورنہ جب اس کا فتویٰ ہے کہ تقلید صرف اعلم کی ہی کی جاسکتی ہے تو اگر اپنے آپ کو غیر اعلم سمجھے تو رسالہ عملیہ ہی کیوں لکھے؟ اب واقع میں تو اعلم صرف ایک ہی ہے اور تقلید بھی صرف اسی ایک کی ہی جائز ہے اور دعویٰ اعلیت کرنے والے میں زیادہ پس نہ اعلم کا ایسی فیصلہ ہوگا اور نہ کوئی شیعہ دریں صورت دعویٰ کر سکتا ہے کہ میری تقلید اور اعمال درست ہیں۔ لہذا اگر تقلید اعلم واجب ہو تو اعمال کی کشتی اس طوفانی مہنور میں چلتی ہی رہے گی۔

۱۲) اگر اعلم کی تقلید واجب ہو اور غیر اعلم کی حرام ہو تو جس طرح عوام پر واجب ہے کہ اعلم کی تشخیص کریں اور پھر اس کی تقلید کریں اسی طرح مجتہدین (صاحبان فتویٰ) میں سے ہر ایک پر واجب ہونا چاہیے کہ جب تک ان کو اپنی اعلیت کا یقین پیدا نہ ہو جائے فتویٰ نہ دیں تو جس طرح عوام کے لئے تعین اعلم کے لئے علامات قرار دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح ان کے پاس بھی تشخیص اعلیت کا کوئی ذریعہ ہو۔ بلکہ عوام کے لئے متعدد دعوے داروں میں سے ایک کا اعلم ہونا معلوم کرنا زیادہ مشکل ہے۔ بہ نسبت ان کے کیونکہ ان سب پر اگر تشخیص اعلیت کے بغیر فتویٰ حرام ہو تو تاریخ مقرر کر کے یک جا جمع ہو کر چند روزہ تبادلہ خیالات سے کسی ایک کی اعلیت پر یقین پیدا کر لیں گے پس تمام لوگوں کو اسی ایک کے فتویٰ پر عمل کرنے کی دعوت دیں اور خود سوائے اسی ایک کے فتوے سے دست برداری اختیار کر لیں۔

اور یہ اجتماع تنائین ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے صاحب فتویٰ ہونا جائز اور عوام پر صرف ایک اعلم کی تقلید اور اس کے فتویٰ پر عمل کرنا واجب اور باقیوں کے فتاویٰ کو رد کر دینا ضروری۔ اور عجیب و غریب معنی ہے کہ فتویٰ

دیتے کے لئے مجتہد پر اپنی اعلیت کا علم پیدا کرنا واجب نہ ہو اور عوام پر فتویٰ قبول کرنے کے لئے تشخیصِ احکم ضروری ہو۔ جب غیر علم کی بات سنا نا جائز ہے تو غیر علم کو بات کرنے کی اجازت دینا کون سا عدل ہے۔

(۱۳) اگر تقلیدِ علم واجب ہو تو آیت نذر (لَوْ لَا فَضْلُ مِنِّي كُلِّ فَسَّادَةٍ - الایۃ) معاذ اللہ بے معنی رہ جائے گی کیونکہ اس مذکورہ آیت میں تو ارشاد خداوندی ہے کہ ہر قوم میں سے متعدد فقہا ہونے چاہئیں جو اپنے حلقہ اثر میں تبلیغاتِ قرآنیہ اور احکامِ شرعیہ کو لوگوں تک پہنچائیں اور لوگوں کو عذابِ خدا سے محفوظ رکھیں اگر صرف علم کے علاوہ دوسروں کے فتویٰ پر عمل کرنا ناجائز ہو تو ہر قوم میں متعدد فقہا پیدا کرنے کا حکم دینا بے کار ہے اور وہی اجتماعِ متنافیین یا خلافِ عدل ہی لازم آئے گا کہ اُدھر حکم ہے علماء کے لئے کہ زیادہ فقیہ بنو اور مفتی بن کر اپنی اپنی اقوام میں احکامِ شرعیہ کی ترویج کرو۔ اور ادھر عوام کو حکم ہے کہ صرف ایک ہی کا فتویٰ مانو۔ جو سب سے بڑا ہو اور اس کے علاوہ کسی کی نہ سنو۔ دریں صورت تو کیا اچھا ہوتا کہ اُدھر علماء کو فرمادیتا کہ تم سب تکلیف نہ کرو۔ صرف ایک ہی فتویٰ دینے کے لئے کافی ہے۔ پس یہ اشتباہ ختم ہو جاتا۔

(۱۴) اگر تمام روئے زمین پر صرف ایک علم کی تقلید واجب ہو تو رفتہ رفتہ علم فقہ دنیا سے اٹھ جائے گا کیونکہ علم کی تقلید کے وجوب کا مطلب تو یہ ہے کہ باقیوں سے کوئی فتویٰ نہ لے۔ تو جس شخص نے اپنی عمر کا عزیز ترین حصہ طلبِ علومِ دینیہ میں صرف کیا اور صرف اس لئے کہ فراغت کے بعد مذہب کی خدمات انجام دوں گا تو جب یہ فارغ ہوگا اور سب مسائل شرعیہ حاصل کرے گا تو چونکہ تقلید واجب ہے صرف علم کی۔ نہ تو یہ خود غیر کی تقلید کر سکتا ہے۔ کیونکہ خود مجتہد ہے اور نہ غیر مجتہد (عوام) اس کی تقلید کر سکتے ہیں کیونکہ یہ علم نہیں اگر مذہب کی خدمات کرے تو کیونکہ؟ کیونکہ اگر زبانی خدمات کرے تو یہ صرف نقل قول ہی کر سکتا ہے اپنی علمی تحقیقات کو منظر عام پر نہیں لاسکتا کیونکہ لوگ اس کے معتقد نہیں ہیں اور اگر تصنیف کی طرف قدم بڑھائے تو وہاں بھی نقل قول پر ہی اُسے منحصر رہنا چاہیے کیونکہ اس کی ذاتی تحقیقات ناقابلِ قبول ہیں اس لئے کہ وہ علم نہیں پس اس کی قومی و مذہبی خدمات صرف نقل قول تک ہی منحصر رہ گئیں تو اتنی کافی مدت تک اس کی سروروی کا کیا نائدہ؟ اگر اپنی علمی تحقیقات کو ظاہر کرنے کے لئے یا عوام کو قبول کرنے کے لئے شرعی اجازت نہیں تو مذہبی خدمات کا جذبہ لے کر اپنی عمر عزیز کو رائیگاں ہی کرتا رہا۔ پھر تو سرے سے اس کو تحفۃ العوام یا دیگر عملیات کو تھوڑے عرصہ میں عبور کر کے پیش نماز ہو کر قوم کی خدمات کرتا رہنا چاہیے تھا۔

دریں صورت جو شخص تحصیلِ علم کے میدان میں قدم رکھے اسے یقین کر لینا چاہیے کہ اگر ہی درجہ تک پہنچ جانے کے بعد بھی میری حیثیت ناقل کی ہوگی۔ عالمانہ حیثیت تب حاصل ہوگی جب روئے زمین میں علم صرف میں ہی ہوں گا تو سرے سے جذبہ تحصیلِ علم رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔ اور علومِ شرعیہ اٹھ جائیں گے۔

(۱۵) بحار الانوار میں سرکار رسالت سے منقول ہے۔ فرمایا: علماء امتی کا نبیا نبی اسرائیل دسیری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس طرح بنی اسرائیل کے انبیاء بیک وقت ہزاروں یا سینکڑوں کی تعداد

میں عہدہ تبلیغ نبوت پر فائز تھے اور اپنی اپنی بستی یا قوم یا گھر میں فرائض تبلیغ انجام دیا کرتے تھے؛ اسی طرح میری امت کے علماء ہزاروں یا سینکڑوں کی تعداد میں بستی بستی یا قوم قوم میں اپنے اپنے مقامات پر خدمات دینیہ انجام دیں گے اگر یہ فریضہ صرف اعلم کے ذمہ ہو تو اس تشبیہ کا کیا فائدہ؟

(۶) یُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ خدا تمہاری آسانی چاہتا ہے اور تمہاری تنگی نہیں چاہتا۔ اگر پوری دنیا میں صرف ایک اعلم کی طرف رجوع کرنا واجب ہو تو نئے نئے پیش کردہ مسائل جن کا ان کے رسالہ علمیہ میں ذکر نہ ہو اور اطراف عالم میں ان کا پیش آنا ہے بھی ضروری۔ اگر ان سب میں صرف اسی ایک ہی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو تو ایک آدمی ان سب کے جوابات کیسے دیگا؟ اور یہ دریافت کرنے والے جواب کی آمد تک کون سی زندگی گزاریں گے۔ جبکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے جواب کی باری کب آئے گی؛ تو اس کا مطلب تو یہی ہے کہ معاملہ سب گڑ بڑ رہے گا پس نہ مجتہد کو کسی وقت ان جوابات سے فراغت ملے گی تاکہ اس کی زندگی کا کوئی لمحہ آرام سے گزرنے پائے اور نہ عوام کو مسائل شرعیہ میں صحیح رہبری حاصل ہو سکے گی۔ بخلاف اس کے اگر ہر جگہ کے عوام کو اپنے قریب ترین مجتہد کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہو جس طرح کہ ائمہ کے زمانہ میں تھا تو عوام کو مسائل دینیہ و احکام شرعیہ حاصل کرنے میں بھی آسانی اور مفتی پر بھی بوجھ کم۔ اگر ایسا نہ ہو تو شریعت سہلہ کی لفظ بے کار اور آیت نفی عسّر مذکورہ معاذ اللہ بے معنی ہوگی۔

(۷) ائمہ طاہرین علیہم السلام نے دور دور کے شیعوں کو اپنے قریب ترین عالم۔ راوی حدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم کیا ہے؛ (جس طرح کہ ص ۲۰۹، ۲۱۰ پر گزر چکا ہے) اگر صرف ایک اعلم کی طرف رجوع واجب تھا تو حضرت ائمہ طاہرین اعلم بھی تھے اور معصوم بھی پس جب معصومین نے اپنے حضور کے زمانہ میں دور دراز کے شیعوں پر یہ بھار ڈالنا گوارا فرمایا تو زمان غیبت میں اس بوجھ کو کیوں گوارا کیا گیا؟ کیا زمانہ حضور اور زمانہ غیبت کی شریعت جدا جدا ہے؟ پس نتیجہ یہی نکلا کہ تقلید اعلم کا وجوب دعوائے بلا دلیل اور بجائے نفع کے نقصان عظیم کا موجب ہے بلکہ ہر مجتہد جامع الشرائط کی تقلید جائز ہے اور اس کے فترے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

سوالی پیدا ہوتا ہے کہ اگر اعلم کی تقلید واجب نہ ہو تو وحدت مرکز ختم ہو جائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام شیعہ کا مرکز واحد صرف حضرت حجت علیہ السلام جو موجود ہیں اور تمام علماء اسی کی شعاعیں ہیں اور اگر خواہ مخواہ مرکز ظاہری کی ہی وحدت کا مطالبہ ہو تو وہ قطعاً زمان غیبت میں حاصل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اعلم کی تقلید کی صورت میں وحدت مرکز تو جب ہوگی کہ جب اعلیت کا مدعی صرف ایک ہی ہو۔ جب ہر رسالہ علمیہ کے سر درق پر مجتہد صاحب رسالہ کے نام کے ساتھ اعلم کی لفظ موجود ہو تو اعلیت کا فیصلہ کیونکر ہوگا۔ اور وحدت کیسے آئے گی؟ اور ممکن ہے کہ جس کو ایک طبقہ والوں نے اعلم کہا ہے۔ دوسرے طبقہ کے نزدیک ان کا نظریہ غلط ہو بلکہ ان کی نگاہوں میں اعلم کوئی اور ہو۔

صرف شہرت ہی تشخیصِ علم میں ناکام ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک طبقہ میں ایک کی اعلیٰیت کا شہرہ ہو۔ اور دوسرے طبقہ میں دوسرے کی شہرت ہو اور تیسرے طبقہ میں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور شہرت کا حامل ہو جس طرح دوبرہامن میں یہ چیز عیاں راجہ بیان کی مصداق ہے نہ اس اعلیٰیت کا تسویہ ہو سکتا ہے اور نہ وحدت قائم ہو سکتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ عقلاً علم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے کیونکہ مقتضائے عقل یہ ہے کہ ہر فن میں بوقتِ ضرورت اس فن کے ماہر ترین انسان کی طرف رجوع کیا جائے۔ مثلاً بیمار کو علاج کے لئے اعلیٰ ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنے کی عقلِ دعوت دیتی ہے۔ مکان کے لئے اعلیٰ معمار، قانون کے لئے اعلیٰ وکیل، پڑھنے کے لئے اعلیٰ استاد و اعلیٰ مذاہن گویا ہر فن میں فن کے ماہر ترین انسان کی طرف رجوع کرنا عقل کا اہل فیصلہ ہے۔ پس مساکن شرعیہ میں علم کی طرف رجوع ضروری ہے۔ اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ زمانہ آئمہ میں عملی طور پر اس نظر یہ کے خلاف کر کے اس کو رد کر دیا جا چکا ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ ہر فن میں ماہر ترین فن کی تلاش قطعاً عقلاً واجب نہیں کیونکہ دنیا بھر میں ہر فن کا ماہر ترین تو ایک وقت میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اگر پوری دنیا والوں کے لئے صرف اسی ایک کی طرف رجوع کرنا واجب عقلی ہوتا تو تمام دنیا کا نظام معطل ہو جاتا۔ ہاں عقلاً اتنا واجب ضرور ہے کہ ضرورت کے وقت پہلے پہل قریب ترین عالم فن کی طرف رجوع کیا جائے۔ اگر اس سے ضرورت پوری نہ ہو سکے تو علاوہ بھر کے ماہر فن کو طلب کیا جائے اگر اس سے بھی مطلب حل نہ ہو تو حسبِ حیثیت آگے قدم بڑھاتا چلا جائے۔ بلکہ گھر میں بیٹھ کر قریب ترین ماہر فن سے مطلب پورا ہو سکے کے باوجود دور دراز کی سفر کی تکالیف برداشت کرنا اور قریب والوں کو نظر انداز کرنا قطعاً خلاف عقل ہے پس مساکن شرعیہ کے حاصل کرنے کے لئے بھی عقلی نقطہ نگاہ یہی ہے کہ اولاً قریب ترین عالم کی طرف رجوع ہو اور بصورتِ عجز آگے قدم رکھا جائے اور اس کے خلاف کرنا خلاف عقل ہے اور خلاف نقل بھی ہے۔ جس طرح کہ مفصلاً ذکر کیا جا چکا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ آج تک تمام علمائے کرام و مجتہدین عظام کا یہی فتویٰ رہا ہے کہ علم کی تقلید واجب ہے اور اس کے بغیر اعمال سب باطل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مجتہدین کا اگر یہ فتویٰ ہوتا تو ہر دور میں متعدد صاحبِ فتوے کیوں موجود ہوتے۔ دورِ حاضر میں ایران و عراق و ہند میں متعدد صاحبِ رسالہ موجود ہیں۔ اسی طرح کربلا، سامرا، کاظمین اور ایران کے ہر بڑے شہر میں مجتہدین موجود ہیں۔ جن کے فتاویٰ پر عمل ان کے معتقدین کرتے ہیں اگر ان تمام کے نزدیک صرف علم کی تقلید واجب ہوتی تو فتویٰ دینے یا رسالہ علمیہ لکھنے سے پہلے اپنی اعلیٰیت کا علم کیوں نہ پیدا کرتے؟ بلکہ مشاہدہ ہے کہ ایک ہی وقت میں اساتذہ مجتہدین بھی موجود ہیں اور ان کے تلامذہ مجتہدین بھی موجود ہیں۔ استاد اور شاگرد ہر دو کے عملیہ بھی موجود ہیں اور علیحدہ علیحدہ معتقدین بھی موجود ہیں۔ اب اگر علم کی تقلید واجب ہو تو ان دو میں سے یا استاد علم ہے یا شاگرد پس غیر علم کو چاہئے کہ فتویٰ سے دست بردار ہو جائے۔ جبکہ وہ جانتا ہے کہ تقلید صرف علم کی ہی ہو سکتی ہے۔ لہذا اپنے تمام حلقہ اثر میں اپنے سے علم کی طرف رجوع کا حکم دیدے اور حد یہ ہے کہ چونکہ یہ

بات عام چلی چکی ہے کہ اعلم کی ہی تقلید ہونی چاہیے۔ لہذا اساتذہ کے رسائل عملیہ کے سرورق پر بھی نام کے ساتھ اعلم کی لفظ ہے اور تلامذہ کے رسائل عملیہ کے سرورق پر بھی ان کے نام کے ساتھ اعلم کی لفظ موجود ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا کرتا ہے کہ تلامذہ کا حلقہ تقلید بہ نسبت اساتذہ کے وسیع تر ہوتا ہے۔ پس اب یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ آیا تمام مجتہدین کے نزدیک اعلم کی تقلید واجب ہے یا نہ؟ اور ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ تمام مجتہدین اعلم کی تقلید واجب نہیں سمجھتے اور ان کا اپنا عمل اس کا شاہد بین ہے۔ بلکہ ان کا عمل صاف طور پر اعلان کر رہا ہے کہ ہر مجتہد جامع شرائط کی تقلید جائز ہے۔

اب ذرا اعلم کی لفظ پر غور کیجئے۔ اگر مسئلہ تقلید اعلم میں اعلم کا مطلب یہ ہو کہ دور موجود کے تمام مجتہدین سے اعلم تو سابقہ برائین و اولہ سے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس معنی میں تقلید اعلم واجب نہیں ورنہ وہ خرابیاں لازم آئیں گی جو مذکور ہو چکی ہیں اور نیز نہ اعلم اس معنی میں معتقدین کو معلوم ہو سکتا ہے اور نہ خود مجتہدین اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں تاکہ اس پر عملی اقدام کیا جاسکے پس اعلم کا معنی ہے (اعلم فی الجملہ) تو اس اعتبار سے ہر جامع شرائط مجتہد عوام کے مقابلہ میں اعلم ہے اور اس کی تقلید واجب ہے اگر اعلم کا معنی یہ نہ ہو، بلکہ وہ پہلا معنی یعنی تمام مجتہدین میں سے اعلم تو ہر مجتہد کو فتویٰ دینے یا رسالہ لکھنے سے پہلے ضروری ہو جائیگا کہ تمام مجتہدین میں سے اپنی اعلیت کا علم پیدا کریں اور پھر فتویٰ دیں اور یہ علم پیدا کرنا مشکل نہیں بلکہ محالات میں سے ہے۔ لہذا اعلم کا دوسرا معنی بالکل درست ہے۔ اور حدیث سابقہ صَنِ كَانَتْ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَانِتًا لِنَفْسِهِ الْحَدِيثِ۔ یعنی فقہار میں جو شخص بھی ان شرائط کا جامع ہو عوام اس کی تقلید کر سکتے ہیں یا اس کے ساتھ دوسری حدیثیں مثلاً جو بھی ہمارے حلال و حرام کا جاننے والا اور ہمارے احکام کا عالم ہو وہ ہماری طرف سے تمہارے اوپر حاکم ہے یہ ہمارے راویان حدیث ہماری طرف سے تمہارے اوپر حجت ہیں۔ گویا ائمہ کی یہ سب قرآنات اسی دوسرے معنی کی شاہد ہیں۔ پس تمام مجتہدین اس معنی کے اعتبار سے اعلم کی صفت سے متصف ہیں کیونکہ وہ عوام سے یقیناً اعلم ہیں۔ لہذا ان کی تقلید میں اعمال بجالانا درست ہے۔ پس اعلم کی لفظ صرف رسمی ہی ہے۔ ایران و عراق و ہند وغیرہ میں جہاں جہاں لوگ کسی مجتہد جامع شرائط کی تقلید سے اعمال بجاتے ہیں۔ بالکل درست اور انشاء اللہ موجب اجر ہیں۔ خداوند کریم کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا اور اس نے اپنے دین کو سہل کیا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ہرج و مرج نہیں ڈالتا پس تمام مجتہدین جو جامع شرائط فتویٰ ہوں اپنے مقامات پر فتویٰ دے سکتے ہیں اور علاقہ والے ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ حضرت حجت قائم آل محمد علیہ السلام کی تائید غیبی شامل حال ہے اور وہ سب ان کے فرائض نیابت عامہ انجام دینے کے اہل ہیں اور ان کی طرف سے اس کا خیر کے انجام دینے پر مامور ہیں۔ جس طرح ان کا فرض ہے کہ ان سے کما حقہ استفادہ کریں اور ان کو خدمات عملیہ کا موقع دیں۔ بجا لانا اور جلد حدیث میں وارد ہے کہ بروز محشر تین چیزیں اللہ کی بارگاہ میں اپنی کس مہر سی کی شکایت کریں گی۔

۱) قرآن مجید جس کو لاکر رکھ دیا گیا ہو اور اس پر تلاوت نہ کی جائے (صرف الماری یا مندوق کی ہی زینت بنا رہے)
 ۲) وہ مسجد خستہ حال جس میں نماز نہ پڑھی جائے۔

۳) وہ عالم جس سے مسائل نہ دریافت کئے جائیں (تقلیدِ اعلم کی مشہور اصطلاح کے مطابق جبکہ عوام کا فریضہ صرف ایک سے ہی دریافت کرنے پر منحصر ہو) تو حدیث کے اس فقرہ کا کوئی معنی ہی نہیں۔ اس اصطلاح کے مطابق غیر اعلم مجتہد کی بروز عشر شکایت ہی بے جا ہے پس تمام مجتہدین جو جامع الشرائط ہوں مجموعی طور پر اعلم ہیں اور حضرت حجت کے نائبین عمومی ہیں۔ تمام عالم میں ان کا فیض درحقیقت انہی کا فیض ہے۔ جس طرح شہر میں بجلی گھر ایک ہوتا ہے اور اس سے ربط رکھنے والے قصبے دُور دُور تک گھروں میں روشنی پہنچاتے ہیں۔ یہ روشنی ان کی نہیں ہوتی بلکہ درحقیقت اسی مرکز کا فیض ہوا کرتا ہے جس سے ان مقننوں کی تاریلی ہوئی ہوتی ہے یا جس طرح ایک بادشاہ سیر و تفریح یا دیگر امور ضروریہ کے لئے کچھ عرصہ کے لئے ملک سے باہر چلا جائے یا کسی مصلحت کے ماتحت گھر کے اندر ہی بیٹھ جائے اور باہر نہ نکلے تو اس کا مطلب یہ سرگز نہیں ہوگا کہ ملک بادشاہ کے فیض سے محروم ہے کیونکہ اطراف مملکت میں ہر ضلع یا صوبہ کے مقامی عہدہ داروں کا نظام سلطنت کو بحال رکھنا اور ضابطہ قوانین مملکت کی پاسداری و نگہبانی کرتے رہنا اسی سلطانِ غائب کا ہی فیض ہوا کرتا ہے اور وہ ملک بھی اسی کا ملک کہلاتا ہے یہ سب اسی کے لازمین شمار ہوتے ہیں۔ بادشاہ کا آنکھوں کے سامنے ہونا یا غائب ہونا اس کے فیضِ عام میں ذخیل نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ شاہی نظام کی کفالت ہی اس کا فیض ہے۔

پس زمانِ غیبت میں علمائے کرام اپنے عہدہ کے ذمہ دار ہیں اور ان کی کوتاہیاں موجب باز پرس ہیں اور ان کی اپنے فرائض کی انجام دہی موجب اجرِ عظیم ہے چنانچہ جو علما خوشنودی خدا کو ملحوظ رکھ کر احکامِ قرآن کو زندہ کریں اور عبادتِ اہلبیت عصمت اور ان کی صحیح تقلید سے لوگوں کو روشناس کرائیں اور مذہباتِ دنیویہ کو کما حقہً بجا لائیں۔ ان کے متعلق وارد ہے کہ وہ کافلِ ایامِ آلِ محمد کے نام سے پکارے جائیں گے۔ کتابِ بحار الانوار جلد ۱۱ میں جناب رسالتِ مصلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ حضور نے فرمایا۔ اپنے حقیقی باپ کے سایہ سے محروم رہنے والے یتیموں سے بھی بڑا یتیم وہ شخص ہے جو اپنے امام کے فضلِ عاطفت سے محروم ہو جائے اور ان تک پہنچ نہ سکے اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ جن مسائلِ دنیویہ سے مجھے تعلق ہے اور مجھ سے باز پرس ہے ان کے احکام کیا ہیں؟

آگاہ ہو یا جو شخص ہمارے شیعوں میں سے ہمارے علوم کا عالم ہو تو یہ شخص جاہل جو نہ ہمارے احکام جانتا ہے اور نہ ہم تک پہنچ سکتا ہے اس کی گرد میں ہنزلہ یتیم کے ہے پس جو اس کو ہدایت کرے گا اور اس کی رہبری کرے اس کو ہماری شریعت کے مسائل سکھائے گا وہ ہمارے ساتھ رفیقِ اعلیٰ میں ہوگا (علامہ مجلسی قدہ نے رفیق کے متعلق فرمایا ہے کہ مراد اس سے انبیاء کی جماعت ہے جو اعلیٰ علیین) میں ہوگی۔

نیز بحار الانوار میں سرکار رسالت سے پانچ کاموں کو عبادت کے نام سے موسوم کرنا منقول ہے۔ آپ نے فرمایا

- (۱) علماء کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے (علمائے صالحین جن کا مقصد رضائے خدا کے لئے ترویجِ دینِ خدا ہو۔
- (۲) حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔
- (۳) قرآن شریف پر نظر کرنا عبادت ہے (تلاوت وغیرہ کا ثواب اس سے الگ ہے)
- (۴) بیت اللہ (کعبہ) کا دیکھنا عبادت ہے۔
- (۵) والدین کی طرف (مہر و محبت سے) نظر کرنا عبادت ہے۔

پس مہر کیف بفرمانِ اکملہ طاہرین عوام پر علماء حاکم و محبت ہیں اور ان پر اکملہ حجت خدا و حاکم ہیں تو جس طرح عوام پر ان کے حقوق ہیں۔ اور وہ ان کی حقوق تلفی میں مسؤل و ماخوذ ہوں گے اسی طرح اکملہ کی طرف سے عوام کے ان پر حقوق ہیں جن کے وہ مسؤل ہوں گے۔

اپنے فالض منصبیہ کی ادائیگی پر عوام سے اُجرت طلب کرنا یا دیگر منافع دنیا پر نظر رکھنا علماء کی شانِ نیابت کے سراسر منافی ہے بلکہ ان کو تو اپنے حسن کردار اور بُندی سیرت سے عوام کو سیرتِ اکملہ کی طرف جذب کرنا ضروری ہے اور یہی ان کی شان ہے۔ ورنہ جس طرح جنت کے اعلیٰ درجات میں علمائے عالمین کا مقام ہے اسی طرح جہنم کے اسفل درجات میں علمائے سواد کی جگہ ہے۔

علمائے سوء کا حشر

بحار الانوار جلد میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جہنم میں علمائے سوء کیلئے طبقات منقسم ہیں۔

- (۱) وہ عالم جو اپنے علم کو اپنے پاس خزانہ کرے اور دوسروں تک نہ پہنچائے وہ جہنم کے پہلے طبقہ میں ہوگا۔
- (۲) وہ عالم جب اس کو نصیحت کی جائے تو ناک چڑھائے اور جب وہ دوسروں کو نصیحت کرے تو سختی سے کام لے یہ جہنم کے دوسرے طبقہ میں ہوگا۔
- (۳) وہ عالم جو اپنے علم کو صاحبانِ ثروت کے سامنے پیش کرے اور مساکین کو محروم رکھے وہ جہنم کے تیسرے طبقہ میں ہوگا۔
- (۴) وہ عالم کہ اگر اس کی کوئی بات نہ مانی جائے یا اس کے معاملہ میں کوتاہی برتی جائے تو جابرِ عکرائوں کا سا سلوک کرے وہ جہنم کے چوتھے طبقہ میں ہوگا۔
- (۵) وہ عالم جو میوہ دہن اور عیسائیوں کے اقوال کی تلاش کرے تاکہ لوگ اس کو بڑا عالم کہیں اور اس کا رعب زیادہ

ہو جائے وہ جہنم کے پانچویں طبقہ میں جگہ پائے گا۔
 ۱۹۔ وہ شخص جو لوگوں میں اپنا مفتی ہونا ظاہر کرے اور ان کو اپنی طرف دعوت دے خواہ درحقیقت وہ کچھ بھی نہ جانتا
 ہو وہ جہنم کے چھٹے طبقے میں جائے گا۔
 ۲۰۔ وہ عالم جو اپنے علم کو خود غرضی اور بڑائی کا آئینہ بنائے وہ جہنم کے ساتویں طبقہ میں ہوگا۔
 اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَتَذَكَّرُ فَنَنْفَعُهُ الذِّكْرَى

مقبولیتِ اعمال

خالق و مخلوق کے درمیان انبیاء و صلوات علیہم السلام کا سلسلہ اس لئے ہے کہ ہر انسان براہ راست اللہ سے احکام حاصل کرنے کا اہل نہیں۔ انسان مادی چمکے میں اس قدر بھٹتا ہے کہ صرف عقلی ہدایات پر قطعاً توجہ ہی نہیں دیتا۔ جب تک کہ باہر سے کوئی طاقت اس کو اس طرف متوجہ کرنے والی نہ ہو

بے شک خالق کائنات کا عین لطف ہے کہ ہمیں عقل عطا فرما کر اور اس کو خیر و شر کے ادراک کا اہل قرار دیکر باقی موجودات پر افضلیت و کرامت عطا فرمائی۔ پس انسان اپنی اس عقل کے ذریعہ اطراف عالم میں غور و فکر کر کے اور اپنے نفس و بدن میں توجہ کر کے اور ان تمام چیزوں کے مصالح و مفاسد پر تبصرہ کر کے اس نتیجہ تک تو ضرور پہنچ جاتا ہے کہ میرا خالق ضرور موجود ہے جو جانست و ممانت مخلوقات سے بلند و بالا ہے لیکن اتنی فرصت کہاں؟ کہ عقل کو ان اشیاء میں غور کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ محبت دنیا تو ہمیشہ نفسیہ، حرص و ہوس وغیرہ کا بھوت کسی وقت سر سے اترے تو کسی دوسری طرف توجہ کی جاسکے اور یہ بات بھی ساتھ ساتھ ہے کہ عمر میں جس قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ خواہشات و اغراض میں اسی قدر زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ پس انسان کا دماغی کارخانہ صرف ایک ہی رخ کی طرف استعمال ہوتا رہتا ہے۔ یعنی منافع دنیاویہ کی سوچ بچار۔

عواضِ نادیدہ اور اغراضِ نفسیہ اس کو غرضِ خلقت کی طرف متوجہ ہونے ہی نہیں دیتے تاکہ چشم بصیرت کھلے اور خالق کی معرفت اور اس کی خوشنودی کے ذرائع کی طرف دھیان کیا جائے اور تنہا عقل اگرچہ صلاحیت رکھتا ہے کہ معرفت کے اسباب پر غور کر کے اللہ کی ذات کو پہچان لے لیکن موانع مذکورہ کی موجودگی میں ان منازل کا طے کر سکتا بہت گراں ہے۔ اللہ نے کمال لطف و عنایت سے عقل کی رہبری اور تقویت کے لئے سلسلہٴ انبیاء جاری فرمایا۔ تاکہ انسان آسانی سے اس طرف آسکے اور پھر اس کو فرائضِ عملیہ سے آگاہ کیا جائے۔ پس ایک لاکھ پوبیس ہزار انبیاء کا یہی کام تھا کہ عقول

انسانہ کی رہبری فرما کر انسان کو درطہ ظلماتِ نفسانیہ سے نکال کر اساطہ قدسِ روحانیہ میں لاکھڑا کریں اور دنیاوی منافع کی ناپائیداری، زندگی کی فنا اور دنیا کی عدمِ وفا وغیرہ پر متوجہ کر کے اس کو آخرت کے منافع کی طرف راغب کریں اور اس کی اس ابدی زندگی کے لئے جن جن اعمال کی ضرورت ہے ان سے ان کو روشناس کرائیں۔

پس اس سلسلہ میں حضرت رسالت کا وجود ذیچورد سید الانبیاء کی حیثیت رکھتا ہے اور جس قدر ان کا حلقہ تبلیغ زیادہ اسی قدر باقی انبیاء کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک ان کی توقیر و اجلال بھی زیادہ ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتے تو وہ ہرگز نہ ہوتے اور جس طرح نبی کی رہبری کے بغیر خدا کی طرف متوجہ ہونا بہار سے لئے دشوار تھا اسی طرح توجہ ہو جانے اور معرفت حاصل کر چکنے کے بعد احکامِ خدا اور اس کی ذات کی طرف تقرب کے ذرائع و اسباب کا معلوم کرنا ہماری عقلوں کی رسائی سے بالاتر تھا۔ ان میں از خود یہ استعداد ہرگز نہیں کہ خدائی احکام و اجبات و محرمات خود سوچ کر پیدا کر سکیں۔

پس تمام مسلمانوں پر جناب رسالت کا احسانِ عظیم ہے کہ خلقت کردہ کفر و شرک سے نجات دلا کر انہوں نے ہم کو توحید کی معرفت اور اس کی لذاتِ روحانیہ سے ہمکنار کیا اور قربِ خدا حاصل کرنے کے وہ زرین اصولِ تعلیم فرمائے جو رہتی دنیا تک نوحِ انسانی کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اگر انسان ان کے تعلیم کردہ اصول و فروع کو اپنا کر قربِ خداوندی کا جو یا جزو تو اس کے لئے یہ ضرور ہے کہ جناب رسالت کی معرفت حاصل کر کے ان کی محبت و اطاعت کو اپنا شعار قرار دے اور خالق کائنات کے بعد یہ عین کائنات ہیں۔ اس کی ذات نے کونکلیت وجود سے آراستہ کیا اور ان کی ذات سے اس کی معرفت اور قرب کا درس ملا۔ بلکہ خالق کو اگر اس ذاتِ مقدسہ کی تخلیق مقصود نہ ہوتی تو کائنات نعمتِ وجود سے ہم آغوش نہ ہوتی۔ اسی بنا پر تو حضور کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ مجھے اپنی جان و مال و اولاد سے محبوب تر نہ قرار دے۔ پس انسان ہزاروں اعمال صالحہ بجالائے لیکن جب تک اس عینِ انسانیت سے قلبی محبت رکھتا ہو اور اس کی اطاعت کو فرض نہ سمجھتا ہو اس کے تمام اعمال اکارت جانے کے قابل ہیں اور اسی طرح ان کی محبت و اطاعت کے ساتھ ان کی عزتِ طاہرہ جو ان کی صحیح قائم مقام ہے ان کی معرفت اور محبت و اطاعت بھی ویسے ہی فرض عین ہے۔ ورنہ رسالت کی خوشنودی قطعاً حاصل ہو نہیں سکتی کیونکہ ان کے بعد ان کی صحیح تعلیمات کے امت تک پہنچانے کے یہی ذمہ دار ہیں اور قرآنی احکام ان ہی کی بدولت ہم تک پہنچے ہیں۔ پس قربِ خدا، رسالت کی قرب پر موقوف ہے کیونکہ حضور کی اطاعت ہی محبت پر درگاہ کا زینہ ہے۔ اور قربِ رسالت ان کے قرب پر موقوف ہے پس تمام اعمال صالحہ کی مقبولیت اور خدا و رسول کی خوشنودی انہی کی اطاعت و معرفت پر منحصر ہے۔

چنانچہ مقدمہ تفسیر مرآة الانوار میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی۔

یا رسول اللہ! اکل من قال لا إله إلا الله حضوراً یہ فرمائیے کہ جو بھی لا الہ الا اللہ پڑھے وہ مومن ہے؟ آپ

مومن؟ قال عداوتنا تلحق باليهود والنصارى
انکہ لاتدخلون الجنة حتی تحتونی وکذب من
نعم انہ یحبنی ویبغض هذا یعنی علیاً علیاً لسلام
نے فرمایا کہ ہماری عداوت یہود و نصاریٰ کے ساتھ ملحق کر دی ہے
تحقیق تم لوگ ہرگز جنت میں داخل نہو گے جب تک مجھ سے محبت نہ کرو گے
اور جو شخص علی سے بغض رکھتا ہو اور میری محبت کا دعویٰ کرتا ہو وہ جہنم ہے
پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ لا الہ الا اللہ پڑھنا اور جنت میں جانے کی آرزو رکھنا فضول ہے۔ جب تک محبت
رسول نہ ہو اور محبت رسول کا دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے جب تک محبت علی نہ ہو گویا رضائے خالق و دخول جنت اور محبت رسول
کا مدار و محور علی ہے۔

(۲) مسند احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ جب یہ آیت قُلْ لَّا اسئلكم علیکم اجر الا اللہ ذکا فی القلوبی نازل
ہوئی تو بروایت ابن عباس اور ان کے فرزند دلائی الصدق میں آیا۔ صواعق محرقة اور درمنثور وغیرہ متعدد کتابوں
سے اس روایت کو مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے مفصل سب سے یہی ہے کہ اس آیت دانی ہدایہ میں جن لوگوں کی موت فرض کی
گئی ہے وہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب اور جناب قبول معظمہ حضرت فاطمہ الزہراء اور ان کی اولاد و طاہرین میں۔ اور
مقدمہ تفسیر کبیر امام رازی سے بھی اسی طرح منقول ہے گویا جناب رسالت کی تعلیمات کا اجر ہے موت اہل رسول و جناب
موت اہل بیت نہ ہوگی۔ تعلیم قرآن پر عمل کرنا ہی تصرف خاصانہ ہوگا اور حرام ہوگا جس طرح کہ عام کسی اجیر کی اجرت ادا کیے
بغیر اس چیز کا استعمال ناجائز و حرام ہوتا ہے جس سے اس اجرت کا تعلق ہو۔

(۳) جامع الاخبار (فصل الموت) میں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اہل محمد
پر مرنے والے اور بغض اہل محمد پر مرنے والے لوگوں کے متعلق ارشادات ذیل منقول ہیں۔

معرفت امام

۱) مَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مُسْلِمًا
۲) اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مَغْفُورًا
۳) اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ تَائِبًا
۴) اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ
مُؤْمِنًا مُسْتَكْمِلًا اِلَى يَمَانِ
۵) اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ بَشَرًا
مَلَكَ الْمَوْتِ بِالْجَنَّةِ تَمَّ مُسْكِرًا وَنَكِيرًا
۶) اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ فَتَمَّ لَهُ فِي
قَبْرِهٖ بَابَانِ اِلَى الْجَنَّةِ
جو اہل محمد کی محبت پر مرتا ہے۔ وہ شہید مرتا ہے۔
آگاہ ہو! جو بھی اہل محمد کی محبت پر مرے وہ مغفور ہو کر مرتا ہے۔
آگاہ ہو! جو بھی اہل محمد کی محبت پر مرے وہ تائب ہو کر مرتا ہے۔
آگاہ ہو! جو بھی اہل محمد کی محبت پر مرے وہ مومن کامل الایمان ہو کر
مرتا ہے۔
آگاہ ہو! جو بھی اہل محمد کی محبت لے کر مرے اسے ملک الموت اور
اس کے بعد مکر و نکیر میں جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔
آگاہ ہو! جو بھی اہل محمد کی محبت پر مرتا ہے اس کے لئے قبر میں دو
دروازے جنت کی طرف کھول دیئے جاتے ہیں۔

آگاہ ہوا کہ جو بھی آل محمد کی محبت پر مرے اللہ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنا دیتا ہے۔

آگاہ ہوا کہ جو شخص آل محمد کی محبت لے کر مرتا ہے وہ سنت و عبادت پر ہو کر مرتا ہے۔

آگاہ ہوا کہ جو شخص آل محمد سے بغض رکھ کر مرتا ہے تو قیامت کے روز جب حضور ہو گا تو اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا کہ یہ خدا کی رحمت سے ناامید ہے۔

آگاہ ہوا کہ جو آل محمد کی دشمنی پر مرتا ہے وہ کافر ہو کر مرتا ہے۔ آگاہ ہوا کہ جو شخص آل محمد کے بغض پر مرجائے وہ جنت کی بونہ سوئگئے گا۔

۸۰، اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ اِلٰى مُحَمَّدٍ جَعَلَ
اَللّٰهُ قَابًا مِّنْ اَسْاَرِ مَلَاٰئِكَةِ الرَّحْمٰتِ

۸۱، اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ اِلٰى مُحَمَّدٍ مَاتَ عَلَى
السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

۸۲، اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى بُغْضِ اِلٰى مُحَمَّدٍ جَاءَ
بِزُورِ الْقِيَامَةِ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ اَلَيْسَ مِنْ
رَحْمَةِ اللّٰهِ

۸۳، اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى بُغْضِ اِلٰى مُحَمَّدٍ مَاتَ كَافِرًا
۸۴، اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلَى بُغْضِ اِلٰى مُحَمَّدٍ لَمْ يَشْرُ رَاغَةَ
الْجَنَّةِ

جناب رسالتاب کی یہ فرمائشات تفسیر کثافت سے بھی منقولی ہیں اسی بناء پر حضرت صادق آل محمد ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم اہل بیت سے عداوت رکھنے والے کیلئے نماز، روزہ وغیرہ یا چوری، زنا وغیرہ کرنا یکساں ہے کیونکہ لامحالہ اس کی بازگشت تو دوزخ ہے ہی۔

۱۴۴۱ جامع الاخبار میں (مفضل معرفت آئمہ کے بیان میں) جناب سلمان پاک سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ میں ایک دفعہ جناب رسالتاب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھ کر حضور نے ارشاد فرمایا: سلمان! تحقیق! خداوند کریم نے کوئی رسول دنیوی مبعوث نہیں فرمایا، مگر یہ کہ اس کیلئے بارہ نقیب بھی بھیجے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں یہ بات دو لوگوں (قرات، انجیل) والوں کی طرف سے جانتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: کہ تو میرے نقبیاں کو جانتا ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ کا رسول مہتر جاتا ہے تو آپ نے فرمایا: اے سلمان! خدا نے مجھے اپنے برگزیدہ نور سے خلق فرمایا اور مجھے اپنی اطاعت کی دعوت دی تو میں نے قبول کر لی پھر اس پر اللہ نے علی الترتیب اسی میرے نور سے علی فاطمہ و حسن و حسین کے انوار کو خلق فرمایا اور ان کو اپنی اطاعت کی دعوت دی اور ان سب نے قبول کی۔ پھر اس نے اپنے اسماء سے ہمارے پانچ نام مقرر فرمائے۔ پس اللہ محمود ہے اور میں محمد ہوں۔ خدا علی ہے اور یہ علی ہے، اللہ فاطمہ ہے اور یہ فاطمہ ہے اللہ صاحب احسان ہے اور یہ حسن ہے اور خدا حسن ہے اور یہ حسین ہے پھر حسین کے نور سے نو اماموں کے انوار خلق فرمائے اور ان کو اپنی اطاعت کی دعوت دی، ان سب نے قبول کی اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا۔ جب نہ آسمان خلق ہوا تھا اور نہ زمین بچھائی گئی تھی۔ اور نہ ہوا نہ ملک نہ بشر کی تخلیق ہوئی تھی؟

ہم عالم انوار میں اس کی تسبیح کرتے تھے اور اس کے ارشادات کی اطاعت کرتے تھے۔ میں نے عرض کی۔ میرا ماں باپ

آپ پر نفا ہو۔ یا رسول اللہ! جو شخص کما حقہ ان کی معرفت رکھتا ہو اس کا کیا مرتبہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اے سلیمان! جو شخص ان کی معرفت رکھے جس طرح حق معرفت ہے اور ان کی موالات رکھتے ہوئے ان کی اطاعت کرے اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کرے وہ ہم میں سے ہوگا۔ اور جس مقام پر ہوں گے وہ اسی مقام پر ہوگا۔ جہاں ہماری سکونت ہوگی اس کی بھی وہاں سکونت ہوگی۔ میں نے عرض کی کہ ان کے اسماء و انساب کی معرفت کے بغیر انسان مومن بن سکتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: نہیں۔ اے سلمان! میں نے عرض کی کہ میں ان کو کس طرح پہچانوں؟ آپ نے فرمایا: حسین تک تو پہچان چکا ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: پھر اس کے بعد سید العابدین علی بن الحسین پھر اس کا فرزند محمد بن علی علم الاولین و آخرین، پھر جعفر بن محمد اللہ کی سچی زبان، پھر موسیٰ بن جعفر جو اللہ کی راہ میں غصہ کو ضبط کرنے والا ہوگا۔ پھر علی بن موسیٰ الرضا، پھر محمد بن علی المختار، پھر علی بن محمد الہادی پھر حسن بن علی پھر حسن کا فرزند القائم ع

سلمان کہتا ہے کہ میں نے رو کر عرض کی یا رسول اللہ! کیا مجھے ان کے زمانے تک مہلت دی جائے گی؟ آپ نے فرمایا اسی آیت کو پڑھو: **فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ اُولٰٓئِهِمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا اُولٰٓئِیْ بِاٰیٰتٍ شَدِيْدٍ فَاَسَاخِلٰلَآلِ الدِّيَارِ مَا كَانَتْ وِعْدًا لِلّٰهِ مَفْعُوْلًا۔ ثُمَّ سَادَ ذٰلِكَ الْكُفْرَ الْكُوْبَ عَلَيْهِمْ وَاَمَدَدْنَا لَهُمْ بِاَمْوَالٍ وَبَنِيْنَ وَجَعَلْنَا كَعْمًا كَثْرًا نَفِيْرًا۔** سلمان بیان کرتا ہے کہ یہ دن (کہ میرا استیاق اور گریہ زیادہ ہو اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ آپ کی طرف سے عہد ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں میری طرف سے بھی اور علی و فاطمہ و حسن و حسین و باقی نو مسلم ائمہ جو حسین کی نسل سے ہونے والے ہیں۔ سب کی طرف سے، تیرے ساتھ اور ہر اس شخص کے ساتھ جو ہم میں سے اور ہماری محبت کی وجہ سے ظلم کا نشانہ ہے اور ایمان خالص رکھتا ہے، عہد ہے۔

ہاں خدا کی قسم اے سلمان! ابلیس اور اس کے سب لشکر اور تمام خالص کافر حاضر کئے جائیں گے اور ان سے انتقام و بدلہ لیا جائے گا اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کی عجزہ کی تادیل ہم ہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَتَرْيِدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلٰی الَّذِيْنَ اسْتَضَعُوْا فِی
الْاَرْضِ وَجَعَلْنٰهُمْ اٰیٰتٍ وَّجَعَلْنٰهُمُ الْاَوَّلِيْنَ
وَنُمَكِّنْ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِيْكَ فِیْ عُرُوْنٍ وَّ
هَامَانَ وَجَبُوْا وَّهَمًا مَا كَانُوْا يَحْتَسِبُوْنَ

سلمان کہتا ہے کہ میں ہر کار و دو عالم کی خدمت سے اٹھ کھڑا ہوا اور دل میں فیصلہ کر لیا کہ اب پردہ مہنسی کی موت پر جا پڑوں یا موت مجھ پر آ پڑے۔

اے اس آیت سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ مومنین کو حضرت حجت کے زمانے میں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اسی لئے حضرت سلمان نے عرض کی کہ کیا آپ کا عہد ہے کہ مجھے بھی اس حق کے دور میں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تجھے بھی اور ہر مخلص مومن کو اٹھایا جائیگا۔ ہمارا عہد ہے کہ

(۵) محاسن برقی سے منقول ہے کہ حضرت رسالتاً نے ارشاد فرمایا کہ اہل بیت کی محبت کو لازم پکڑو۔ مجھے قسم ہے! اس ذات کی جس کے بد قدرت میں میری جان ہے ہمارے حق کی معرفت کے سوا کسی انسان کینے کوئی عمل فائدہ مند نہیں ہے۔

(۶) مقدمہ تفسیر میں حضرت باقر سے منقول ہے کہ ہم اللہ کے اسماء حسنی ہیں۔ انسان کا کوئی عمل جاری معرفت کے بغیر قابل قبول نہیں ہے۔

(۷) نیز سلمان سے مروی ہے کہ جناب رسالتاً نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب ہم بروز احد حضرت حمزہ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جبریل کا زوال ہوا اور کہا اے محمد! خدا بعد درود و سلام کے فرماتا ہے کہ میں نے نماز فرض کی ہے لیکن پیار سے ساقط کی ہے اور میں نے روزہ واجب کیا ہے لیکن پیار سے اور سافر سے معاف ہے۔ اسی طرح حج واجب کی ہے لیکن زاد و راجل نہ رکھنے والے پر معاف ہے زکوٰۃ واجب ہے لیکن جس کا نصاب پورا نہ ہو اس سے یہ فریضہ اٹھا لیا گیا ہے اور حجت علیٰ ایسا فریضہ ہے کہ اس میں کسی کو کوئی رخصت نہیں ہے۔

(۸) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان میدانِ محشر میں اللہ کی بارگاہ میں حساب کے لئے کھڑا ہوگا تو اس سے سب سے پہلے واجب نماز، زکوٰۃ مفروضہ، روزہ حج واجب اور ہماری ولایت کا سوال ہوگا اگر ہماری ولایت کا تالی ہوا تو نماز روزہ، زکوٰۃ و حج وغیرہ جملہ عبادات اس کی قبول ہوں گی اور ہماری ولایت کا تالی نہ ہوا تو اس کے دیگر اعمال ہرگز قابل قبول قرار نہ دیئے جائیں گے۔

(۹) عیون اخبار الرضا سے جناب رسالتاً سے منقول ہے کہ انسان سے پہلے پہل ہماری اہلیت کی محبت کیمتعلق سوال ہوگا

(۱۰) مجالس شیخ سے مروی ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتاً نے فرمایا: اللہ کے سامنے انسان سے چار چیزوں کے متعلق سوال ہوگا، عمر کے متعلق کہ اس کو کس کام میں فنا کیا؟، دہ جسم کے متعلق کہ اس کو کہاں کہنہ کیا؟، مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں صرف کیا؟، ہم اہل بیت کی محبت کا سوال ہوگا۔ ایک شخص نے اٹھ کر سوال کیا: یا رسول اللہ آپ کی محبت کی علامت کیا ہے؟ آپ نے علیؑ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس کی محبت

(۱۱) امامی سید سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آکر حضرت رسالتاً کی خدمت اقدس میں عرض کی یا رسول اللہ جنت کی بھی کوئی قیمت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اعرابی نے عرض کی کہ حضورؐ فرمائیے کیا قیمت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کلمہ لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ وَاكْفَالِہٖ لِكُلِّ مَسْكِيْنٍ سے پڑھنا، اس نے عرض کی حضورؐ! اخلاص کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: ایسا عمل کرنا ساتھ اس چیز کے جس کے ساتھ میں مسکوت ہوا ہوں اور محبت اہل بیت کے ساتھ

لے نماز کے ساقط ہونے سے مراد اس کے بعض واجبات ساقط یعنی تکلیف حسب طاقت کر دی۔ قیام سے عاجز تو قیام ساقط ہے پس بیٹھ کر پڑھے اور اگر عاجز ہے تو سوکر پڑھے یا کہ پیار اتنا زیادہ ہو کہ پرشش دہو اس نہ رہیں پس زمان بے ہوشی میں نماز اصلاً ساقط ہے۔ منہ

۷۰ لیکن بیماری یا سفر ختم ہوجانے کے بعد قضا واجب ہوتی ہے۔ مسئلہ کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ (منہ)

اس نے عرض کی۔ حضور! محبت اہل بیت بھی اس کے حقوق میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے حقوق میں سے بڑی چیز تو اہل بیت ہی کی محبت ہے۔

۱۲. حضرت صادق کمال عمر سے منقول ہے کہ ہر چیز کی بنیاد ہر کرتی ہے اور اسلام کی بنیاد محبت اہل بیت ہے۔

۱۳. حضرت باقر العلوم سے مروی ہے اسلام کی بنا کے پانچ ستون ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور محبت اہل بیت۔

۱۴. عن معانی الاخبار عن ابن عباس عن النبي

ایہا الناس من اختار منكم علي أمّا فقد

اختار علي نبياً ومن اختار علي نبياً فقد اختار

علي الله عز وجل رباً

مقصود روایت کا یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی امامت کا منکر ایسا ہے جیسے منکر نبوت و منکر توحید

۱۵. عن عقائد الصدوق قال النبي من ظلم

علياً مقعدى هذا بعد وفاتي فکانا جحد

نبوتی و نبوة الانبياء من قبلي ومن تولي طالماً

فهو ظالم

۱۶. قال يا علي انت والائمة من ولدك

حجج الله على خلقه واعلامه في بيته فمن

انك واحد منهم فقد انكرني ومن عصي واحدا

منهم فقد عصاني ومن اطاعك فقد اطاعني الخبير

۱۷. قال يا علي ما من عبد لقي الله وهو جاهد

ولا يتك الا لقي الله بعبادة صنم او وثن

۱۸. وفي تفسير الامام انه لا يكون مسلماً من

قال ان محمد رسول الله فاعترف به ولم

يعترف علياً وصيه وخليفته وخيراه تب

وقال ان تمام الاسلام باعتراف ولايته علي

عليه السلام ولا ينفع الا قسراً بالنبوة

۱۹. قال يا علي ما من عبد لقي الله وهو جاهد

ولا يتك الا لقي الله بعبادة صنم او وثن

اس کے حقوق میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے حقوق میں سے بڑی چیز تو اہل بیت ہی کی محبت ہے۔

۱۲. حضرت صادق کمال عمر سے منقول ہے کہ ہر چیز کی بنیاد ہر کرتی ہے اور اسلام کی بنیاد محبت اہل بیت ہے۔

۱۳. حضرت باقر العلوم سے مروی ہے اسلام کی بنا کے پانچ ستون ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور محبت اہل بیت۔

۱۴. عن معانی الاخبار عن ابن عباس عن النبي

ایہا الناس من اختار منكم علي أمّا فقد

اختار علي نبياً ومن اختار علي نبياً فقد اختار

علي الله عز وجل رباً

مقصود روایت کا یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی امامت کا منکر ایسا ہے جیسے منکر نبوت و منکر توحید

۱۵. عن عقائد الصدوق میں جناب رسالتؐ سے مروی ہے کہ جو شخص علیؑ پر

میری منکر کے معاملہ میں ظلم کرے (میرے بعد اس سے میرا منبر

غضب کرے) تو گویا اس نے میری اور مجھ سے سابقہ انبیاء کی نبوت کا

انکار کیا اور جو ظالم سے دوستی رکھے وہ مجھ پر ظالم ہے۔

۱۶. حضورؐ نے فرمایا۔ یا علی تو اور تیری اولاد سے ہونے والے ائمہ مفلوک

پر اللہ کے خلیفے اور زمین پر اس کے اعلام ہیں جس نے ان میں سے

کسی ایک کا انکار کیا۔ اس نے گویا میرا انکار کیا اور جس نے ان میں سے کسی

ایک کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے تمہاری اطاعت کی

اس نے میری اطاعت کی۔

۱۷. آپ نے فرمایا: اے علیؑ جو تیری ولایت کے انکار کے ساتھ مشور ہوگا

وہ بت پرست اور صنم پرست مشور ہوگا۔

۱۸. اور تفسیر امام حسن عسکریؑ میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جناب

محمد مصطفیٰؐ کی رسالت کے اترا سے اور محمد رسول اللہؐ کہنے

سے انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک علیؑ کے وصی، خلیفہ اور

خیر امت ہونے کا اعتراف نہ کرے اور فرمایا اسلام کی تکمیل حضرت علیؑ

علیہ السلام کے اقرار ولایت سے ہی ہے اور امامت علیؑ کے انکار کے

۱۴. عن معانی الاخبار عن ابن عباس عن النبي

ایہا الناس من اختار منكم علي أمّا فقد

اختار علي نبياً ومن اختار علي نبياً فقد اختار

علي الله عز وجل رباً

مقصود روایت کا یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی امامت کا منکر ایسا ہے جیسے منکر نبوت و منکر توحید

۱۵. عن عقائد الصدوق قال النبي من ظلم

علياً مقعدى هذا بعد وفاتي فکانا جحد

نبوتی و نبوة الانبياء من قبلي ومن تولي طالماً

فهو ظالم

۱۶. قال يا علي انت والائمة من ولدك

حجج الله على خلقه واعلامه في بيته فمن

انك واحد منهم فقد انكرني ومن عصي واحدا

منهم فقد عصاني ومن اطاعك فقد اطاعني الخبير

۱۷. قال يا علي ما من عبد لقي الله وهو جاهد

ولا يتك الا لقي الله بعبادة صنم او وثن

۱۸. وفي تفسير الامام انه لا يكون مسلماً من

قال ان محمد رسول الله فاعترف به ولم

يعترف علياً وصيه وخليفته وخيراه تب

وقال ان تمام الاسلام باعتراف ولايته علي

عليه السلام ولا ينفع الا قسراً بالنبوة

۱۹. قال يا علي ما من عبد لقي الله وهو جاهد

ولا يتك الا لقي الله بعبادة صنم او وثن

ساتھ نبوت کے اقرار کا کوئی فائدہ نہیں ہے جس طرح کہ نبوت کے منکر
توحید کے اقرار کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

مہر کیف توحید اور نبوت کے اقرار سے اسلام نہیں آسکتا جب تک حضرت امیر المؤمنینؑ کی امامت و ولایت کا اقرار

نہ ہو۔

حضرت امیر المؤمنینؑ سے منقول ہے کہ جس نے میری ولایت کا اقرار
نہ کیا اس کو جناب رسالتؐ کی نبوت کا اقرار کوئی فائدہ نہ دے گا
آگاہ ہو! یہ دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ کیونکہ نبی، رسول
اور امام خلق ہے اور علیؑ اس کے بعد امام خلق اور وصی نبی ہے پس
جو شخص پوری طرح میری معرفت حاصل کرے وہ سیدے دین پر ہے
جس طرح خدا فرماتا ہے وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ پھر سلسلہ کلام کو جاری
رکھتے ہوئے فرمایا۔ میں اور حضرت محمد مصطفیٰ اللہ کے نور سے ایک ہی
نور تھے تو پھر اللہ نے اس نور کو دو بھتوں میں منقسم ہونے کا حکم
دیا اور ایک جہت سے حضرت محمد مصطفیٰ کو بنایا اور دوسرا جہت سے علیؑ بنا
یا اسی حدیث میں ہے کہ سرکار رسالتؐ نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہے
اور میں علیؑ سے ہوں۔ میری طرف سے علیؑ ہی پہنچا سکتا ہے پھر
کلام طویل کے بعد فرمایا۔ اے سلمان اور اے جذب! میں محمد ہوں
اور محمد میں ہوں، میں محمد سے اور محمد مجھ سے ہے پھر آپ نے ارشاد
فرمایا۔ اے سلمان اور اے جذب! میں گزشتہ اور آئندہ کے ہر مومن
مرد و عورت کا امیر ہوں کلام کو جاری رکھتے ہوئے پھر آپ نے فرمایا
اے سلمان اور اے جذب! کہ اللہ کے اذن سے میں مارتا اور جلتا ہوں
میں تمہاری دلوں کی پوشیدگیوں کو جانتا ہوں اور میری اولاد سے آئندہ
جب چاہیں تو یہ باتیں جان اور کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم سب
کے سب ایک ہیں۔ ہمارا پہلا محمد اور آخری محمد اور درمیان میں محمد

مع جہد امامت علیؑ کما لا ینفع الاقرار
بالتوہید من جہد النبوة۔

(۱۹) عن امیر المؤمنینؑ من لم یرقبولایتی لم
ینفعه الاقرار بنبوة محمد الا انہما مقرونان
وذلك ان النبی نبی مرسل وهو امام الخلق
وعلی من بعد الامام الخلق ووصی محمد
فمن استكمل معرفتی فهو علی الدین القیم
كما قال اللہ تعالیٰ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ وَنَحْمُ
قال بعد کلام کنت انا و محمد نوراً واحداً
من نور اللہ فامر اللہ ذالک النور ان ینشق
فقال للنصف کن محمد اذ قال للنصف کن
علیاً و منها قال رسول اللہ علیؑ مِثِّیْ وَاَنَا
من علی۔ ولا یردی عنی الا علیؑ۔ ثم قال
بعد کلام طویل یا سلمان و یا جذب۔ اَنَا
مُحَمَّدٌ وَ مُحَمَّدٌ اَنَا وَاَنَا مِنْ مُحَمَّدٍ وَ مُحَمَّدٌ مِنْ مِثِّیْ۔ ثُمَّ
قال بعد کلام یا سلمان و یا جذب انا امیر
کل مؤمن و مؤمنة من ماضی و من بقی
وقال ایضاً بعد کلام یا سلمان و یا جذب انا
احیی و امیت باذن ربی و انا عالم بضاہن
قلوبکم و الائمة من اولادی یعلمون و
یفعلون هذا اذا احبوا و امرادوا۔ لانا کلنا واحد

لے انسان کی حقیقی زندگی ایمان اور حقیقی موت کفر ہے اور حضرت علیؑ کی محبت ایمان اور ان کا بغض کفر ہے۔ پس حضرت علیؑ انسان

کے لئے حقیقی موت و حیات کا موجب ہیں (منہج)

منقول ہیں۔ لہذا اختصاراً حوالہ کتاب کو عموماً ترک کر دیتے ہیں۔ (مقدمہ تفسیر مرام الانوار)

اس قسم کی جملہ احادیث کا خلاصہ یہی ہے کہ چونکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھتران مجید کے حقیقی محافظ و مبلغ اور اسلام کے مروج اور اس کی تعلیمات کے مدرس آل محمد ہی ہیں۔ لہذا ان کی محبت واجب ہے اور ان کی ولایت و امامت کے اقرار و معرفت کے بغیر کوئی عمل صالح، صالح نہیں کہا جاسکتا لہذا قابل قبول بھی نہیں ہو سکتا جس طرح کہ توحید کے بعد نبوت کے انکار سے کوئی عمل قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

ان احادیث کی رو سے معلوم ہوا کہ امام خلق آل محمد سے غیر نہیں اور آل محمد امامت سے جدا نہیں۔

نکتہ: امامت و مودت میں تلازم

بعض احادیث میں ہے کہ جو شخص معرفت امام کے بغیر مر جائے اس کی معرفت کفر و جہالت کی موت ہے۔ ایک طرف ہے و حب اہلبیت ہے تو ایمان ہے (دوسری طرف ہے معرفت امام ہے تو ایمان ہے) نتیجہ نکلا کہ جس کو حب اہل بیت حاصل ہے اسی کو ہی معرفت امام حاصل ہے چونکہ دونوں حدیثیں فریقین سے مروی ہیں تو اب ذرا ان دونوں کا تجزیہ کر کے دیکھیں۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ امام اہلبیت سے منہیں (غیر اہل بیت کو عہدہ امامت دیا جائے) تو قطعاً دونوں حدیثیں صادق نہیں آسکتیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اہل بیت رکھتا ہو اور اس امام کا منکر ہو جو غیر اہل بیت ہے (تو حب اہل بیت والی حدیث کی رو سے وہ مومن کامل الا ایمان ہے اور اس کی موت ایمان کی موت ہے لیکن معرفت امام والی حدیث کی رو سے وہ غیر مومن ہے اور اس کی موت جہالت و کفر کی موت ہے اسی طرح فرض کر دیا کہ ایک شخص اہل بیت سے بغض رکھتا ہے اور اس امام کی امامت کا قائل ہے جو غیر اہل بیت سے ہے تو حب علی والی حدیث کی رو سے وہ کافر و منافق ہے اور معرفت والی حدیث کی رو سے وہ مومن ہے۔

پس اگر امامت کو اہل بیت سے جدا کرنا جائے تو جناب رسالت اکبر کی ہر دو حدیثوں سے صرف ایک سچی ہوگی اور دوسری معاذ اللہ جھوٹی ہوگی اور جناب رسالت اکبر کی زبان وحی ترجمان کی کوئی فرمائش غلط نہیں ہو سکتی تو ماننا پڑے گا کہ حدیثیں دونوں صحیح اور صادق ہیں اور جن کی محبت واجب ہے وہی امامت کے اہل ہیں اور جو عہدہ امامت کے سزاوار ہیں۔ ان ہی کی محبت واجب ہے۔

جس طرح محبت و معرفت ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں کیونکہ محبت بغیر معرفت کے اور معرفت بغیر محبت کے محال ہے۔ اس طرح امامت بغیر اہل بیت اور اہل بیت بلا امامت کا قول لغو اور بے سود ہے۔ پس جناب رسالت اکبر کی دو فرمائشیں درست ہیں اور امامت صرف اہل بیت ہی میں منحصر ہے۔

عدل و احباط و شفاعت

قال الله تعالى في كتابه العزيز
 مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ - وَمَنْ
 يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ
 مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا
 وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا
 وَهُوَ لَا يَظْلِمُونَ
 وَمَا اللَّهُ بِبَرِيءٍ لِمَا لِلْعِبَادِ
 مِنْ حَسَنَاتٍ إِلَّا إِذْ أَحْسَنُوا

خدا قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے
 جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھے گا اس کی جزا پانچ گنا
 جو شخص ذرہ بھر برائی کرے گا اسے دیکھے گا اس کی سزا پانچ گنا
 جو شخص نیکی کرے اس کے لئے اس کا دس گنا ثواب ہے۔ اور جو شخص
 برائی کرے پس اس کو اس کا اس کے مثل ہی دیا جائے گا۔
 اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔
 خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔
 انسان کا بدلہ انسان ہی ہے۔

بہر کیف قرآن مجید میں اس مضمون کی آیات بہت زیادہ ہیں۔ تمام کو یک جا کرنے کی خاص ضرورت نہیں۔
 کتاب جامع الاخبار میں عدل کے بیان میں عباد بن صہیب سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابو حنیفہ حضرت امام موسیٰ
 کاظم علیہ السلام سے ہم کلام ہوا امام کا عالم شباب تھا۔ ابو حنیفہ نے امام کو یوں خطاب کیا رے جوان! بتا گناہ کس سے
 سرزد ہوتے ہیں؟ آپ نے جواباً فرمایا اے بڑے! تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو صرف اللہ کی طرف سے ہیں۔ یا
 صرف بندوں کی جانب سے ہیں۔ یا اللہ و بندے دونوں کی شرکت سے ہیں۔

۱) اگر پہلی صورت ہو یعنی خدا سے ہی صادر ہو تو بندہ بے قصور ہے۔ لہذا اس کو سزا نہیں ملنی چاہیے۔
 ۲) اگر تیسری صورت کہ دونوں فعلی گناہ میں شریک ہوں تو دونو برابر کے مجرم ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ صاحب
 قوت و طاقت ہے اور یہ کمزور ہے، پس سزا صرف کمزور پر کیوں رکھی گئی؟ حالانکہ طاقتور کے لئے کمزور پر ظلم
 کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے گناہ کرنے میں برابر کا شریک اور سزا صرف کمزور پر؟

۳) باقی صرف ایک صورت رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ بندہ خود مختار ہے اور نیکی و بدی کی جزا و سزا کا بھی خود مستحق و سزاوار
 پس ابو حنیفہ اٹھا اور امام عالی مقام کی پیشانی اقدس پر بوسہ دے کر کہنے لگا کہ واقعی آپ وارث رسول ہیں۔
 تمام علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ خداوند کریم عادل ہے اور قطعاً اس سے ظلم صادر نہیں ہو سکتا کیونکہ ظلم فی
 نفسہ قبیح اور عیب ہے اور خدا جملہ عیوب و قباحتوں سے پاک و منزہ ہے نیز انسان سبب الطبع اگر اپنے دھیان
 کی طرف دھیان کرے تو اس کو صاف طور پر معلوم ہوگا کہ وہ جو کام کرتا ہے اپنے ذاتی اختیار سے ہی کرتا ہے اس

میں اس کو کوئی چیز مجبور نہیں کر رہی ہوتی نہ نیکی میں نہ برائی میں۔ اگر خدا کسی آدمی کو نیکی پر اور کسی کو برائی پر مجبور کر دے اور پھر نیکی کو انعام اور بُرے کو سزا کا سزاوار قرار دے تو اس قسم کا غیر منصفانہ رویہ تو عام انسانوں کے لئے بھی زیادہ نہیں چہ جائیکہ خالق کائنات یہ رویہ اختیار کرے۔

ہاں خداوند کریم نے انسان کو خیر و شر کی طاقت عطا کر دی ہے اس کے بعد انسان کو اپنے اختیار سے سب کچھ کرنا ہے خواہ اپنی طاقت کو نیکی کے کاموں میں استعمال کرے یا بُرائی کے کاموں میں استعمال کرے۔ اس نے اپنے دین میں کوئی جبر و اکراہ روا نہیں رکھا۔ مثال کے طور پر اگر ایک شریف کسی فقیر مسکین کو کچھ روپے بطور امانت عطا کر دے تاکہ وہ بوی بچوں کے اخراجات و مصارف میں صرف کر کے آسودہ حال ہو جائے۔ فقیر کے پاس پیسہ آجانے کے بعد اس کو اختیار ہے کہ وہ پیسہ اپنے خانگی ضروریات پر خرچ کر کے اپنے فرائض منصبیہ سے عہدہ برا ہو جائے یا ادھر سے پیسہ وصول کر کے ادھر فضول خرچ کر کے ویسے کا ویسا گھر آجائے۔ اب یہ شخص ہر دو صورتوں میں ہرگز مجبور نہیں ہے اگر بالفرض یہ شخص وہی پیسہ برائی پر خرچ کر دے تو اس پیسہ دینے والے شریف انسان کا قصور ہرگز قرار نہ دیا جائے گا اور یہ کہنا بالکل بے جا ہوگا کہ اس کے افعال بد کا موجب وہ شریف آدمی ہے اگر اس نے یہ امداد نہ کی ہوتی تو اس سے یہ فعل سرزد نہ ہوتا۔ جو لوگ خیر و شر کو اشد کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ عدلِ خداوندی کے قائل نہیں وہ قرآن مجید کی ان آیات سے لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن میں ہدایت و ضلالت کی نسبت خدا کی طرف ہے یا ختم و طبع کو خدا نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ ان چیزوں کے مفصل بیانات تو اپنے مناسب وقت پر آئیں گے۔ لیکن اس مقام پر بھی اس شبہ کا ازالہ مختصر طور پر کر دینا ضروری ہے۔ خداوند عالم جو محسن و خالق کائنات ہے اس نے اپنے فضلِ عظیم سے اشیاء کو خلق فرما کر ان میں علت و معلولیت اور سببیت اور مسببیت تفویض فرمادی۔ انسان کو اعضاء عطا فرمائے اور ان کو افعال کا سبب قرار دیا۔ پاؤں کو چلنے کی، ہاتھوں کو پکڑنے کی، آنکھوں کو دیکھنے کی۔ و علیٰ ہذا القیاس طاقتیں عطا فرمائیں اور دل عطا فرمایا۔ جس کو اچھائی یا برائی کی طرف میلان کی قوت عطا فرمائی تاکہ اس کے ایک طرف میلان کے بعد قوتِ ارادہ سے بذریعہ حرکات اعضاء کے افعال کا ظہور ہو۔ اب اعضاء افعال بد کی طرف بھی چل سکتے ہیں اور افعالِ حسنہ کی طرف بھی بڑھ سکتے ہیں لیکن یہ تابع ارادہ کے اور ارادہ بھی ہر دو طرف ہو سکتا ہے لیکن نفع و نقصان کے تصور کے تابع ہے اور تصور میں نفع و نقصان کا امتیاز اور ان کا صحیح فیصلہ قوتِ عاقلہ پر موقوف ہے اگر قوتِ عاقلہ نہ عطا کرتا تو نفع و نقصان کا صحیح فیصلہ نہ ہو سکتا۔ لہذا میلانِ قلب اور اس کی قوتِ ارادہ اور افعالِ صادرہ۔ سب کے سب قابلِ باز پرس نہ رہتے اور جزا و سزا کا قہر سرے سے ساقط ہو جاتا اور اگر قوتوں کو صرف ایک ہی رُخ عطا فرماتا اور دوسری طرف ان کا قطعاً رُخ ہی نہ ہوتا تو پھر بھی تکلیف ساقط تھی کیونکہ انسان اس صورت میں اسی ایک رُخ پر چلنے کے لئے مجبور محض ہو جاتا۔ پس انسان کو اعضاء، قوتِ عاقلہ اور قوتِ ارادہ کا عطا فرمانا ذاتِ احدیت کا عین فضل اور کمال

احسان ہے لیکن خدا کے بذریعہ انبیاء و کتب سماویہ، عقل کو صحیح و فائدہ، جائز و ناجائز کی طرف متوجہ کرنے کے بعد اپنے اختیار اور قوت ارادیہ کو صحیح اور جائز کی طرف موڑنا انسان کا فرض عین ہے۔

اب قرآن مجید میں ہدایت و ضلالت یا ختم و طبع کا خدا کی طرف منسوب ہونا اس کا یہی مطلب ہے کہ اس نے تمام طاقتیں عطا کرنے کے بعد اس کو اختیار دے دیا ہے اور اس نے بذریعہ انبیاء و رسل خیر و شر کے رستے واضح فرما دیے ہیں۔ کوئی خیر کے رستے پر چلے تو اپنے اختیار سے اور شر کا رستہ پسند کرے تو اپنی مرضی سے فرماتا ہے **إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا**۔ قرآن میں ہر دو کا اللہ کی طرف منسوب ہونا اس لئے ہے کہ وہ ان تمام قوتوں اور قوت ارادیہ کا خالق ہے اگر اس نے یہ توہین نہ دی ہوتی تو انسان سے یہ اعمال کیونکر سرزد ہوتے؟ لیکن اعتراض تو جب وارد ہوتا کہ اس نے صحیح رہنمائی نہ فرمائی ہوتی۔ پس خدا کی طرف نسبت اسی طرح ہے جس طرح سبب کی طرف نسبت دی جاتی ہے جیسا کہ مجازاً مثال گذشتہ میں فقیر کے افعال ناشائستہ کو پیسہ دینے والے شریف انسان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس نے اس سے یہ کام کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ صرف اس کا محسن ہی ہے اور اس کے افعال ناشائستہ کا قطعاً ذمہ دار نہیں۔ پس خداوند کریم محسن ہے اور انسان کے افعال کی ذمہ دار قطعاً اس پر عائد نہیں ہوتی۔ اور انسان اپنے اختیار سے عمل کرنے کے بعد سزا و جزا کا مستحق بھی ہے اور یہی مقتضائے عدل ہے۔

انسان کے اوپر جس طرح خالق کے احسان عظیم اور فضل جسم کا شکر ادا کرنا واجب ہے اسی طرح اس کے فرستادہ پیغمبروں کے حقوق سے عہدہ بڑا ہونا بھی انسان پر واجب و لازم ہے۔ جنہوں نے ہماری صحیح رہنمائی اور مفید اصولوں سے آگاہ فرمایا۔ پس جس طرح خدا کا انکار اور اس کی نافرمانی موجب عتاب و عقاب ہے اسی طرح اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کا انکار اور ان کے حکم سے سرتابی، درحقیقت خدا کے اوامر و نواہی کی توہین اور اس کی اس نعمت عظمیٰ کی تحقیر کے مترادف ہونے کی حیثیت سے مستوجب عذاب ہے۔

اب اگر کوئی انسان اپنے مقام پر خلق خدا کا خادم ہو اور کسی کو بلاوجہ تکلیف نہ پہنچاتا ہو اور اس کے تمام اعضاء عقل کے کٹرول میں ہوں لیکن معرفت خدا نہ رکھتا ہو تو اس کے تمام کارہائے حسنہ جزائے اخروی اور نعمات ابدیہ کے مستحق قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ بلکہ اخروی لحاظ سے یہ سب اس وقت ثمر آور ہوں گے۔ جب اللہ کی معرفت بھی ہوگی۔ نیز معرفت خدا کے بعد بھی اس کے اعمال موجب جزا تب ہوں گے جب اس کے تعلیم کردہ اصولوں کے ماتحت ادا کئے جائیں ورنہ اپنی ایسا کردہ عبادت کا کوئی فائدہ نہیں۔

چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے (حضرت آدمؑ کے سجدہ سے انکار کرنے کے بعد ابلیس نے کہا تمہارا لے میرے اللہ! مجھے حضرت آدمؑ کے سجدہ سے معاف کر۔ ویسے میں تیری اس قدر عبادت کروں گا جو کسی ملک مقرب نے کی ہوگی اور نہ ہی مرسل اتنی عبادت کرے گا۔ پس ارشاد قدرت ہوا مجھے تیری

عبادت کی نذر دیت نہیں رہیں وہ عبادت چاہتا ہوں جو میری مرضی کے مطابق ہو اور مرضی خدا کے مطابق صرف وہی عبادت ہو سکتی ہے جو اس کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ پس معلوم ہوا کہ خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت سے بڑا نہیں اور رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت سے علیحدہ نہیں۔

پس جس طرح خدا کا منکر و نافرمان سزا و عذاب کا سزاوار ہے اسی طرح رسول کا منکر و نافرمان بھی عذاب کا مستحق ہے تو رسول کے دنیا سے چلے جانے کے بعد جس کو وہ اپنا جانشین مقرر کر کے جائی چونکہ وہ بھی رسول کی قائم مقامی میں رسول کی طرح مقیباتِ الہیہ کا مبلغ و مدرس ہے لہذا اس کی اطاعت مثل خدا اور رسول کی اطاعت کے فرض ہے اور اس کی نافرمانی مثل خدا اور رسول کی نافرمانی کے موجب عتاب و عقاب ہے اور مقبولیت اعمال کے فصل میں متعدد احادیث اسی موضوع کی ذکر کی جا چکی ہیں کہ خلفائے رسول میں سے کسی ایک کا منکر کافر ہے اور جس نے ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا۔ گویا اس نے سب کا انکار کیا اور ان کا منکر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے منکر کی مثل ہے۔۔۔۔۔ اور ان کا منکر گویا خدا کا منکر ہے تو جس طرح نبی کا نافرمان خدا کا نافرمان شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے برحق جانشین کا انکار و نافرمانی چونکہ احکامِ نبویہ کی توہین کے مترادف ہے۔ لہذا خدا اور رسول کا انکار و نافرمانی شمار ہوتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ انسان اپنی مرضی کے مطابق خواہ کتنے ہی اعمال صالحہ کرتا رہے مقبول بارگاہِ اہدیت صرف وہی اعمال ہوں گے جو خدا کے حکم یا تحت رسول اور خلفائے رسول کی رہبری سے ادا ہوں تو جو شخص خلفائے رسول کا منکر ہو اس کے تمام اعمال بے خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق ہو سکتے ہیں اور نہ مرتبہ مقبولیت کو پہنچ سکتے ہیں اسی بنا پر مقبولیت اعمال کی گزشتہ فصل میں متعدد احادیث ذکر کی جا چکی ہیں کہ اہل حق کی اطاعت و محبت کے بغیر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ تمام عبادات رائیگاں اور ناقابل قبول ہیں اور یہ چیز خدا کے عدل کے سمانی نہیں بلکہ عین عدل ہے۔

اس کی واضح مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص ایک ملک میں نہایت نیک اور وطن پرست ہو۔ حکومت کے سرکاری ٹیکس وغیرہ بلا کم و کاست ادا کرتا ہو۔ پورے ڈاکو بھی نہ ہو۔ اراکین حکومت کے لئے کسی اندرونی نظامی معاملہ میں باعث تکلیف بھی نہ ہو۔ لیکن باہر ہر حکومت کو حکومت نہ سمجھتا ہو۔ ان کے اعلیٰ آفیسران کو دفتار کی نگاہ سے نہ دیکھتا ہو بلکہ حکومت کے احکام پر نکتہ چینی اور اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنے سے گریز نہ کرتا ہو تو آپ اندازہ فرمائیں کہ اس کے جملہ افعال و کردار کی حکومت کی نگاہوں میں کیا وقعت ہوگی؟ ایسا شخص حکومت کی نظروں میں چوروں، ڈاکوؤں، خندوں اور بد معاشوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔ اور نظامی معاملات میں باعث تکلیف ہو تو اسے جرموں سے اس کی سزا سنگین تر ہوگی کیونکہ وہ لوگ جو کہ حکومت کو حکومت مانتے کے بعد نظامی معاملات میں جرم کا ارتکاب

کرتے ہیں ان کے جرم کا اثر نہایت محدود ہوتا ہے۔ لہذا وہ محدود سزا کے سزاوار گردانے جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو لوگ باقی ہر طرح نیک ہوں اور قوم و وطن کے خیر خواہ بھی ہوں۔ لیکن حکومت کو تسلیم نہ کرتے ہوں۔ حکومت کے ضابطہ قانون پر عمل کرتے ہوں لیکن جن کو حکومت کے ضابطہ قانون کے نفاذ کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ ان سے دشمنی رکھتے ہوں ان کا حلقہ تخریب وسیع تر ہوگا۔ گویا ایسے لوگ ایک وقت میں حکومت کا تختہ الٹنے کے منتظر ہیں۔ پس ایسے لوگ گرفتاری اور ثبوت جرم کے بعد کسی مراعات کے مستحق نہ ہوں گے۔ ان کا کوئی عمل خیر، عمل خیر نہ شمار ہوگا۔ اور ان کے ضابطہ قانون کا احترام کرنا بے سود محض قرار دیا جائے گا۔ پس صرف یہ شخص سزا ہی سزا کا بلکہ ڈبل سزا کا مستوجب ہوگا۔ تاکہ اس کی عبرت ناک سزا سے دوسروں کو نصیحت حاصل ہو۔ اب یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کی باقی خوبیاں کیوں نظر انداز کی گئیں؟ اس کا احترام قانون کیوں موجب انعام نہ ہوا۔ بلکہ صاحب ہوش اس کی فرد جرم پر نگاہ کرنے کے بعد یہی کہے گا کہ اس کو ایسی ہی سزا دینی چاہیے تھی اور یہی عین دانائی اور مقتضائے عدل ہے۔

پس بعینہ اسی طرح ایک انسان کتنا ہی صالح ہو۔ عبادت گزار ہو اور حکومت الہیہ کے ضابطہ قانون قرآن مجید کا احترام بھی کرتا ہو۔ اس کے قوانین کی خلاف ورزی حسب امکان نہ کرتا ہو اور بایں ہمہ نظام حکومت الہیہ کے حفظ و ضبط کے لئے جو حدانے فرمانروا معین فرمائے اور جناب رسالت اکبر نے ضابطہ قوانین اسلامیہ (قرآن مجید) کی حفاظت و نفاذ و ترویج کے لئے جن پاک و معصوم ہستیوں کو بذریعہ حدیث متواتر (تقلین) و دیگر فرامین نبویہ امت کے لئے تاقیامت نامزد فرمایا اور بذریعہ حدیث غدیر متواتر بازو پکڑ کر لاکھوں کے اجتماع عظیم میں بلند کر کے دکھایا۔ اگر ان کو حکومت الہیہ کا صحیح فرمانروا نہ سمجھے اور ان کی حکومت کو قطعاً تسلیم نہ کرے تو وہ دیگر اخلاقی، نجی معاملات کے مجرمین کی بہ نسبت سنگین ترین مجرم ہے اور وہ بعد از گرفتاری و پیشی عدالت عالیہ الہیہ و ثبوت جرم، کسی اپنی نیکی کو بروئے کار لانے کا سزاوار نہ ہوگا اور نہ اس کی کوئی نیکی قرار دی جائے گی اور نہ اس کا احترام قرآن موجب اجر قرار پائے گا۔ بلکہ وہ صرف سزا کا اور ڈبل سزا کا مستحق ہوگا اور اس کی سزا تمام اہل محشر کے لئے باعث عبرت ہوگی اور ہر اہل دل سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کے مجرم کے لئے مراعات کی امید رکھنا بھی خلاف عقل ہے اور ایسے شخص کی دوسری عام نیکیوں کو موجب اجر قرار دینا قطعاً سببی برالضاف نہیں پس اس کی نیکیوں کا دانسیگان قرار دینا اور اس کو سخت ترین سزا دینا عین عدل ہے اور ایسے مجرم کے جرم کو قابل معافی سمجھنا ظلم عظیم ہے۔

اسی بنا پر حضرت رسالت اکبر نے جناب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کو قَسِيمُ النَّارِ وَالْجَنَّةِ فرمایا۔
حضرت امام شافعی کی طرف یہ اشعار منسوب ہیں۔

عَلِيٌّ عِبْدُ جَنَّةٍ : اِمَامُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْجَنَّةِ
عَلِيٌّ عِبْدُ جَنَّةٍ : اِمَامُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْجَنَّةِ
عَلِيٌّ عِبْدُ جَنَّةٍ : اِمَامُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْجَنَّةِ
عَلِيٌّ عِبْدُ جَنَّةٍ : اِمَامُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْجَنَّةِ

علی کی محبت دوزخ کی ڈھال ہے (علی جنوں اور انسانوں کا امام ہے)
محمد مصطفیٰ کا برحق وصی ہے۔ جنت و نار کا تقسیم کرنے والا ہے۔

اور صواعقِ محرقہ اور دیگر کتب عامہ و خاصہ سے منقول ہے کہ حضرت رسالتاً نے فرمایا کہ کوئی شخص صراط سے نہ گزرنے پائے گا۔ جب تک علمی اس کو گزرنے کا اجازت نامہ نہ لکھ دیں۔

سابقہ مثال سے یہ واضح کر دیا جا چکا ہے کہ معصیت دو قسموں پر ہے ایک اصولی اور دوسری فرعی۔ اصل حکومت کی مخالفت اصولی معصیت ہے اور حکومت کی تسلیم کے بعد نظامی معاملات میں کو تاہی فرعی معصیت ہے۔ دوسری نوع معصیت کی سزا بہ نسبت پہلی نوع کے ضعیف ہے۔ پہلی نوع کے مخالف کو معاف کرنا اور اس کو سزا نہ دینا خلافِ عدل ہے۔ جب تک کہ وہ سابقہ نظریہ فاسدہ سے تائب ہو کر اپنی وفاداری کا عہد نہ کرے۔ لیکن دوسری نوع کے مخالف کو بعض مصالح کی بناء پر معاف کر دینا بعید از عقل نہیں۔

توحید، نبوت، امامت چونکہ اصولی اسلام میں سے ہیں۔ لہذا ان کی مخالفت و انکار اصولی معصیت میں داخل ہے اور ان تین اصولوں کے اقرار کے بعد اسلام کے فرائض و واجبات مثلاً نماز و روزہ وغیرہ میں کو تاہی فرعی معصیت ہے۔ پس پہلی نوع قابلِ عفو قطعاً نہیں جب تک کہ تائب نہ ہو اور خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔ لیکن اگر اصول کا انکاری نہ ہو تو فرعی معصیت اگر خدا چاہے تو معاف کر سکتا ہے۔

پس اطاعت بھی ایک اصولی ہے اور دوسری فرعی۔ اگر انسان اصولی طور پر اطاعت گزار ہو یعنی توحید و نبوت و امامت کا قائل ہو لیکن فرعی اطاعت میں کچھ کو تاہی کرنا ہو تو اس کا جرم قابلِ عفو ہے وہ دائمی عذاب کا سزاوار نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ فرعی اطاعت کو ترک کرنے سے اس کی اصولی اطاعت کو خالی از جزا و ذراب نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اصولی اطاعت نہ ہوتے ہوئے فرعی ہزارہا اطاعتیں کرتا مگر ان میں سے ایک بھی قابلِ قبول نہیں اور ایسا شخص اکھوت میں ابدی سزا کا مستحق ہوگا۔

کیونکہ فرعی (شاخ) کے کٹنے سے اصل خشک نہیں ہو جاتا کرتی لیکن اگر اصل کٹ جائے یا خشک ہو جائے تو فروعات کا خشک اور ضائع ہو جانا یقینی ہے چونکہ اقرار امامت جس کو اقرار نبوت و توحید لازم ہے اصل ہے تمام اعمال خیر کی اور انکار امامت جس کو انکار نبوت و توحید لازم ہے اصل ہے تمام اعمال بد کی۔ پس جس کے پاس پہلی اصل ہو اس کے لئے اس کے فروعات کا کٹ جانا یا خشک ہو جانا عذاب دائمی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عذاب دائمی تو واجب ہوگا کہ اس کے نامہ اعمال میں نیکی کوئی نہ ہو۔ اس کے نامہ اعمال میں دلالت و نبوت و توحید کی معرفت و اقرار کی ایسی نیکی موجود ہے جس کو نہ کوئی ایسا بد اعمالی فاسد کر سکتی ہے اور نہ اس تک ریاکاری یا ظاہر داری یا دیگر اغراض فاسدہ کی رسائی ہے کیونکہ اس کا تعلق محض باطن اعتماد سے ہی ہے۔ پس نتیجہ یہی ہوگا کہ فرعی معصیت پر اس کو محدود

سے بلا لحاظ شرط اس کا بجالانا۔

سزا دیکر آخر حجت میں اس کو اصول نیکی کی بنا پر بھیج دیا جائے گا اور پھر وہ ہمیشہ جنت ہی میں رہے گا۔
 اور جس شخص کے پاس دوسری اصل ہو یعنی انکار امامت تو اسے فرودت اس کے پاس یا صلہ ہوگی یا غیر صلہ؟ اگر صلہ
 ہوں تو بے کار محض ہیں کیونکہ اصل کے بغیر فرع بیکار ہوتی ہے اور حکومت کے دشمن کے لئے بزوری نیکیاں کتابیں جڑا نہیں
 ہوتیں اور اگر اس کے پاس فرود بھی بد ہوں تو دگنا مجرم ہوگا۔ ہر دو صورت میں اس کے پاس ایسی چیز کوئی بھی
 نہیں جو اس کو عذاب دائمی سے نجات دلا سکے۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ صرف اصولی معصیت کے ساتھ ہمیشہ
 عذاب ہوگا لیکن فروری معصیت کی سزا کا بوجھ نہ ہوگا اور فروری معصیت کی موجودگی میں دگنا عذاب ہوگا۔ حاتم اور
 نوشیروان سے تخفیف عذاب کا یہی معنی ہے۔

پس ان احادیث کا مطلب صاف واضح ہو گیا کہ آل محمد کے دشمن کی کوئی نیکی قابل قبول نہیں اور اس کے لئے
 عذاب دائمی ہے اور اس کی موت کفر کی موت ہے۔ مزید وضاحت کے لئے چند احادیث اور نقل کرتا ہوں چنانچہ
 علامہ علی اعلیٰ الشہر مقام نے بعض کتب عامہ سے نقل فرمایا کہ جناب رسالت اکبر نے ارشاد فرمایا۔

تحقیق اللہ نے میرے بھائی علی کو وہ فضائل عطا فرمائے جو شام سے
 باہر ہیں جو شخص علی کے فضائل میں سے کسی فضیلت کا ذکر اس کا
 اقرار کرتے ہوئے کرے تو اس کے لئے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے
 اور جو شخص اس کے فضائل میں سے ایک فضیلت لکھے تو جب تک
 اس کی کتابت کے نشان باقی رہیں گے ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے
 رہیں گے اور جو شخص اس کے فضائل میں سے کوئی فضیلت سنے تو اس کے
 وہ گناہ خدا معاف کر دے گا جو اس نے کانوں سے کمائے ہوں گے
 اور جو شخص علی کے لئے لکھے ہوئے فضائل پر نگاہ کرے اس کے خدا وہ
 گناہ معاف کرے گا جو اس نے آنکھوں سے کمائے ہوں گے پھر فرمایا
 کہ علی کو دیکھنا عبادت ہے اس کا ذکر عبادت ہے اور علی کی
 ولایت اور اس کے دشمنوں سے بیزاری کے بغیر خدا کسی عبد کا
 ایمان قبول ہی نہیں کرتا۔

ان الله جعل لاخي علي فضائل لا تحصى
 كثرة فمن ذكر فضيلة من فضائله
 مقرأ بها غفر الله له ما تقدم من ذنبه
 وما تأخر ومن كتب فضيلة من فضائله
 لم تنزل الملائكة تستغفر له ما بقى لتلك
 الكتابة رمد ومن استمع فضيلة من
 فضائله غفر الله له الذنوب التي كتبها
 بالاستماع ومن نظر الى كتاب من
 فضائله غفر الله له الذنوب التي كتبها
 بالنظر ثم قال النظر الى علي عبادة و
 ذكره عبادة ولا يقبل الله ايمان عبد
 الا بولايته والبراءة من اعدائه

میر علامہ نے بطریق مشہور ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آدم کی خلقت اور نفع روح کے بعد ذات احدیت

لے اور یہی ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ چیز میں عدل سے بلکہ اس کا عذاب خلاف عدل ہے چنانچہ پورے مشال حکومت کی تعین سے منظر پر واضح ہے

کا حضرت آدمؑ سے یوں ارشاد ہوا۔

وَعِزِّي وَجَلَالِي لَوْلَا عَبْدَانِ ارِيَا خَلْقَهَا
فِي دَارِ الدُّنْيَا مَا خَلَقْتِكَ قَالَ الْعَلِيُّ فَيَكُونُ
مَنْعِي؟ قَالَ نَعَمْ يَا اَدَمُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ
وَانظُرْ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَاذَا مَكْتُوبٌ
عَلَى الْعَرْشِ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ
نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَعَلِيٌّ مَقِيمُ الْحُجَّةِ
مَنْ عَرِفَ حَقِّي عَلَى ذَكَا وَطَابَ وَمَنْ
اَنْكَرَ حَقِّي لُعِنَ وَحَابِ اَقْسَمْتُ بِعِزِّي
وَجَلَالِي اَنْ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ مَنْ
اطاعه وَاَنْ عَصَانِي وَاَقْسَمْتُ
بِعِزِّي اَنْ اَدْخُلَ النَّارَ مَنْ
عَصَانِي وَاِنْ اطاعنِي -

ونقل احاديث منها قال لو اجتمع
الناس على حب علي لم يخلق
الله السما وقال حب علي حسنة
لا يضرم معها سيئة ونبض على
سيئة لا ينفخ معها حسنة

وقال من احب عليا قبل الله
صلواته وصيامه واستجاب دعائه
الا ومن احب عليا اعطاه بكل
عير في بدنه مدينية في
الجنة الا ومن احب آل محمد
امن الحساب والميزان والصراط

(الحدیث)

مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر دار دنیا میں مجھے دو بندوں کا
پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو تجھے پیدا نہ کرتا حضرت آدمؑ نے عرض
کی میرے اللہ کیا وہ دو تو میری اولاد سے ہوں گے؟ فرمایا ہاں
اسے آدمؑ سر کو بلند کر اور دیکھ پس آدمؑ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ تو
سرش پر لکھا ہوا پایا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت
محمد مصطفیٰ نبی رحمت ہیں اور حضرت علیؑ جنت کے
قائم کرنے والے ہیں پس جو علیؑ کے حق کا عارف ہو گا وہ پاک
پاکیزہ ہو گا اور جو اس کے حق کا منکر ہو گا وہ ملعون اور ناسر
ہو گا مجھے اپنے عہد جلال کی قسم کہ اس کے فرمانبردار کو جنت
میں داخل کروں گا نواہ میرا نافرمان ہی ہو اور مجھے اپنی عزت
کی قسم کہ اس کے نافرمان کو جہنم میں داخل کروں گا۔ نواہ
میرا اطاعت گزار ہی ہو

علامہ نے متعدد اسناد پر کتب عامہ سے نقل فرمائی ہیں مثلاً حضرت
نے فرمایا اگر تمام لوگ علیؑ کی محبت پر جمع ہو جاتے تو خدا جہنم کو پیدا
نہ کرتا۔ نیز حضورؐ نے فرمایا علیؑ کی محبت وہ نیکی ہے جس کے ساتھ کوئی
گناہ نقصان وہ نہیں اور علیؑ سے بغض رکھنا ایسی برائی ہے جس
کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ مند نہیں۔

اور آپؐ نے فرمایا جو علیؑ سے محبت رکھے اس کی نماز
روزہ قیام خدا مقبول فرماتا ہے اور اس کی دعا کو مستجاب
کرتا ہے۔ آگاہ ہو جو بھی علیؑ سے محبت رکھے اس کے بدن
کی ہر رگ کے بدلہ میں خدا اس کو جنت کا ایک شہر عطا
کرے گا۔ آگاہ ہو جو آل محمدؐ سے محبت رکھے گا وہ حساب میزان
اور صراط کی منازل میں داخل ہو گا۔

اس قسم کی احادیث بکثرت وارد ہیں۔ جن میں سے بعض پہلے عزائات کے تحت میں مذکور ہو چکی ہیں۔ میرے سابق بیان سے ان کا مطلب بھی صاف واضح ہے اور یہ عدل الہی کے عین مطابق ہے بلکہ اس کا خلاف عقل کے خلاف ہے کیونکہ دشمن علیؑ کی نیکیوں اور عبادتوں کے مردود ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) جو علیؑ کا دشمن ہے وہ نبیؐ کا دشمن ہے اور جو نبیؐ کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ پس دشمن علیؑ حسب حکومت الہیہ کا اصولی طور پر نافرمان ہے تو اس کی دوسری نیکیوں اور فروری عبادتوں کی کیا وقعت رہ سکتی ہے جس طرح کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔

(۲) جس شخص کو خلیفہ رسولؐ کی معرفت نہیں اس کو رسولؐ کی معرفت نہیں اور جو رسولؐ کی معرفت نہیں رکھتا وہ صحیح طور پر عارف خدا نہیں۔ پس ایسی صورت میں اس کی جملہ عبادات خدا و رسولؐ و خلیفہ رسولؐ کی ہدایات کے مطابق نہیں ہوں گی۔ بلکہ اس کا خود ساختہ طریقہ ہوگا اور سابق میں گزر چکا ہے کہ خدا صرف وہ عبادت منظور فرماتا ہے جو اس کے فرمان کے مطابق ہو اور ہرگز ایسی عبادت نہیں چاہتا جو عہد کی اپنی بنائی ہوئی ہو۔ اور خدا کی مرضی کے مطابق صرف وہی عبادت ہی ہو سکتی ہے۔ جس کا طریقہ ادائیگی۔ اس کا اپنا فرستادہ رسولؐ ہی تعلیم فرمائے۔ یا اس کے بعد اس کا صحیح قائم مقام اس کی طرف رہنمائی فرمائے۔ پس جو شخص علیؑ سے بغض رکھتا ہوگا۔ اس کی عبادت مرضی خدا کے خلاف ہوں گی۔ لہذا ان کا ناقابل قبول ہونا عین مطابق عقل اور موافق عدل ہے اور سابقہ ابحاث میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ رسولؐ کا صحیح جانشین سوائے علیؑ اور اس کی اولاد معصومین کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

پس حدیث کے اس حصہ کا مطلب واضح ہو گیا کہ بغض علیؑ کے ساتھ کوئی عمل مفید نہیں۔ کیونکہ اصل کے کٹ جانے یا خشک ہو جانے کے بعد فروعات خود بخود خشک اور مردہ ہو جاتے ہیں۔ پس یہ درست ہے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے خواہ اپنی مرضی سے کتنی ہی عبادتیں کرتا رہے۔ اب رہا حدیث کا دوسرا حصہ کہ علیؑ کے حب کے لئے جنت ضروری ہے۔ خواہ خدا کا فرمان ہی ہو۔ یا یہ کہ علیؑ کی محبت کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں ہوتا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ علیؑ کی محبت بتلاتی ہے کہ یہ رسولؐ کا حب ہے۔ اور خدا کا بھی حب ہے۔ گویا علیؑ کا عارف خدا و رسولؐ کا عارف ضرور ہوا کرتا ہے پس اصولی طور پر تو اس کا قطعاً کوئی گناہ ہے ہی نہیں اور یہ اصولی نیکی اس کی قطعاً باطل ہو نہیں سکتی۔ اب اگر ایسے شخص سے گناہ سرزد ہوں گے تو وہ فرعی گناہ ہوں گے اور چونکہ فرعی کی موت اصل کی موت کا موجب نہیں ہوتی لہذا صرف فرعی سزا کا مستحق ہوگا۔ پس اسی قدر جہنم میں جائے گا۔ جس قدر اس کے گناہ تقضی ہوں گے اور اس کے بعد رہائی حاصل کر کے اصولی اطاعت کے ماتحت جنت میں داخل ہوگا۔ پس حدیث کا یہ جملہ کہ علیؑ کی محبت کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں۔ یعنی ابدی جہنم کا موجب نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو ان فرعی معصیتوں کا بدلہ دنیا میں ہی دیدیا جائے

العهد على ما فضلتي به اذ فعلها الى اخي علي
 بن اب طالب ثم يرجع رضوان فيدوا مالك
 فيقول السلام عليك يا احمد فاقول السلام
 عليك ايها الملك فما اقيح وجهك انكر
 روتيك فيقول انا مالك حازن النار وهذا
 مقاليد النار بعث بها اليك رب العزة
 فخذها يا احمد فاقول قد قبلت ذلك من
 ربى فله الحمد على ما فضلني به اذ فعلها
 الى اخي علي بن ابى طالب عليه السلام ثم
 يرجع مالك فيقول على ومعك مفاتيح
 الجنة ومقاليد النار حتى يقف على
 جهنم وقد تطاير شورها وعلانها
 واشتد حرها وحل اخذ بناسها فيقول
 لجهنم حزين يا على فقد اطفاء نورك
 لى فيقول لها على قسرى يا جهنم
 خذى هذا واتركى هذا خذنى هذا
 عذوبى واتركى هذا اولي (الخبر)

کردوں گا۔ پھر رمضان واپس جہانے گا اور مالک قریب اگر سلام
 کہے گا اور اس کو جواب میں السلام علیک کہہ کر دریاخت
 کروں گا کہ تیرا چہرہ کتنا قبیح اور تیرا منظر کس قدر بدتر ہے؟ تو وہ کہے
 گا میں مالک نمازن جہنم ہوں اور یہ کلید ہائے جہنم خدائے تیری
 طرف بھیجی ہیں۔ یہ لے لو۔ پس میں کہوں گا کہ میں نے قبول کی
 ہیں۔ اور اللہ کے اس فضل پر اس کی حمد
 کرتا ہوں۔ اور پھر وہ علی بن ابی طالب علیہ السلام
 کے ہوائے کردوں گا۔ پھر مالک واپس چلا جائے گا۔ اور
 علی کلید ہائے جنت و نار کرنے کے آگے بڑھے گا۔ جہنم کے
 جہنم کے کنارے پر اگر کھڑا ہوگا۔ اس وقت جہنم کے شعلے
 اٹھ رہے ہوں گے۔ اس کی آواز بلند ہوگی۔ اور گرتی تیز
 ہوگی اور حضرت علیؑ کے اتمہ میں اس کی مہار ہوگی۔ اور
 وہ کہے گی۔ یا علیؑ آپ جلد گذر جائیں۔ کیونکہ آپ کا
 نور میرے شعلوں کو بجھاتا ہے۔ پس حضرت علیؑ
 فرمائیں گے صبر کر لے جہنم، اس کو لے لے اور اس کو چھوڑنے
 اس کو لے کیونکہ میرا دشمن ہے اور اس کو چھوڑ دو کیونکہ میرا
 دوست ہے۔

پس اس حدیث کا صاف مطلب یہی ہے کہ جنت و نار کا معیار استحقاق حسب علیؑ اور بغض علیؑ ہی ہے چونکہ
 حسب علیؑ، خداوند کریم کا اصول معرفت میں اطاعت گزار ہے۔ لہذا وہ جہنم کی سزا کا مستحق نہیں۔ پس وہ فریگی گناہوں
 کی سزا جگتے کے بعد آزاد ہو جائیگا اور دشمن علیؑ چونکہ اصول معرفت میں خدا کا نافرمان ہے۔ لہذا اس کی فریگی نیکیوں کی
 کوئی قیمت نہیں پس وہ جہنم کی دائمی سزا کا سزاوار ہے اور اس کو صرف توحید و نبوت کا اقرار کوئی فائدہ نہ دے گا۔
 جس طرح نبوت کے منکر کو صرف توحید کا اقرار فائدہ مند نہیں ہے۔

مقدمہ تفسیر مرآة الانوار میں بروایت علیؑ مدوق مفضل سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
 سے دریافت کیا کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام قسیم الجنۃ و النار کس طرح ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ چونکہ علیؑ کی محبت ایمان
 اور اس کا بغض کفر ہے اور جنت ایمان والوں کے لئے اور جہنم اہل کفر کے لئے ہے۔ پس علیؑ قسیم الجنۃ و النار ہو گئے

یعنی جنت میں صرف علیؑ کے محب جائیں گے اور دوزخ میں صرف علیؑ کے دشمن ہی جائیں گے۔
مفضل کہتا ہے میں نے عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ! کیا گذشتہ انبیاء و اوصیاء بھی علیؑ کے محب تھے اور
ان کے دشمن علیؑ کے دشمن تھے آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کی حضور! اس کی وضاحت فرمائیے؟ آپ نے فرمایا
کیا تجھے یوم خیبر کا سرکار رسالت کا فرمان معلوم نہیں کہ حضورؐ نے فرمایا تھا لَا تُعْطِيَنَّ السَّارِيَةَ غَدًا اَمْ جَلًا يُحِبُّ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يُدْرِجُهُمْ حَتَّىٰ يَفْتَحَ اللَّهُ عَلٰى يَدَيْهِ (کل علم فوج ضرور ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور رسول
کا محب ہوگا اور بغیر فتح کے نہ پلے گا) میں نے عرض کی۔ ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب حضورؐ کے پاس مہوٹا ہوا پرندہ
لایا گیا تو آپ نے دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اَيْتِنِيْ بِاَحَبِّ خَلْقِكَ اِلَيْكَ يَا كَلِّ مَعِيَ هَذَا الطَّيْرِ وَعَنِيْ بِهٖ عِلْيًا۔
اے اللہ اپنی مخلوق میں سے اپنا محبوب ترین انسان بھیج جو میرے ساتھ اس پرندے کے کھانے میں شریک ہو اور
آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو ہی مراد لیا مقام میں نے عرض کی کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا یہ ممکن ہے
کہ خدا کے نبی و رسولؐ اور ان کے اوصیاء ایسے شخص کو دوست نہ رکھتے ہوں جس کو اللہ اور اس کا رسولؐ دوست
رکھتے ہوں اور وہ اللہ و رسولؐ کو دوست رکھتا ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا پس معلوم ہوا کہ خدا کے نبی
در رسولؐ اور گذشتہ تمام مومنین علیؑ کے محب تھے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ان کے مخالفین۔ حضرت علیؑ اور اس کے
تمام محبوں کے دشمن تھے میں نے عرض کی بے شک آپ نے فرمایا (پس نتیجہ یہ ہوا) کہ جنت میں علیؑ کا محب ہی جائے
گا۔ خواہ اولین سے ہو یا آخرین سے ہو۔ لہذا وہ قسیم الجنۃ و النار ثابت ہو گئے۔

میں نے عرض کی۔ آپ نے میرا عقدہ حل کر دیا ہے۔ خداوند کریم آپ کی جملہ مشکلات و مصائب رفع فرمائے
مجھے اپنے علم خاص سے کچھ اور افادہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اے مفضل! تو دریافت کر۔ میں نے عرض کی۔ یا ابن رسول
اللہ! اگر علیؑ اپنے محبوں کو جنت اور دشمنوں کو جہنم بھیجیں گے تو رضوان اور مالک؟ (کیا کریں گے؟)
آپ نے فرمایا۔ اے مفضل! کیا تجھے معلوم ہے کہ خداوند کریم نے تمام مخلوق سے دو ہزار سال قبل عالم ارواح
میں جناب رسالتؐ کو ارواح انبیاء پر مبعوث فرمایا اور آپ نے ارواح انبیاء کو توحید کی دعوت دی اور اپنی اطاعت و
اتباع کے لئے حکم دیا اور بصورت اطاعت جنت اور بصورت معصیت جہنم کا ان کے ساتھ وعدہ و وعید کیا مفضل نے
کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا رسولؐ خدا کی جانب سے وعدہ و وعید کے ضامن نہیں تھے؟ میں نے عرض کی۔ ہاں
(بے شک وہ ضامن ہیں) آپ نے فرمایا۔ کیا علیؑ بن ابی طالب ان کے خلیفہ اور ان کے بعد ان کی امت کے امام نہیں

لے مجمع البیان۔ لاعطیہ الرایۃ غداً رجلاً یحب اللہ ورسولہ و یحبہ اللہ ورسولہ کراما غیر فاسرا لا یرجع حتی
یفتح اللہ علی یدئیہ (الحدیث)

میں نے عرض کی: ہاں! آپ نے فرمایا کہ کیا رضوان اور مالک شیعانِ علیٰ اور تمام محبانِ علیٰ کی مغفرت کے لئے دُعا مانگنے والے ملائکہ میں سے مہنیں ہیں؟ میں نے عرض کی ہاں! ہاں! آپ نے فرمایا اے مفضل یہ مخزون دکنوں علم میں سے ہے اس کو محفوظ کر اور نااہل کے حوالہ نہ کر۔ مفضل نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ یہ علم کا وہ دروازہ ہے جس سے ہزار دروازے کھلتے ہیں۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر دشمنِ علیٰ کے اعمال کو ضائع قرار دیا جائے تو عدلِ خداوندی کے منافی ہے۔

کیونکہ مزدوری کرنے کے بعد مزدور کو حقِ اجرت سے محروم کرنا ظلم ہے، تو اس کے کئی جوابات ہیں،

(۱) اصل کی مخالفت کے ساتھ فرعی نیکیاں، نیکیاں ہی نہیں جس طرح اصل حکومت ظاہریہ کا دشمن جزوی اطاعتوں کی وجہ سے حکومت کا مخلص یا اطاعت گزار نہیں کہا جاسکتا اور اس کی جملہ نیکیوں کو تلف قرار دینا عین موافق عقل اور اس کی سزا مطابق عدل ہے۔

(۲) علیٰ کی مخالفت کی وجہ سے چونکہ اس کے تمام اعمال منشاءِ خدا کے مطابق نہیں۔ لہذا وہ قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ عبادتِ دہی مقبول ہے جو خدا کی مرضی کے مطابق ہو اور وہ صرف دہی ہو سکتی ہے جو خدا کے رسولؐ اور اس کے صحیح قائم مقام کی تعینات کے ماتحت ہو۔

(۳) اعمال کو مزدوری قرار دینا ہی غلط ہے اگر انسان عمر بھر عبادتِ الہیہ میں مصروف رہے۔ تاہم اس کے سابقہ احسانات کا بدلہ نہیں ادا کیا جاسکتا اور حقِ عبادت ادا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے احسانات جلد شمار سے بیش تر ہیں۔ خود فرماتا ہے۔ اِنْ تَعَدَّ وَايَعْمَاةَ اللّٰهِ لَهٗ مَحْصُوٰنٌ هَآءِ۔ پس جب عبادتِ انسانیہ اس کے سابقہ احسانات کا بدلہ نہیں ہو سکتی تو اُسندہ کے لئے استحقاقِ اجر ان میں کس طرح پیدا ہو جائے گا۔

(۴) اور بالفرض اگر ان عبادت کو اُسندہ کے انعامات کے لئے مزدوری ہی کہا جائے۔ تاہم مزدوری قابلِ اجر اس وقت ہوا کرتی ہے جب منشاءِ مالک کے مطابق ہو اور اس کی طرف سے عائد شدہ تمام شرائط کا لحاظ رکھا جائے اور معرفتِ خدا و رسولؐ و امام عبادت کی جملہ شرائط میں سے اہم ترین شرط ہے وَاِذَا فَاتَتْ الشَّرْطَاتُ الْمَشْرُوْطَ (شرط چلی جائے تو مشروط خود بخود ختم ہو جایا کرتا ہے) پس معرفتِ امامِ حق کے بغیر اس کی عبادت عبادت ہی نہیں۔ لہذا اجر کا اس میں کوئی استحقاق نہیں خدا فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (الآیۃ) مقصد یہ ہے کہ اللہ کی محبت اطاعتِ رسولؐ کے بغیر قطعاً نہیں ہو سکتی اور رسولؐ کی اطاعت کے متعلق

سے مستحق ہے ہر فرمانِ رسولؐ گذر چکا ہے کہ اگر تمام لوگ علیٰ کی محبت پر جمع ہو جاتے تو خدا جہنم کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اس کا مطالبہ بھی اب صاف واضح ہو گیا۔ منہ۔

فرماتا ہے مَا أَشْكُرُ الرَّسُولَ فُخْذُودًا وَمَا نَهَيْكُمْ عَنْهُ فَأَنْتُمْ هُوَارٌ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ يَمِينًا
 وہ رو کے اس سے رُک جاؤ اور رسولؐ کی دی ہوئی چیزوں میں سے ولایت علیؑ ہے جس کا لاکھوں کے اجتماع عظیم میں
 بازو پکڑ کر دکھا دکھا کے تمام حجت کی اور فرمایا۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيَ مَوْلَاهُ یہ حدیث غدیر وہ متواتر حدیث
 ہے جس کو ایک سو سے زائد صحابہ کرام نے خود نقل کیا اور اس کے بعد دُعا مانگی اللَّهُمَّ وَاٰلِ مَنْ وَاٰلِهِ وَعَادٍ مَنْ
 عَادَاهُ (الحدیث) لے اللہ تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کا دوست ہو اور اس کو دشمن رکھ جو علیؑ کا دشمن ہو۔

پس معلوم ہوا کہ علیؑ کا حب ہی محبت خدا حاصل کر سکتا ہے نیز اطاعتِ ثقلین رسولؐ کی عطا کی ہوئی چیزوں میں
 سے ہے جو کتب عامہ و خاصہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے اور گذشتہ فصول میں متعدد جگہوں پر اس کو واضح کیا گیا ہے
 اور ثقلین کے مستقل عنوان کے تحت کافی احادیث بھی جمع کر دی گئی ہیں۔ نیز جناب رسالتؐ نے علیؑ کی محبت کو ایمان
 اور اس کے بغض کو کفر و نفاق سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ ص ۱۳۶ ص ۱۳۷ پر احادیث مذکور ہو چکی ہیں۔

پس علیؑ کی مخالفت نبی کی مخالفت اور نبی کی مخالفت خدا کی مخالفت ہے پس مخالفتِ علیؑ کے ہوتے ہوئے
 کوئی عبادت مقبول ہو ہی نہیں سکتی۔ جب علیؑ کی محبت ہی ایمان ہے تو بجز ایمان کے کوئی عبادت قابل قبول کیسے
 بن سکتی ہے؟

علم تو جب لازم آتا کہ عبادت کو شرائط کے ساتھ ادا کیا جاتا اور پھر اس کو معاذ اللہ خدا صالح کر دیتا۔ حالانکہ
 خدا ایسا ہرگز نہیں کرتا۔ فرماتا ہے میں حسین کا اجر صالح نہیں کرتا۔ لیکن جب شرائط کو ترک کر کے انسان خود ہی اپنے
 اعمال کو صالح کر دے تو ان کا اجر سے محروم رہنا کوئی منافعی عدل نہیں۔

(۵) خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِمْ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔

فرمادے لے رسولؐ کہ میں تم سے اجر رسالت سوائے مودت فی القربی کے اور کچھ نہیں مانگتا۔

اجر رسالت

علامہ علیؑ قدس سرہ نے سند احمد، تفسیر ثعلبی اور اہلسنت کی دیگر کتب
 صحاح سے نقل فرمایا ہے کہ جناب ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب
 یہ آیت نازل ہوئی کہہ جسے میں اجر رسالت تم سے سوائے مودت فی
 القربی کے اور کچھ نہیں مانگتا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ
 وہ آپ کے کون قرابت دار ہیں جن کی مودت مانگنا ہے
 تو حضورؐ نے فرمایا۔ وہ علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دونوں فرزند ہیں۔

وَذَكَرَ الْعَلَامَةَ نَقْلًا عَنْ مَسْنَدِ أَحْمَدَ وَ
 تَفْسِيرِ الثَّعَلَبِيِّ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الصَّحَاحِ عَنْ
 بَنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَ قَوْلُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِمْ
 أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ الْوَالِيَا رَسُولَ
 اللَّهِ مِنْ قُرَابَتِكَ الَّذِينَ وَجَّهَ . . . عَلَيْنَا
 مَوَدَّتَهُمْ قَالَ رَضِيَ وَفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا

پس آل رسولؐ کی مودت ہے۔ اجر رسالت۔ تو جو شخص اسلام کا دعویٰ کرے اور جناب رسالتؐ کے ان قرابت داروں
 سے مودت نہ رکھے تو اس نے گویا اجر رسالت کے ادا کرنے میں کوتاہی کی اور اجر کی ادائیگی کے بغیر کوئی عمل

درست ہو نہیں سکتا۔ مثلاً مسجد تعمیر کرانیا اگر معمار یا مزدوروں کی اُجرت کو ادا نہ کرے یا کپڑے سلانے والا درزی کو حق سلائی نہ دے تو اس کا اس مسجد میں یا اس لباس میں نماز ادا کرنا صرف فضول ہی نہیں بلکہ وبالِ اخروی کا موجب بھی ہے۔ پس اسی طرح کلمہ توحید و رسالت زبان پر جاری کرنے کے بعد بغیر مودتِ اکی رسول کے اعمال سب رائیگاں ہیں اور ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ باقی تمام انبیاء نے تو کبھی تبلیغِ نبوت پر اجر کا امت سے مطالبہ نہیں کیا اور حضرت سید المرسلین نے کیوں ایسا کیا گویا ان نبیوں نے قرینۃ الی اللہ تبلیغ کی۔ اور انہوں نے اپنی تبلیغِ دین کی اُجرت کا مطالبہ فرمایا۔ یقیناً اس میں تنقیصِ شانِ رسالت ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات منافیِ شانِ سید الانبیاءِ رب لازم آتی کہ اُجرت کا تعلق ان کی ذاتی اغراض کی تکمیل سے ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ یہاں اُجرت کا تعلق صرف امت ہی سے ہے اور اس کی منفعت صرف انہی پر عائد ہے۔ چنانچہ حدیثِ ثقلین میں اس امر کی پوری وضاحت فرمادی کہ ان کے ساتھ تم تک پکڑنے سے تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ اخلاصِ تبلیغ کی انتہائی حد ہے کہ متعدد مصائبِ جہلی کر تکالیف اٹھا اٹھا کر ان کو تعزذات سے نکالا اور جِ رُفعت پر پہنچایا اور پھر انتہائی محبت سے فرمادیا کہ دیکھو مجھے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے تمہارے روپوں، اشرفیوں وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ میری اُجرت یہی ہے کہ تم ان اسلامی نعمات اور اخروی لذات کا راستہ کھو نہ بیٹھو۔ پس اس کے لئے میری نصیحت مانو اور اس پر عمل کرو اور یہی میری اُجرت ہے کہ میری اکل کے ساتھ محبت رکھو تاکہ حوضِ کوثر تک میرے پاس صحیح پہنچ سکو۔

نیز یہ طلبِ اجر نہیں بلکہ تبلیغِ رسالت کا ایک کام ہے جس طرح آپ نے نماز پہنچائی روزہ پہنچایا وغیرہ۔ یہاں بھی ارشاد ہے قُلِّ یعنی پہنچا دو۔ اگر اُجرت طلب کرتے تو آیت میں لفظ قَالَ ماضی کا صیغہ ہوتا۔ پس یہ آیت مجتہدِ تبلیغاتِ رسالت کے ہے اور مقصد صرف بقائے اسلام ہے۔

چونکہ اعمالِ صالحہ کی جزا کے متعلق قرآن مجید میں بار بار وعدہ ہو چکا ہے اور عدلِ خداوندی سے کسی کے اعمال کا ضائع کرنا بعید ہے۔ لہذا وہ آیات جن کا مضمون ضبطِ اعمال کی لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کی بناء پر یہ خطورِ ذہن میں پیدا ہونا لازمی ہے کہ عدل اور ضبط کیا یہ دو باتیں۔ آپس میں تلافی تو نہیں رکھتی تو اس اشکال کے جواب سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ ضبط اور ضبط دو جدا لفظیں ہیں۔ جن کے معانی جدا جدا ہیں۔ ضبط کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ایک چیز کا مستحق قرار دیتے ہوئے کسی اور معاملہ یا حق میں اس کو مانو قرار دیکر بطور تادان کے اس کے استحقاق کو باطل کر دینا اور اس کا سبب صرف تسکینِ جذبات ہی ہوا کرتا ہے اور یہ سراسر ظلم ہے ایسے امر کا صدور کسی شریف لے بھی بعید ہے چہ جائیکہ معبودِ برحق سے اس کا صدور ہو۔

احباطِ اعمال

چونکہ اعمالِ صالحہ کی جزا کے متعلق قرآن مجید میں بار بار وعدہ ہو چکا ہے اور عدلِ خداوندی سے کسی کے اعمال کا ضائع کرنا بعید ہے۔ لہذا وہ آیات جن کا مضمون ضبطِ اعمال کی لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کی بناء پر یہ خطورِ ذہن میں پیدا ہونا لازمی ہے کہ عدل اور ضبط کیا یہ دو باتیں۔ آپس میں تلافی تو نہیں رکھتی تو اس اشکال کے جواب سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ ضبط اور ضبط دو جدا لفظیں ہیں۔ جن کے معانی جدا جدا ہیں۔ ضبط کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ایک چیز کا مستحق قرار دیتے ہوئے کسی اور معاملہ یا حق میں اس کو مانو قرار دیکر بطور تادان کے اس کے استحقاق کو باطل کر دینا اور اس کا سبب صرف تسکینِ جذبات ہی ہوا کرتا ہے اور یہ سراسر ظلم ہے ایسے امر کا صدور کسی شریف لے بھی بعید ہے چہ جائیکہ معبودِ برحق سے اس کا صدور ہو۔

حیض کا مطلب یہ ہے کہ عمل میں معاوضہ کا استحقاق ہی نہیں۔ یعنی وہ عمل صوری طور پر عمل ہے۔ اس میں معنویت ہی نہیں۔ جس کی بدولت اس میں کسی قسم کا استحقاق پیدا ہو۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) عمل میں وہ شرائط ملحوظ نہ رکھی گئی ہوں جو اس کی مقبولیت کا معیار تھیں۔

(۲) بوقت عمل شرائط متعینہ کا لحاظ ہو جن کی بدولت وہ عمل صحیح قرار دیا جائے۔ لیکن اس کی مقبولیت و استحقاق کی آخری شرط (یعنی خاتمہ کا ایمان سے ہونا) مفقود ہو جائے۔

پس اگر نمازی، نماز کو شرائط صحت کے ساتھ ادا کرے اور بالآخر اس کا خاتمہ بھی ایمان سے ہو تو اسوں کی نماز یقیناً موجب اجر ہے اور وہ شخص *فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ* کا مصداق ہے۔ اسی طرح باقی تمام اعمال صالحہ اگر اسی صورت سے ہوں تو ان کی جزا ضروری ہے اور کوئی دوسرا جرم ان کی جزا کو ضبط نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ضبط ظلم ہے پس ایسے شخص سے اپنی زندگی میں اگر کوئی عمل موجب مواخذہ سرزد ہو بھی جائے تو وہ اس کی سزا علیحدہ پائے گا اور سزا کی میعاد ختم ہو جانے پر اپنے اعمال صالحہ کی جزا کا وہ ضرور مستحق ہوگا۔

لیکن اگر اس کی نماز یا دیگر عبادات میں بوقت ادائیگی شرائط صحت ملحوظ نہ ہوں اور من جملہ شرائط صحت کے محبت و ولا راکل محمد بھی ہے۔ بسا کہ گزشتہ بیانات میں اس پر کافی بحث گذر چکی ہے یا بوقت ادائیگی شرائط صحت ملحوظ تھیں لیکن خاتمہ ایمان پر نہ رہا ہو۔ تو ان ہر دو صورتوں میں اس کے اعمال میں استحقاق جزا ہی نہیں رہتا جیسے حیض عمل سے تعبیر کیا گیا ہے پس جب اس قسم کے اعمال موجب جزا ہی نہیں تو ضبط جزا کا قصہ ہی ختم ہے گویا اس کے اعمال کا وجود کا عدم ہے نماز کا سرے سے بے وضو پڑھنا یا قبل سلام کے وضو توڑ دینا دونوں مساوی ہیں۔ اسی طرح روزہ میں شروع سے نیت فاسدہ رکھنا یا قبل از غروب خواہ ایک منٹ ہی پہلے ہو توڑ دینا برابر ہیں۔ و علی ہذا القیاس تمام عبادات پس ایسا ہی ابتداءً و لائے اہل بیت سے منحرف ہونا اور قبل از موت منحرف ہو جانا ہر دو صورتیں برابر ہیں اور ہر دو مطلقاً جمیع اعمال ہیں۔

اس مقام پر گزشتہ مثال حکومت کو مقام کی مزید توضیح کے لئے مد نظر فرمائیے کہ ہر شخص حکومت وقت کا دشمن و عداوت ہو خواہ ابتداءً ایسا ہو خواہ عرصہ دراز کے بعد ایسا ہو جائے۔ ہر دو صورتیں حکومت وقت کی طرف سے سخت ترین سزا کا مستوجب ہوا کرتا ہے اور اس کا یہ جرم قطعاً قابل عفو نہیں ہوتا۔ خواہ ظاہری طور پر وہ حکومت کے قوانین کا کتنا ہی احترام کرتا ہو پس جب بھی جرم مذکور میں گرفتار ہوگا۔ اس کی کسی دوسری خوبی کو سامنے نہ لایا جائے گا اور نہ وہ ان خوبیوں کو جتلا کر اپنا گناہ دھو سکے گا۔ بلکہ اس کی وہ تمام خوبیاں صرف ظاہری اور منافقت ہی پر محمول ہونگی۔ اب اس کی سزا محدود نہ ہوگی۔ تاکہ کسی وقت اس کو رہا کر کے دوبارہ اس کو اس قسم کی شرارتوں کا موقعہ دیا جائے۔ ایسی صورت میں اس کو رہا کرنا بھی حکومت کی دانائی کے سراسر خلاف ہے۔

لیکن بخلاف اس کے ہوشخص حکومت کا دل سے وفادار ہو لیکن جذباتِ نفسانیہ کے ماتحت اگر اس سے ہرکاتِ ناشائستہ کا صدور ہو جائے تو ایسا شخص اپنے جرم میں گرفتار ہو کر دفعاتِ حکومت کی رُو سے متعینہ سزا کا سزاوار ضرور ہوگا۔ لیکن اس کی سزا محدود ہوگی اور آخر کار رہائی کا مستحق ہوگا اور یہی عین مصلحت و عدالت ہے اور جرم کی حیثیت سے اس کو زیادہ سزا یا سب رکھنا عین ظلم ہوگا۔

پہلی صورت میں مجرم کا رہا کرنا انصافی اور دوسری صورت میں اس کو زیادہ دیر تک مبتلائے سزا رکھنا انصافی ہے پہلی صورت میں مجرم کی سزا کی تخفیف موجب خطرہ ہے اور دوسری صورت میں سزا کی تخفیف حکومت کی رحلی اور مجرم کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔ نیز دوسری صورت میں بعض مصالح کی بنا پر مجرم کا معاف کر دینا بھی ممکن ہے بشرطیکہ مجرم کا تعلق حکومتی حقوق سے ہو اور اگر رعایا کے حقوق سے اس کا تعلق ہوا تو پھر اس کی معافی صاحبِ حق کے حق کی تلافی یا اس کی معافی پر موقوف ہے۔

یہ مثال صرف مطلب کی وضاحت کے لئے ہے ورنہ انخروی جہاں سزا کا اس پر قطعاً قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ بعض اوقات حکومت ظاہر یہ میں پہلی قسم کے مجرم کو بھی توبہ کرنے اور وفاداری کا یقین دلانے پر رہا کر دیا جاتا ہے لیکن قیامت کی عدالتِ عالیہ الہیہ میں یہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ وہاں مجرم کا توبہ کرنا یا آئندہ کی وفاداری کی یقین دہانی کرنا ناممکن ہے یہ صورت تو صرف موت سے پہلے پہلے ہو سکتی تھی اور اس صورت میں اس کو یقینی طور پر معاف بھی کیا جاسکتا تھا لیکن اب موت کے آہنی شکنجہ میں گرفتار ہو جانے کے بعد نہ تو توبہ کا امکان ہے اور نہ اس کی رہائی کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے ہاں اگر اب کوئی خواہش کرے کہ دوبارہ مجھے دنیا میں بھیجا جائے تو اعمال سابقہ کی تلافی کرنا گا۔ جواب ملے گا۔ کَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا۔

اس مثال کے بعد آسانی سے اس نظریہ پر مبنی جاسکتا ہے کہ جو لوگ حکومتِ انبیاءِ اسلامیہ کے اصول یعنی توحیدِ نبوت، امامت یا ان میں سے کسی ایک عقیدہ کے باغی ہیں۔ ان کی تمام نیکیاں نہ قابل قبول ہیں اور نہ موجبِ ثواب۔ پس گرفتاری کے بعد ان کے لئے نہ امکانِ توبہ ہے نہ تخفیفِ عذاب بلکہ وہ جَوَّازُہُمْ خَالِدِينَ فِيهَا کے ہی مصداق ہیں لیکن بخلاف اس کے جو لوگ اصل حکومت کے موافق وفادار ہیں تو ان کی جزدی کوتاہیاں موجب سزا ضرور ہیں لیکن سزائے محدود نہ دائمی۔ اگر توحید و رسالت و امامت کے قائل و عارف سے ایسا گناہ سرزد ہو جائے جو تعزیراتِ شرعیہ کی رُو سے دائمی سزا کا موجب ہے تو اب تعارض پیدا ہو جائے گا۔ ایک طرف اس کے پاس نیکی موجود ہے جس کی جزدی سزا ہے کیونکہ وہ کسی صورت میں ضائع نہیں کی جاسکتی اور وہ ہیں عقائدِ حقہ اور دوسری طرف اس کی برائی بھی اس قسم کی ہے کہ اس کی سزا دائمی مقرر شدہ ہے اب اگر اس کے گناہ کی سزا دائمی ہو تو اس کی نیکی کی جزدی کا ضبط ہونا لازم آئے گا کیونکہ وہ نیکی بھی ہے اور جرم سے بھی مبرا ہے اور ضبطِ عدل خداوندی کے خلاف ہے۔

پس نتیجہ بحث یہ ہوا کہ اعمالِ صالحہ صحیحہ کا ضبط کرنا خلاف عدل ہے اور منکر توحید و نبوت و امامت کے اعمال کا ضبط ہونا عین عدل ہے۔ نیز عقائد حقہ کی صحت کی صورت میں تخفیف کا ہونا یا سزا کا سہرے سے معاف ہونا اس کا فضل و احسان ہے۔

بیان سابق سے یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ ولایتِ اہلِ محمدؐ خود اپنے مقام پر شفاعت کا کام کرتی ہے۔ یعنی ولایتِ اہلِ محمدؐ کے ساتھ جس قدر اعمالِ صالحہ انسان سے

مسئلہ شفاعت

ادا ہو سکیں وہ قطعاً ضائع تو ہر نہیں سکتے۔ پس ان کا ضبط نہ ہونا اور ان کی جزا کا ضروری قرار دیا جانا لازمی طور پر دخولِ جنت کا موجب ہے۔

پس دائمی عذاب تو قطعاً ہو نہیں سکتا کیونکہ اعمالِ صالحہ کی جزا کا ضبط ہونا لازم آتا ہے۔ جو منافی عدل خداوندی ہے۔ لہذا دائمی سزا کو تخفیف کر کے محدود تک لے آنا موتِ اہلِ محمدؐ ہی کا کام ہے اب اگر خدا چاہے تو پوری معافی بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ حقوق العباد نہ ہوں۔ ورنہ صاحبِ حق کی تلافی یا معافی پر اس کی بخشش کلی کا انحصار ہوگا۔

اور جناب رسالتؐ اور ان کے خلفائے طاہرین کو حق خصوصی یہ بھی حاصل ہے کہ وہ گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں اور وہ صرف انہی گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ جن پر بوجہ کفر و شرک و نفاق (انکار توحید و رسالت و امامت) دوامِ جہنم کی سزا واجب نہ ہوگی اور وہ صرف شیعیان حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہی ہیں چنانچہ ارشادِ سرکار رسالت ہے۔
يَا عَلِيُّ اَنْتَ وَشِيعَتُكَ هُمْ الْفَائِزُونَ اے علیؑ تو اور تیرے شیعی ہی نجات پانے والے ہیں۔ وَاللّٰمِنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

ولایتِ اہلِ محمدؐ علیہم السلام

چونکہ تعلیماتِ قرآن اور ان پر عمل کرنے کے بعد نعمتِ آخرت کا استحقاق اہلِ محمدؐ کی ولا پر ہی موقوف ہے۔ لہذا اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق چند احادیث ذکر کر دی جائیں۔ تاکہ طالبانِ حق کے لئے راستہ زیادہ سموار ہو جائے اور اہل بیت عصمت کے فرامین سے ایمان والوں کے دلوں میں نور معرفت اور زیادہ ہو جائے۔

مقدمہ تفسیرِ مرآة الانوار میں ریاض الجنان سے بروایت جابر جعفی منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اللہ تھا اور اس کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ پہلے پہل ذاتِ احدیت نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو اپنے نور سے خلق فرمایا ہم اللہ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ اس وقت نہ زمین تھی نہ آسمان، نہ مکان، نہ زمان، شب و روز اور نہ شمس و قمر (غرضیکہ کوئی اور شے نہ تھی) ہمارا مقام نور پروردگار کے سامنے ایسا تھا جیسے شعاع شمس شمس کے مقابلہ میں

لے یہ نظیر صرف سمجھانے کے لئے ہے ورنہ سورج اپنی شعاع کے لئے فاعل موجب ہے فاعل مختار نہیں۔ یعنی یہ شعاعیں سورج کے (اہلِ شیعہ ص ۲۴۹) ہیں

پس ہم اس کی تقدیس و تحمید و عبادت کرتے تھے جس طرح حق عبادت ہے پھر خدا نے مکان کو پیدا کیا اور اس پر
 لَدَالَةَ إِلَّا لِلَّهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيُّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَوَصِيئُهُ بِهِ آيَاتُ تَنبِيْهِ وَنَصْرَتُهُ كَالنَّقْشِ فَرَمَا۔ پھر عرش کو
 پیدا کیا اور اس کے سرواوقات پر اسی کلمہ طیبہ کا نقش کیا۔ پھر آسمانوں کو خلق فرما کر ان کے اطراف کو اسی پاک کلمہ کی تحریر سے
 مزین فرمایا۔ اس کے بعد ملائکہ کو پیدا کر کے ان کو آسمانوں میں سکونت دی اور ان پر اپنی ربوبیت اور حضرت محمد مصطفیٰ
 کی نبوت اور حضرت علیؑ کی ولایت کا اقرار پیش کیا ملائکہ کے جسم لطیف پر یہ سن کر لرزہ پیدا ہو گیا۔ بوجہ تاخیر جواب کے
 خداوند کریم نے ان سے اظہار عقاب کے طور پر ایک دقت کیلئے نظر رحمت اٹھالی۔ اس کے بعد سات برس تک
 ملائکہ عرش کا طواف کرتے رہے اور اللہ سے معافی طلب کرتے رہے جب انہوں نے اسی کلمہ طیبہ کا اقرار زبان پر
 جاری کیا تو خدا نے ان سے عقاب کو دور فرما کر اظہارِ رضا مندی فرمایا اور ان کو اپنی عبادت کے لئے چن لیا۔ پھر ہمارے
 انوار کو تسبیح کا حکم ہوا۔ پس ہمارے انوار نے تسبیح جاری کی تو ملائکہ نے سن کر تسبیح جاری کی۔ اگر ہمارے انوار کی تسبیح نہ
 ہوتی تو ملائکہ کو تسبیح و تقدیس کے ادا کرنے کا طریقہ معلوم نہ تھا۔ پھر خدا نے ہوا کو پیدا کیا اور اس پر کلمہ طیبہ (توحید و
 نبوت و ولایت) کا نقش فرمایا۔ پھر قوم جن کو پیدا کر کے ان کو ہوا میں سکونت دی اور ان سے اسی کلمہ طیبہ کے اقرار
 کو طلب کیا۔ چنانچہ ان میں سے اقرار کرنے والوں نے اقرار کیا اور انکار کرنے والوں نے انکار کر دیا اور ان میں سے پہلا
 انکار کرنے والا شخص ابلیس تھا۔ پس اس پر شقاوت (بدبختی) کی ہر لگ گئی۔ پھر خدا نے ہمارے انوار کو تسبیح کا حکم دیا چنانچہ
 ہمارے انوار نے تسبیح زبان پر جاری کی اور قوم جنات میں سے مومنین نے بھی تسبیح جاری کی۔ اگر ہماری تسبیح نہ ہوتی تو ان
 کو تسبیح کا پتہ نہ ہوتا۔ پھر خداوند کریم نے زمین کو پیدا کیا اور اس کی اطراف کو کلمہ توحید و نبوت و ولایت کی تحریر سے
 مزین فرمایا۔

اے جابر! انہی کلمات مقدسہ کی بدولت آسمان بغیر ستروں کے قائم ہیں اور زمین اپنے مقام پر ثابت ہے
 پھر خداوند کریم نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور اس میں رُوح کو پھونکا اور اس کی قرینت کو اس کی صلب سے عالم ذر
 میں جمع کر کے اپنی ربوبیت اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور حضرت علیؑ کی ولایت کا اقرار لیا۔

روایتی ماثیہ ص ۲۴ سے آگے) اختیار میں نہیں بلکہ وہ مجبور ہے وہ شاموں کو قطعاً نہیں روک سکتا لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ حضرت محمدؐ کو فخر کیلئے فاعل غفار ہے نیز سورج و چاند
 ہے شمع اس کے ساتھ ہے لیکن یہاں ایسا ہرگز نہیں ہے ایک حال میں خدا تعالیٰ نے اسے وہ قدیم ہے یہ ماثیہ میں وہ خالق ہے یہ مخلوق ہی پس یہاں تشبیہ سے مطلب ہے
 کہ جس طرح شمع شمس کی منظر ہے شمس کے وجود کی دلیل ہے اور اس کے فیض کی قاسم ہے اسی طرح یہ پاک ہستیاں اللہ کی منظر اور اس کے وجود
 کی برہان ماطع اور اس کے فیض قدس کے مخلوق تک پہنچانے کا وسیلہ ہیں مثلاً یہاں مکان سے مراد مطلق جائے قرار ہے (سنہ) ۱۱۰۰ برس کی تعبیر مجاز ہے
 کیونکہ روایات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ملائکہ کی تخلیق نظام شمسی کے قیام سے پہلے ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحقائق۔ حسین نے بخشہ عقی عنہ

کے ارعاص طاہرہ ہیں۔

نوٹ ۱۔ یہ حدیث اختصار کے پیش نظر مرادوی ترجمہ سے ذکر کی ہے۔

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ارشاد خدا فطرۃ اللہ الّتی فطّر النّاس علیہا میں فطرت سے مراد توحید و رسالت اور ولایت امیر المؤمنین علیؑ ہے۔

۳۔ نیز حضرت صادق آل محمد ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند کریم نے تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے قبل پورہ ہزار سال نور محمدی کو خلق فرمایا اور اس کے ساتھ بارہ حجاب پیدا کئے ان حجابوں سے مراد آئمہ طاہرین ہیں (مقدمہ تفسیر

تفسیر امام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تحقیق محمد و آل محمد کی ولایت انتہائی مقصود و مراد خداوندی ہے خدا نے جس قدر مخلوق پیدا کی ہے اور جتنے انبیاء مبعوث فرمائے ہیں وہ صرف اس لئے کہ باقی مخلوق کو حضرت محمد مصطفیٰ اور حضرت علیؑ اور ان کے جانشینوں کی ولایت کی طرف دعوت دیں اور ان سے عہد لیا کہ وہ خود بھی اس پر ثابت قدم رہیں اور اپنی امتوں کو بالعموم اس کی تعلیم دیں۔

امالی شیخ سے منقول ہے کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ ہماری ولایت اللہ کی ولایت ہے کوئی نبی اس کے بغیر مبعوث نہیں کیا گیا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں آیا جو ہماری معرفت نہ رکھتا ہو اور ہمیں غیروں سے افضل نہ مانتا ہو۔

حضرت ابو الحسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی ولایت تمام صحف انبیاء میں مکتوب ہے اور خدا نے حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت اور علیؑ کی ولایت کے بغیر کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام حسن علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے فضل کا انکار کرے تو گویا اس نے تورات، انجیل، زبور، صحف ابراہیم و موسیٰ اور تمام کتب سماویہ کو جھٹلایا۔ کیونکہ ان کتب میں سے کوئی کتاب ایسی نہیں آئی جس میں اقرار توحید اور استمرار نبوت کے بعد حضرت علیؑ

۴۔ عن تفسیر الامامؑ انه قال ان ولایتهم و آل محمد ہی الفرض الاقضى والامر الا فضل ما خلق الله احدًا من خلقه ولا بعث احدًا من رساله الا لیدعوهم الی ولایة محمد صلی الله علیه و آله وسلم و علی و خلفائہ و یاخذ علیہم العہد لیقیموا علیہ و لیعلموا بیہ سید عوام الامم و الخب

۵۔ عن امالی الشیخ عن الصادق قال ولایتنا ولایة الله الّتی لمریبعث بنی قطلابہا ۶۔ عن الکافی عن الصادق ما من نبی جاء قط الا بعرفة حقنا و تفضیلنا علی من سوانا ۷۔ عنہ ایضاً عن ابی الحسن قال ولایة علی مکتوبہ فی جمیع صحف الانبیاء و المریبعث الله رسولا الی بنیة محمد و ولایة علیؑ

۸۔ عن تفسیر العیاشی عن الحسن بن علی انہ قال من دفع فضل امیر المؤمنین فقد کذب بالتوراة و الانجیل و الزبور و صحف ابراہیم و موسیٰ و ساکن کتابہ المنزلة فانه ما نزل شیئاً منها الا و اهد ما فیہ بعد الا قرآن

کرنا اور عیسیٰ کو عالمین کے لئے معجزہ بنا کر میری نبوت اور میرے بعد علیؑ کے اقرار کی وجہ سے تھا اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ہماری معرفت اور ہماری ولایت کے اقرار کے بغیر کوئی نبی، نبی نہیں بنا سکا۔ اور کوئی مخلوق خدا کی نظر رحمت کی مستحق نہیں ہوتی مگر اسکی برودت اور میرے بعد علیؑ کی ولایت کے اقرار کے ساتھ میں برودت جامع برزخنی سلیمان بن خالد کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپ نے فرمایا، کوئی نبی، کوئی بشر، کوئی جن وانس و ملک خواہ زمین میں خواہ آسمان میں ایسا نہیں جس پر ہم حجت خدا نہ ہوں اور خداوند کریم نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جس پر ہماری ولایت کو پیش نہ کیا گیا ہو پس جو مومن برے وہ بھی ہماری وجہ سے اور جو کافر و منکر ہوئے وہ بھی ہمارے بغض کے سبب سے ہوئے۔ حتیٰ کہ آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں کا بھی یہی حال ہے۔

مناقب بن شہر آشوب سے منقول ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ حضرت امیر المومنین سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ تحقیق اللہ سبحانہ نے میری امامت و ولایت کو پرندوں پر پیش فرمایا۔ پس سب سے پہلے سفید بازوں اور قمریوں نے قبول کیا اور بوم اور عنقا نے انکار کیا۔ پس پرندوں میں سے ان دونوں پر خدا نے لعنت کی۔ لیکن بوم۔ پس وہ تو دن میں پرواز نہیں کر سکتا کیونکہ باقی پرندے اس کو مبعوض جانتے ہیں اور عنقا، پس وہ سمزدوں میں غائب ہو کر لاپتہ ہو گئی ہے اور تحقیق اللہ نے میری ولایت کو زمین پر پیش کیا۔ پس جو بقیعہ میری ولایت پر ایمان لایا۔ خدا نے اس کو پاکیزہ قرار دیا اور اس کی انگری اور مہل کو میٹھا اور شیریں بنایا اور اس کے پانی کو خوشگوار بنایا اور جس بقیعہ نے میری امامت کا انکار کیا اور میری ولایت کو ترک کیا۔ خدا نے اس کو زمین شور بنایا۔ اور اس کی انگری کو تلخ اور

عیسیٰ آیت للعالمین الا بنوقی والا قسرا
لعلى من بعدی والذی نفسی بیدہ
ما تنباء نبی قط الا بمعرفتی واولادہ ولہنا
بالولایہ ولا استاہل خلق من اللہ النظر
الا بالعبودیۃ لہ والا قسرا لعلى بعدی
راہ عن السرائر عن جامع البرزخنی عن سلیمان
بن خالد قال سمعت ابا عبد اللہ یقول ما
من نبی ولا من آدمی ولا من انسی
ولا جنی ولا ملک فی السموات والارض الا
ونحن الحجج علیہم وما خلق اللہ خلقا
الا وقد عرض ولا یتنا علیہ واحتج بنا
علیہ فمومن بنا وکافر جاحد حتی السموات
والارض والجبال

راہ عن مناقب بن شہر آشوب عن محمد بن
الحنفیا عن امیر المومنین فی حدیث قال
ان اللہ عرض ولایتی وامانتی علی الطیور
فاول من آمن بہا البزاة البیض والقنابر
اول من حجدها البوم والعنقا فلعنہما
اللہ من بین الطیور فاما البوم فلا تقدر
تطیر بالنهار لبغض الطیر لہا واما العنقا
فغابت فی البحار لا تری وان اللہ عرض
امانتی علی الارض فکل بقعة آمنت
بولایتی جعلہا طیبۃ نرکیۃ وجعل
نباتہا وثمرہا حلوا عذبا وجعل ما ثمرہا
نملا ولا وکل بقعة حجدها امامتی وانکرتہا

نے فرمایا کہ جب مجھے معراج آسمانی کرائی گئی۔ میرا گزر جبریل کے ہمراہ چوتھے آسمان سے ہوا پس میں نے وہاں یاقوتِ احمر کا ایک محل دیکھا تو جبریل نے کہا کہ یہ بیت المعمور ہے۔ یہاں ٹھیکر اس کی طرف رخ پھیر کر نماز پڑھئے۔ پس حضور فرماتے ہیں۔ کہ خدا نے تمام انبیاء کو جمع کیا اور انہوں نے میرے پیچھے صف بنا دھی پس میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ جب سلام پڑھا۔ تو فرشتہ اللہ کی طرف سے آئینچا۔ پس کہا۔ اے محمد! خدا بعد تحفہ سلام کے فرماتا ہے کہ رسولوں سے سوال کیجئے کہ میں نے ان کو کس شرط پر مبعوث کیا۔ پس میں نے پوچھا۔ اے گروہ انبیاء تم کو خدا نے کس شرط پر مبعوث کیا۔ پس رسولوں نے جواب دیا کہ تمہری نبوت

اور علی بن ابی طالب کی ولایت کے اقرار پر وہم مبعوث ہوئے) علامہ علی نے اس حدیث کو ابن عبدالبر اور ابی نعیم سے بھی نقل کیا ہے تفسیر قمی اور بصائر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے العبتہ آسمان میں اللہ کے فرشتے زمین میں مٹی کے ذرات سے زیادہ ہیں۔ آسمان میں کوئی قدم رکھنے کی ایسی جگہ نہیں۔ جہاں ایک فرشتہ مشغول تسبیح و تقدیس نہ ہو اور زمین پر کوئی انگوڑی یا کوئی ڈھیلا ایسا نہیں۔ جہاں ایک فرشتہ موکل موجود نہ ہو اور ان میں سے ہر ایک ہر دن اللہ کی بارگاہ میں محبت اہل بیت کو ذریعہ قرب قرار دیکر مذاہبات کرتے ہیں اور ہمارے محبوں کے لئے استغفار اور ہمارے دشمنوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔

۱۷۔ بحار الانوار ج ۱ ص ۱۱۱۔ جناب رسالت مآب نے ارشاد فرمایا کہ جس کا قرآن پر ایمان نہیں اس کا قرآن پر بھی ایمان نہیں کیونکہ ان میں سے ایک پر ایمان لانا بغیر دوسرے کے قابل قبول نہیں ہے۔ اسی طرح ولایت علی پر ایمان لانا ایسا ہی فرض ہے۔ جس طرح نبوت محمد پر ایمان لانا فرض ہے۔ پس جو نبوت محمد پر ایمان لائے اور ولایت علی کا منکر ہو پس اس کا نبوت پر کوئی ایمان نہیں۔

رسول الله لما خرج بي الى السماء انتهي بي السير مع جبريل الى السماء الرابعة فراءت بيتا من ياقوت احمر فقال جبريل هذا البيت المعمور اقم يا محمد فصل اليه قال النبي اجمع الله الثمين فصفا ورائي صفا فصليت به فلما سلمت انا الى آت من عند ربي فقال يا محمد ربك يقرئك السلام ويقبلك سل الرسل على ما امرتهم من قبلك فقلت معاشر الرسل ا على ماذا بعثكم ربكم قبلي ففالت الرسل على نبوتك وولاية علي بن ابی طالب الخبر

نقل العلامة هذا الحديث عن ابن عبد البر ابی نعیم وفي تفسیر القمى والبصائر عن الصادق قال والذی نفسی بیدہ لیس الا نکلته الله فی السموات اکثر من عدد التراب فی الارض وما فی السماء موضع قدم الا وفيها ملك یسبحه ویقدها سما ولا فی الارض شیء ولا مدس الا وفيها ملك موکل بها وما منهم احد الا یتقرب کل یوم الى الله یولایتکم اهل البیت یتغفی لہم جینا ویلعن اعدائنا۔

چنانچہ آپ نے فرمایا کہ بروز مشرب منق سے ایران کا سوال ہوگا۔ تو پہلے مذاہب کلمہ تو حمید کی صدا بلند کرے گا۔ پس نام موصیہ کلمہ زبان پر جاری کریں گے اس کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کی شہادت (اشہد ان محمدا رسول اللہ) کی صدا بلند کرے گا۔ پس تمام مسلمان یہ کلمہ زبان پر جاری کریں گے۔ اس کے بعد عرصہ عشر سے کوئی کہنے والا کہے گا کہ ان کو جنت میں لے جاؤ۔ کیونکہ نبوت ختم کا اقرار زبان سے ان لوگوں نے جاری کر دیا ہے تو اللہ کی عزت سے ندا آئے گی:-

قفوہم انہم مسکونون۔ ان کو ابھی روکو کہ ان سے سوال ہوا ہے پس عرض کیا جائے گا کہ یہ لوگ حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت کی شہادت دے چکے ہیں۔ اب ان کو مزید کیوں روکا جا رہا ہے؟ تو ارشاد قدرت ہوگا۔ قفوہم انہم مسکونون عن ولایت علی بن ابی طالب ان کو روکو کیونکہ ان سے ابھی ولایت علی بن ابی طالب کا سوال اتنی ہے۔ لے میرے عباد (طالبان) میں نے ان لوگوں کو حضرت محمد کی نبوت کے ساتھ ایک اور چیز کی شہادت کا حکم بھی دیا تھا (ولایت علی بن ابی طالب) اگر بجالائیں تو لائق الکریم و اعزاز ہیں۔ ورنہ ان کو نہ مصطفیٰ کی نبوت کی شہادت فائدہ مند ہے اور نہ میری ربوبیت کا اقرار مفید ہے پس ولایت کا اقرار کرنے والے کامیاب ہوں گے اور انکار کرنے والے ہلاک ہوں گے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو کہہ دیں گے کہ ہم ولایت علی کے قائل اور آل محمد کے حسب حقہ۔ حالانکہ وہ جھوٹے ہوں گے اور ان کا یہ خیال ہوگا کہ ہم اس جھوٹ کی وجہ سے بچ جائیں گے پس حضرت علی فرمائیں گے کہ جنت میرے اولیاء کی خود گواہی دیگی۔ اور جہنم میرے دشمنوں کو خود پہچان لے گی۔ پس جنت سے ایک ہوا ہوا ہر آئے گی اور وہی نسیم جنت علی کے دوستوں کو اٹھا کر خود علی جنت میں پہنچا دے گی اور جہنم سے شیعے بلند ہوں گے جو دشمن علی کو اپنی پیٹ میں لے کر داخل نار کریں گے۔ پس جناب راتنا ب نے فرمایا۔ یا علی تو اسی طرح قسم جنت و نار ہے تو دوزخ سے کہے گا کہ وہ تیرا ہے اور یہ میرا ہے۔ اس قصوں کی احادیث بخیرت ہیں اس مقام پر اسی قدر کافی ہے۔ یہ باختلاف الفاظ جلد ۱ ص ۱۲۳ پر ملاحظہ ہو۔

اللهم صل علی محمد وآل محمد وعجل فرجهم وسهل مخرجهم واهلك اعدائهم واجعلنا من المتسکین ببلادهم یا رب العالمین

مسئلہ تفویض

بعض جہلاد لوگ آئمہ معصومین علیہم السلام کے کمالات کی تاب برداشت نہ لاکر ان کے بعض کلمات سے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ان کو خالق و رازق کہہ دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ شان اقدس اہل بیت میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے جو لوگوں نے اہل بیت عصمت کی خصوصیات کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔ انہوں نے ان کو آپ جیسا عام انسان تصور کر لیا اور ان کی جانب سے مافوق العادہ ماورشدہ امور کی تاویلین تلاش کر لیں۔ رادر بعض اوقات متعلقہ روایات کو ضعف کی

ان لوگوں سے اظہارِ برکت کرتا ہوں جو ہماری طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کو ہم اپنے وجود میں نہیں پاتے۔ اے اللہ! خلق و امر کا مالک صرف تو ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اے اللہ! تو ہمارا معجزہ والا ہے اور ہمارے آباء و اولاد تین و آخرین کا بھی خالق ہے۔ اے اللہ! ربوبیت تیری ذات کو زیبا ہے اور خدائی تیرے لئے ہی موزوں ہے۔

لعنت ہے انہی لوگوں پر جنہوں نے تیری عظمت کو گھٹایا اور لعنت ان لوگوں پر جو ان جہنمی باتیں کریں۔

اے اللہ! ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کے لئے نفع و نقصان اور موت و حیات کے مالک نہیں۔ اے اللہ! جو ہم کو نالوم و رازق سمجھے ہم تیری طرف اس سے بری ہیں جس طرح کہ حضرت عیسیٰ نصرانیوں سے بری ہیں۔ اے اللہ! ہم نے ان لوگوں کو اس عقیدہ فاسدہ کی دعوت نہیں دی، لہذا ان کے قول فاسدہ کی گرفت میں ہم کو نہ لانا تیرا راز ہے۔ اے اللہ! ہم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ایک شخص عبد اللہ بن سبا کی اولاد میں سے آپ کے متعلق تفویض کا تامل ہے۔ آپ نے فرمایا: تفویض کا کیا مطلب؟ میں نے عرض کی وہ کہتا ہے کہ خدا نے حضرت محمد مصطفیٰ اور حضرت علی مرتضیٰ کو پیدا کیا اور پھر سب کچھ ان کے سپرد کر دیا پس باقی سب مخلوق کو ان دونوں نے پیدا کیا اور یہی ان کو بلاتے اور راتے ہیں اور یہی رزق دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس دشمن خدا نے صورت کہا ہے جب دوبارہ تو اس سے نئے تو یہ آیت اس کو پڑھ کر سنا جو کہ سورہ رعد میں ہے اَمْ جَعَلُوا اللّٰهَ شُرَكَاءَ خَلَقُوا الْخَلْقَ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ کیا ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا لئے کہ وہ اسی کی طرح خلق کر سکتے ہیں پس ان پر معاملہ خلق متشابہ ہو گیا ہے۔ کہہ دو کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق اور وہ واحد و قہار ہے) مقصد یہ تھا کہ اس آیت کی دُور سے خدا کے ہر کسی کو خالق ماننا شرک ہے۔

مقدمہ تفسیر میں احتجاجِ طبری سے منقول ہے کہ ایک دفعہ تفویض کے مسئلہ میں شیعوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ایک گروہ کہتا تھا کہ اللہ نے اُمّہ کو طاعت دی ہے کہ یہ پیدا بھی کرتے ہیں اور رزق بھی دیتے ہیں اور یہ معاملہ انہی کے سپرد ہے اور دوسرا گروہ اس عقیدہ کی تردید کرتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ چیز محالات میں سے ہے کیونکہ اجسام سوائے اللہ کے کوئی پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ پس ان دونوں گروہوں کی رائے یہ ٹھہری کہ محمد بن عثمان (نائب امام) کی طرف رجوع کیا جائے پس ان دونوں گروہوں نے نائب مذکور کی وساطت سے حضرت حجت عجل کی خدمت میں عرض کیا۔ پس حضرت حجت علیہ السلام کی جانب سے یہ جواب صادر ہوا۔

تحقیق اللہ تعالیٰ تمام اجسام کا خالق ہے اور رزقوں کے تقسیم کرنے والا ہے کیونکہ نہ وہ جسم ہے اور نہ جسموں میں حلول کرنے والا ہے اس کی مثل کوئی شے نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

ان اللہ تعالیٰ هو خلق الاجسام كلها وقسم الاما زاق لانہ لیس بجسم ولا حال فی جسم لیس کمثلہ شئی وهو السميع

البصیر فاما الائمة فانهم یسئلون
الله فیخلق ویسئلونہ فینما ینزل
لیسئلہم و اعظاما لحقہم

لیکن ائمہ علیہم السلام پس وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں اور وہ پیدا کرتا ہے اور یہ سوال کرتے ہیں اور وہ رزق دیتا ہے ان کی دعاؤں کو مستجاب کرتے ہوئے اور ان کے حق کی عظمت کو بڑھاتے ہوئے۔

نیز روضۃ الواعظین سے منقول ہے۔ ایک شخص کامل بن ابراہیم کہتا ہے کہ میں حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ مسئلہ تنزیہ کے متعلق دریافت کروں پس میں خدمت اقدس میں پہنچ کر سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک مہر جیسی نور دس سال بچہ جس کی عمر چار سال کے لگ بھگ تھی میرے قریب آیا اور پھر فرمایا اے کامل تو ولی اللہ اور حجۃ اللہ کے پاس مفوضہ کے بارے میں کچھ دریافت کرنے کے لئے آیا ہے وہ تو جھوٹے ہیں بلکہ ہمارے دل اللہ کی مشیت کے طرف ہیں چنانچہ فرماتا ہے۔ وَ مَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ

پس ان احادیث سے بھی صاف طور پر واضح ہو گیا کہ خالق، رازق، حئی، سمیت صرف اللہ سبحانہ کی ذات ہی ہے اور اس کی مخلوق میں سے کوئی شخص ان صفات میں اس کا شریک نہیں بلکہ اہلبیت اطہار کی طرف ان اوصاف کا منسوب کرنا شرک و کفر ہے اور اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے لوگوں سے ائمہ اہلبیت بری دبزار ہیں۔

البتہ حضرات محمد و آل محمد مقصود کائنات ہیں اور اللہ کی طرف رسائی کے لئے مخلوق کا وسیلہ ہیں۔ نیز اگر یہ پیدا نہ ہوتے تو نہ خلق ہوتی اور نہ رزق ہوتا۔ پس بارگاہ رب العزت میں رسائی انہی کے ذریعہ سے ہے اور استجاب دعا انہی کے توسط سے ہوتی ہے نیز یہ بھی واضح رہے کہ ائمہ اہلبیت کی شان و منزلت جو اللہ کے نزدیک ہے ہمارے ناقص عقول اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کے مراتب کی حقیقت یا خدا جانے یا محمد مصطفیٰ جانے۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ہر صفت کمال میں جہاں تک امکانات بشریہ کا تعلق ہے ائمہ طاہرین اس کی آخری حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔

پس بے جا نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ رضائے خدا ان کے پیچھے ہے اور حق ان کے تابع ہے یعنی ان کے پیچھے چلنے والا ہی حق بجانب ہوتا ہے اور اسی کو ہی رضائے خدا حاصل ہو سکتی ہے اور بس

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ رضائے خدا کے آگے اور حق سے بڑھے ہوئے ہیں یا یہ کہ خدا ان کا محتاج ہے کیونکہ یہ عقیدہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے ہر ایک کو خدا کی طرف احتیاج ہے اور خدا کسی کا محتاج نہیں پس آل محمد جس طرف چلتے ہیں حق ان کے پیش نگاہ ہوتا ہے اور رضائے خدا مطمح نظر ہوا کرتی ہے وہ حق کی طرف اور رضائے خدا کی جانب ہی اقدام کرتے ہیں پس وہ حق کے تابع اور رضائے خدا کے پیچھے ہی ہیں۔

البتہ جب عام لوگوں کے سامنے حق و باطل کے درمیان اشتباہ پڑ جائے اور رضا و غضب کے مسلک میں التباس ہو جائے اور چاہیں کہ حق بل جائے اور رضائے خدا دستیاب ہوتو ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ محمد و آل محمد کی سیرت کا مطالعہ کریں اور ان کے کردار کا جائزہ لیں پس جس طرف ان کا عمل ہوگا ماننا چاہئے گا کہ حق اسی طرف ہے اور رضائے خدا

سہی اسی جانب ہے کیونکہ آل محمد کا عمل حق درصا کے پیچھے ہی ہوا کرتا ہے۔

پس آل محمد کا حقیقی شیعہ و موالی وہی ہے جس کا کردار آل محمد کے کردار کے پیچھے اور عمل آل محمد کے عمل کے تابع ہو۔ گذشتہ عنوانات میں شیعیان و محبان آل محمد کے متعلق جس قدر فضائل گذر چکے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے حق میں ہیں جو ولایت آل محمد کے ساتھ ساتھ اطاعت آل محمد بھی رکھتے ہوں۔ جیسا کہ اکثر احادیث کا سرچھی مضمون یہی ہے۔ ورنہ صرف زبان سے دعویٰ کر کے عملی طور پر ان کے خلاف کرنا قطعاً فائدہ مند نہیں ہے۔ خداوند کریم تمام محبان آل محمد کو توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین۔

والحمد لله رب العلمین وصلی الله علی محمد وآلہ الطاہرین

حرف آخر

بھرا اللہ باوجود نامساعد حالات اور انتہائی عدیم الفرستی کے اس مقدمہ میں جن خیالات کا اظہار کرنا چاہتا تھا اس سے فارغ ہو گیا ہوں خداوند کریم سے دست بدعا ہوں کہ بطفیل محمد و آل محمد مجھے اپنے اس مقصد خیر بلکہ جمیع مقاصد حقہ میں کامرانی عطا فرمائے اور میرے والدین کا سایہ میرے سر پر تادیر سلامت رکھے جن کی دعاؤں سے میں ان خدات کے بجالانے کا اہل ہوا ہوں اور خداوند کریم ان کو اس کار خیر کا اجر جزیل عطا فرمائے اور قارئین کرام سے استدعا ہے کہ ہمارے حق میں دعا کریں کہ خداوند کریم اس مرحلہ میں توفیق تمام مرحمت فرمائے۔

آج تاریخ ۵ ذوالقعدہ الحرام ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۹۵۹ء بروز جمعرات تقریباً ۱۰ بجے صبح اس مقدمہ کی تکمیل سے فارغ ہوا ہوں اور اس کے بعد پارہ اولیٰ کی تفسیر کا کام شروع کر دوں گا۔ اگر قوم نے توجہ کی اور مالی رد کا وہیں حائل نہ ہوئیں تو انشاء اللہ ہر دو ماہ بعد ایک پارہ کی تفسیر چھپ کر منظر عام پر آتی ہے گی۔

تفسیر قرآن میں الفاظ کا حل آیات کا سلیس با محاورہ اردو ترجمہ شان نزول، اقوال مفسرین، اقوال ائمہ، تفسیر باطنی وضاحت عقائد، مخالف اعتراض کا جواب، مناسب مقامات پر فقہی نقطہ نظر سے جزئیات مسئلہ کا بیان وغیرہ امور کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا اور یہ سب کچھ اللہ سبحانہ کی توفیق مزید اور محمد و آل محمد کی غیبی تائید سے ہو سکتا ہے۔

وهو الموفق والمعین وهو حسبی ونعم الوکیل۔

چہل حدیث

جناب رسالت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بطور وصیت کے ارشاد فرمایا: یا علی! میری امت میں سے جو شخص خوشنودی خدا کے لئے چالیس حدیثیں یاد کر لے تو قیامت کے روز انبیاء صدیقین شہداء و صالحین کے ساتھ مشور ہوگا۔ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ! بیان فرمائیے کہ آپ نے چالیس حدیثیں بیان فرمائیں۔

① اللہ پر ایمان لاؤ ہو واحد و لا شریک ہے اس کی عبادت کرو اور غیر کی عبادت نہ کرو۔
 ② صبح و صبح کے بعد نماز کو اپنے صبح وقت میں ادا کرو کیونکہ بلا وجہ اس کو وقت سے ٹال کر پڑھنا اللہ کی ناراضگی کا موجب ہے۔

③ زکوٰۃ دہ جبہ کو ادا کیا کرو۔

④ ماہ رمضان میں روزے رکھا کرو۔

⑤ اگر صاحب مال و استطاعت ہو تو حج بیت اللہ ادا کرو۔

⑥ اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو۔

⑦ ازراہ ظلم کسی یتیم کا مال نہ کھاؤ۔

⑧ سود خوری نہ کرو۔

⑨ شراب نوشی نہ کرو بلکہ کسی نشہ آور پانی کا استعمال نہ کرو۔

⑩ زنا و لواطہ نہ کرو۔

⑪ چغلی خوری نہ کرو۔

⑫ اللہ کی جھوٹی قسم نہ کھاؤ۔

⑬ چوری نہ کرو۔

⑭ جھوٹی گواہی نہ دو۔ کسی کے حق میں خواہ اپنا ہو یا بیگانہ۔

⑮ حق کو قبول کرو۔ خواہ بیان کرنے والا چھوٹا ہو یا بڑا۔

⑯ ظالم کی طرف نہ جھکو خواہ اپنا قریبی ہی کیوں نہ ہو۔

طرف منسوب کر دیا اور جن لوگوں نے اہل بیت کی فرمائشات اور ان سے صادر شدہ کمالات کو تسلیم و رضا کی نگاہ سے دیکھا۔ وہ بعض اوقات، دوسری طرف اصول مذہب اور دیگر تصریحات قرآن و حدیث سے غافل ہو گئے۔ پس تطبیق پر موقوف نہ ہو سکنے کی وجہ سے جاہد مستقیم سے ہٹ گئے اور اہل بیت عصمت کو خالق و رازق کہہ کر دامن توحید سے الگ ہو کر شرک کی وادی میں جا گروے۔

حالانکہ اہل بیت عصمت کے حق میں نہ وہ بات درست تھی نہ یہ درست ہے وہ تفریط تھی اور یہ افراط ہے۔ قرآن مجید میں متعدد آیات بن میں خلق و رزق کا مسئلہ واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور غیر مبہم الفاظ میں ذات احدیت نے خالقیت اور رازقیت کا اپنی ذات میں صبر فرمایا ہے جن میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اور حضرات محمد و آل محمد ہی چونکہ مقصد تخلیق کائنات میں جس طرح گذشتہ صفحات میں مضمون احادیث گزر چکا ہے اور حدیث قدسی مشہور **اُولَٰئِكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاُولَٰئِكَ** کے حقیقی مصداق بھی یہی ہیں تو گویا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ نہ ہوتے تو باقی مخلوقات میں سے کچھ نہ ہوتا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ محمد و آل محمد پر خلاق عالم کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کو اس عظیم مرتبہ پر نازل فرمایا اور اپنے اختیار سے ہی ایسا کیا۔ وہ مقصد کائنات ہیں اور مصداق لولاک ہیں۔ لیکن خدا کا ہی احسان ہے کہ اس نے ان کو اس عظمت کا حامل اور اس شان کا اہل قرار دیا۔ یہ اس کا ان پر فضل و احسان ہی ہے ورنہ ایسا کرنا اس پر واجب نہیں تھا کیونکہ اگر نہ کرتا تو اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہ تھا۔ پس جب وہ مقصد وغایت خلقت کائنات ہیں تو باقی تمام مخلوق کا وجود خلق و رزق انہی کے صدقہ سے ہے اور یہ کہنا بجائے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ ہم موجود ہوتے نہ مخلوق ہوتے اور نہ مرزوق ہوتے۔ خداوند کریم نے اپنے لطف و کرم سے ان کو اپنے اور باقی مخلوقات کے درمیان واسطہ و وسیلہ قرار دیا ہے۔ ورنہ موجب بھی وہی ہے اور خالق و رازق بھی وہی ہے جس طرح اس نے ان کو پیدا کیا اس طرح ہم کو اور ساری مخلوق کو بھی اس نے ہی پیدا کیا ہے۔ وہ ان کا بھی رازق ہے اور ہمارا بھی رازق ہے لیکن اتنی باختر ہے کہ اگر وہ نہ پیدا ہوتے تو ہم نہ ہوتے ہمارا وجود خلق و رزق سب انہی کی مسببت و واسطت سے ہے پس اگر ان کو خالق و رازق کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ چونکہ واسطہ ہیں۔ لہذا نسبت مجازاً ان کی طرف کی گئی ہے تو یہ کفر نہیں ہے لیکن آئمہ پر ان الفاظ کا اطلاق اذن شارح کا محتاج ہے اور اگر مطلب یہ ہو کہ وہ حقیقاً خالق و رازق ہیں یہ عقلاً باطل ہے اور اس عقیدہ کا رکھنا کفر ہے۔

پس اگر احادیث آئمہ میں ایسے الفاظ وارد ہوں جن سے خلق و رزق کا ان کی طرف منسوب ہونا ثابت ہو تو بجائے اس کے کہ اس کو رد کیا جائے! اس کو سببی بر حقیقت قرار دیکر دامن توحید سے دست کشی کی جائے اس کا صحیح حل یہ ہے کہ ان کو واسطہ فی الخلق اور واسطہ فی الرزق قرار دے کر نسبت کو مجازیت پر حمل کر لیا جائے۔ اس کی عام فہم مثال یوں ہے کہ اگر ایک شریف انسان اپنے نوکروں کو سہرا لے کر کسی دوسرے شریف کا مہمان ہو اور میزبان اس کے لئے کھانا کھانے

لائے تو اس کے بعد دسترخوان پر جملہ حاضر ہونے والے جہازوں کو کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں میں نے کھلا یا ہے اور اگر اس کے نوکر کہہ دیں کہ ہمیں اپنے آقا نے یہ کھانے کھلانے میں تو یہ بھی بے جا نہیں۔ حالانکہ حقیقتاً یہ انتظام و انتظام ہوتا میرزا ان کی طرف سے ہی ہے اور وہ شریفانہ جہاز چونکہ سب کے لئے واسطہ ہے لہذا اس کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور اگر میرزا ان کے کازوں تک یہ بات پہنچ جائے تو وہ بھی اسے کہہ کر برا نہیں مانا کیونکہ اس نے سب کچھ کیا ہی اسی ایک جہان کی خاطر ہوتا ہے لیکن اگر اس نسبت کو مبنی بر حقیقت قرار دیا جائے تو یقیناً کذب صریح بلکہ بہتان عظیم ہے پس بعض جہاد جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ خداوند کریم محمد و آل محمد کو پیدا کرنے کے بعد بالکل بے کار اور معطل سا ہو گیا ہے۔ اور یہی جو چلستہ میں خود کرتے ہیں وہ بحیثیت تماشائی کے دیکھ رہا ہے اور سب کچھ ان کے حوالہ کر چکا ہے۔ لہذا ان کے معاملات میں اس کو کوئی دخل نہیں کا اختیار نہیں، خلق، رزق، زندگی و موت وغیرہ کا انتظام سب انہی کے ہاتھ میں ہے اور یہ بھی عقیدتاً نہ مجازاً ایسا عقیدہ رکھنا شرک و کفر ہے (خداوند کریم جملہ مومنین کو اس سے محفوظ رکھے۔)

عقلی طور پر ان کو خالق و رازق ماننے پر متعدد اشکالات وارد ہوتے ہیں۔

- ۱۔ اگر یہ خالق ہوں تو جملہ مخلوق میں سے ان کے آئین عبدالمنون بن لہم، شمر وغیرہ سب ان کی مخلوق ہوں گے تو کونسی عقل یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ ادنیٰ ترین مخلوق اپنے خالق کو قتل کر دینے پر قادر ہو جائے۔
- ۲۔ اگر یہ خالق و رازق ہوں تو فذک تھا رزق اور اس پر ایسا قبضہ کرنے والے تھے مخلوق و مرزوق تو کیا رازق کی شان یہی ہے کہ اپنے ادنیٰ ترین مخلوق و مرزوق سے رزق کا سوال کرے؟
- ۳۔ اگر یہ خالق ہوں تو ان کی مظلومیت کا رونا قیامت تک کس لئے ہے؟ کیا مخلوق خالق پر ظلم کر سکتی ہے۔
- ۴۔ کہ بلا کی سہ روزہ صوبک و پیاس کا رونا کس لئے ہے؟ کیا مخلوق نے اپنے خالق کا تین دن تک رزق بند کر دیا تھا؟
- ۵۔ اگر حضرت علیؑ مثلاً خالق ہوں تو ان کے والدین حضرت ابوطالب اور حضرت فاطمہ بنت اسدی ان سے پہلے تھے اور تم و خواتم ابداً انہما ان کی مخلوق ہوں تو کیا مخلوق کی پشت یا بطن سے ناتہ پیدا ہو سکتا ہے؟
- ۶۔ آئمہ معصومہ کی اولادیں بلا واسطہ یا بالواسطہ تا قیامت بھی یقیناً مخلوق ہیں تو کیا خالق کو مخلوق کے پیدا کرنے کیلئے شادی کی ضرورت ہے۔ بہر کیف اس فاسد عقیدہ سے متعدد اس قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

شیخ صدوق قدس سرہ عقائد میں تحریر فرماتے ہیں کہ مفوضہ اور غالیوں کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کافر ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ و مجوس سے بھی بدتر ہیں چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے اللہ میں تیری طرف توکل و قوت سے برأت چاہتا ہوں کیونکہ توکل و قوت کا مالک صرف تو ہی ہے میرے اللہ! میں تیری طرف

لئے یعنی جو لوگ میری طرف منسوب کرتے ہیں میں ان سے اور ان کے اس عقیدہ سے بری ہوں۔ منہ

- ۱۶) خواہش نفس کے لئے عمل نہ کرو۔
- ۱۷) کسی پاکدامن (نکاح والی عورت) کو زنا کی تہمت نہ دو۔
- ۱۸) ریاکاری نہ کرو کیونکہ کم از کم ریاکاری بھی اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے برابر ہے۔
- ۱۹) کسی پست تد کو اچھوٹے۔ اور کسی بڑی قدر کے کو ادب سے لگنے بلاؤ کیونکہ یہ عیب جوئی ہے اور خلق خدا سے مسخری نہ کرو۔
- ۲۰) بلاد اور مصیبت پر صبر کرو۔
- ۲۱) اللہ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں ان کا شکر ادا کرو۔
- ۲۲) گناہ کے بعد اللہ کے عذاب سے ڈر نہ رہو اور اس کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہو جاؤ۔
- ۲۳) گناہوں سے توبہ کرو کیونکہ توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں اور استغفار کے بعد گناہ پر اصرار نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسولوں کے ساتھ مسخری کرنے کے برابر ہے (توبہ توبہ بھی کرتا رہے اور گناہ بھی کرتا رہے۔
- ۲۴) یہ جان لو کہ جو مصیبت یا خوشی تمہیں پہنچی ہے اس نے پہنچا ہی تھا اور جو چوک گئی اس نے چوکنا ہی تھا (مقصد یہ ہے کہ انسان ہائے ہائے کر کے اپنی مصیبت میں اضافہ نہ کرے بلکہ اللہ کے فیصلے کے سامنے تسلیم خم کرے۔)
- ۲۵) کبھی ایسا نہ کرنا کہ مخلوق کی رضامندی کی خاطر اپنے اللہ کو ناراض کر لو۔
- ۲۶) کبھی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینا بلکہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا کیونکہ دنیا فانی اور آخرت باقی ہے۔
- ۲۷) جو کچھ تم سے ہو سکے اپنے بھائیوں کی امداد سے بخل نہ کرنا۔
- ۲۸) ظاہر و باطن کو ایک جیسا رکھو ظاہر اچھا اور باطن بُرا نہ بناؤ کیونکہ یہ منافقین کی نشانی ہے۔
- ۲۹) نہ جھوٹ بولو نہ جھوٹوں کی صحبت اختیار کرو۔
- ۳۰) حق بات کو سن کر غصہ نہ کرو (جبکہ حق بات تمہارے مفاد کے خلاف ہو)
- ۳۱) اپنے نفس کو اور اپنے اہل و عیال اور ہمسایوں کو حسب طاقت ادب سکھاؤ اور اپنے علم پر عمل کرو
- ۳۲) اللہ کی مخلوق کے ساتھ جو معاملہ کرو حق کے ساتھ کرو۔
- ۳۳) قریبی اور بعید کے لئے خوش نطق رہو اور جبار عنید نہ بنو۔
- ۳۴) تسبیح تقریس تہلیل اور دعا کو زیادہ کرو نیز موت کا ذکر اور موت کے بعد قیامت اور جنت و نار کا ذکر زیادہ کرو اور قرآن مجید کی قرأت زیادہ کرو اور اس کی ہدایات پر عمل کرو۔
- ۳۵) مومنین و مومنات پر احسان و نیکی کرنے کو غنیمت سمجھو اور نیک کام سے گھبرہٹا محسوس نہ کرو۔
- ۳۶) جس کام کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسرے مومنون کے لئے بھی پسند نہ کرو۔

۳۸ کسی پر لوجھ نہ ہو

۳۹ کسی پر احسان کر کے جتلاؤ نہیں۔

۴۰ دنیا کو قید خانہ سمجھو میاں تک کہ خدا تجھے جنت کا گھر عطا فرمائے۔

یہ چالیس حدیثیں ہیں جو شخص ان کو یاد کرے اور ان پر عمل کرے وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا۔ اور لوگوں سے افضل اور اللہ کا محبوب ترین بندہ ہوگا انبیاء و صدیقین کے بعد۔ خداوند کریم ایسے شخص کو انبیاء و صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ مشور کرے گا۔ اور یہ اس کے بہترین رفیق ہوں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ہماری احادیث میں سے چالیس حدیثیں یاد کرے بروز مشورہ فقہہ ہو کر اٹھے گا۔

معذرت

کافی عرصہ سے مقدمہ تفسیر انوار النجف کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا تھا لیکن نامساعد حالات اور مالی مشکلات کے پیش نظر اس کو دوبارہ طبع نہ کرایا جاسکا۔ اب قارئین کرام کے بڑھتے ہوئے اصرار کے ماتحت ضروری اضافہ کے ساتھ اس کو دوبارہ طبع کرایا گیا ہے اور ڈیر ایڈر دست آید کے مقولہ کے مطابق مقدمہ تفسیر کا تیسرا ایڈیشن، پہلے ایڈیشن کے مقابلہ میں مزید اناؤدیت کا موجب ہوگا۔ انشاء اللہ قارئین سے دعائے خیر کی امید رکھتا ہوں اور اپنی اس کاوش کا ثواب اپنے والدین مرحومین کو بدیر کرتا ہوں جن کی نیک تمناؤں کا اثر اور تقیہ ہے۔

الحمد لله رب العالمين وصلى الله على محمد وآله الطاهرين

انا عبده الحقير السكين بخش جاڑ ابن المرحوم المغفور ملك الله بخش جاڑ
راضوان الله عليه بافی جامعة العلمیہ باب النجف جاڑ من مضافات ڈیوہ اسمعیل خان
وبافی الجامعة العربیة "درس گاہ امامیہ" دریاخان ضلع میانوالی (پاکستان)

کتبہ محمد شفیع قریشی عنی عنہ سرگودھا وقت تمت الكتاب فی یوم الجمعة ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۸ء

مطابق ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ فی دریاخان۔

